# الکتاب

## آیات بیّنات

## جاء عیسیٰ بالبیّنات

حصہ اول

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ اَشْرَاطُهَا

احمد عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخاتم النبیّن

# قتل الدجّال بباب لد

## الدجّال کا پس منظر

محمد علیہ السلام نے الدجّال کے بارے میں جس طرح انسانیت کی راہنمائی کی اس کو نظرانداز کر کے آج تک اپنے اپنے ظن کے مطابق الدجّال کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آج تک الدجّال کے بارے میں جو عقائد و نظریات تخلیق کیے گئے ان میں حقیقت کا رائی برابر بھی عنصر شامل نہیں وہ محض ظن اور مفروضوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ان کا علم سے دور دور تک کا کوئی تعلق نہیں اگر ان میں سے کسی ایک عقیدے کو بھی صحیح مان لیا جائے تو نہ صرف قرآن کا انکار ہوتا ہے بلکہ محمد علیہ السلام کی بہت سی وہ باتیں جو روایات کی صورت میں ہم تک پہنچیں ہیں وہ مشکوک بن جاتی ہیں جنہیں طرح طرح کی تاویلات پہنا کر، عربی متن کو چھپا کر، روایات کو من گھڑت قرار دے کر تسلی کرنے کی کوشش تو کی جاتی ہے لیکن پھر بھی ایسا کرنے والے نہ صرف اپنے نظریے کو تقویت پہنچانے میں ناکام رہتے ہیں بلکہ الٹا ان کے عقائد و نظریات کی بنیادیں مزید کھوکھلی اور واضح ہو جاتی ہیں جس سے ان کے خودساختہ بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات پر لاتعداد سوالات کھڑے ہو جاتے ہیں جن کے جوابات دینا ایسے لوگوں کے بس سے باہر ہو جاتا ہے۔

ہم ہر لحاظ سے اس موضوع کا احاطہ کریں گے تاکہ ہر کسی پر حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جائے اور کسی بھی معاملے کو سمجھنا بالکل آسان ہو جائے۔

محمد علیہ السلام نے فتنہ الدجّال کے ضمن جس حکمت کا مظاہرہ کیا وہ کسی بھی طور پر غیر معمولی اہمیت و حیثیت سے کم نہیں اور ایسا صرف اور صرف ایسا بشر ہی کر سکتا ہے جس کا براہ راست خالق و مالک والہ اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق ہو جو اللہ کی زبان ہو جس کی زبان پر اللہ بول رہا ہو۔ یہ صرف اور صرف اللہ کی راہنمائی سے ہی ممکن تھا اس کے علاوہ یہ ناممکن تھا۔

محمد علیہ السلام نے اس ضمن میں جو الفاظ استعمال کیے وہ بالکل ایسے ہی ہیں جیسے قرآن کے الفاظ ہیں جو وقت کی قید سے آزاد نہ صرف ہر وقت کا احاطہ کرتے ہیں بلکہ ہر بات ہر شئے کا مکمل طور پر احاطہ کرتے ہیں حالانکہ محمد علیہ السلام چاہتے تو ایسے الفاظ استعمال کرتے جو صرف اسی وقت کا احاطہ کرتے جس وقت الدجّال کا خروج ہونا تھا مگر اس کا کسی بھی سطح پر فائدہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اگر محمد علیہ السلام ایسے الفاظ استعمال کرتے تو پھر ہر ایک پر واضح ہو جاتا کہ الدجّال تو تیرہ صدیاں بعد قیام الساعت کے قریب ہی نکلنا ہے لہذا تیرہ صدیاں تک کے ایمان لانے والے اسے نظرانداز کر دیتے اور کوئی بھی اہمیت نہ دیتے کیونکہ ظاہر ہے اگر آپ آج سے ہزار سال پہلے موجود ہوتے تو آپ بھی الدجّال کے حوالے سے بالکل بے فکر ہو جاتے۔

اور دوسری بات یہ کہ آج جب الدجّال موجود ہے سب پر اس کی حقیقت عیاں ہوتی اس کے باوجود اگر کوئی اس کے فتنے کا شکار ہوتا تو اس پر اتمام حجت ہو جاتی لیکن جبکہ یہ فتنہ اتنا سخت ہے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان اس سے بچ نہیں سکتا تو پھر اس کا ذکر صرف اسی انداز میں کرنا ہی ہر صورت مفید تھا کہ کسی پر اگر اتمام حجت ہو تو صرف تب ہی جب کہ وہ اس کا حق دار ہو۔

پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دجّالی قوتیں ایسے واضح علم کو دنیا کے انسانوں تک پہنچنے دیتیں؟ ظاہر ہے الدجّال کو ربّ تسلیم کرنے والے کسی بھی صورت حق کو انسانوں تک نہ پہنچنے دیتے بلکہ وہ اسے اپنے مقصد میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے اسے ہر ممکن حد تک چھپا دیتے یا اس میں ردوبدل کر کے حق کا حلیہ بگاڑ دیتے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور سب کا جواب صرف اور صرف اسی میں تھا کہ محمد علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان اس فتنے کے ڈر اور خوف سے خالی نہ رہے جس تک اس کی بھنک بھی پڑے اور سب اپنے اپنے وقت میں اس کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی فکر میں رہیں یوں ہر وقت کے مومن الدجّال سے بچنے کے لیے حق سے چمٹے رہیں۔ دنیا میں ہر وقت کے مومن الدجّال کے خروج سے پہلے تک اس وقت کے اعتبار سے ہر اس شئے کو دجّال قرار دیتے اور اس سے بچتے رہے جو شئے بھی انہیں آخرت سے غافل اور دنیاوی مال و متاع کے قریب کرتی، ہر اس شئے کو دجّال قرار دیتے رہے جس سے دنیا مزین نظر آئے جو دنیا کو مزین بنا دے جس سے انسان آخرت سے غافل ہو جائیں اور یہی وہ وجہ تھی جس وجہ سے محمد علیہ السلام نے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ دنیا میں ہر وقت کے مومن دجّال کے فتنے کے ڈر اور خوف کی وجہ سے دنیا کو لات مارتے اور آخرت سے حب

کرتے رہے۔

بلاشبہ ہر وہ شئے دجّال ہے جو ایسا دھوکہ ہو جس سے دنیا مزین ہو جائے اور انسان اس زینت کی وجہ سے دھوکے کا شکار ہو کر آخرت کا عملاً انکار کر بیٹھے خواہ وہ زبان سے مومن ہونے کے لاکھوں دعوے کرتا رہے۔

ہر وقت کا دجّال الگ تھا وہ یہ الدجّال نہیں تھا جس کا خروج قیام الساعت کے قریب ہونا تھا جو اشراط الساعت میں سے ہے یعنی جس کی وجہ سے زمین پر وہ عظیم زلزلہ آنا ہے جس میں تمام کے تمام بشر مارے جائیں گے۔ یہ الدجّال صرف انسان نہیں ہے لیکن جو اس سے پہلے دجّال گزرے ہیں وہ ضرور انسانوں میں سے تھے وہ کھانے پینے اور بازاروں میں چلنے کے محتاج تھے جنسی حاجات کو پورا کرنے کے محتاج تھے یعنی ہر اس شئے کے محتاج تھے جس کا کوئی بھی بشر محتاج ہو سکتا ہے لیکن وہ دجّال اپنے زمانے کے لحاظ سے قرب قیام الساعت نکلنے والے الدجّال سے الگ اور مختلف تھے۔

ان تمام دجّالوں کے بارے میں محمد علیہ السلام نے جو الفاظ استعمال کیے اس سے واضح کر دیا کہ وہ انسان ہوں گے جیسا کہ آپ درج ذیل روایات میں دیکھ سکتے ہیں۔

**رسول اللہ ﷺ قال: فی امتی کذابون ودجالون سبعة وعشرون، منهم اربعة نسوةٍ، وانی خاتم النبین لا نبی بعدی.** مسند احمد، الضیاء، طبرانی

رسول اللہ ﷺ نے کہا: میری امت میں ستائیس کذاب اور دجّال ہوں گے ان میں چار عورتیں ہوں گی اور میں خاتم النبیّن ہوں نہیں نبی میرے بعد۔

**رسول اللہ ﷺ قال: کذابین یخرجان من بعدی، وکان احد هما العنسی والآخر مسیلمة.** بخاری، ترمذی، بیهقی، ابن ماجه

رسول اللہ ﷺ نے کہا: میرے بعد دو کذاب نکلیں گے اور ان میں ایک عنسی اور دوسرا مسیلمہ ہوگا۔

اور محمد علیہ السلام نے ان کی صفات سے بھی آگاہ کر دیا کہ یہ دین کو بدلیں گے ان دجّالوں کے بارے میں قطعاً یہ نہیں کہا کہ یہ بارش برسائیں گے، یہ زمین سے اگائیں گے یا یہ زمین کو اپنے خزانے نکالنے کا حکم دیں گے لیکن ان کے برعکس جو الدجّال قیام الساعت کے قریب ظاہر ہوگا اس کے بارے میں محمد علیہ السلام نے جو کہا اسے الگ رکھ کر سمجھنا پڑے گا۔ قرب قیام الساعت کا الدجّال جو الساعت کے آنے کا سبب بنے گا کے بارے میں محمد علیہ السلام کی بیان کردہ روایات کو کسی بھی صورت اس سے پہلے گزرنے والے دجّالوں کے حوالے سے روایات کیساتھ خلط ملط نہیں کیا جا سکتا اگر ایسا کیا جائے گا تو لامحالہ ایسا کرنے والے اور ایسے لوگوں کے پیچھے چلنے والے صرف اور صرف گمراہی کا ہی شکار ہوں گے۔

ہر بات کو سمجھنے سے پہلے یہ ضرور ذہن میں رکھنا ہوگا کہ آج موجودہ انسانوں یعنی آپ کے اور محمد علیہ السلام کے درمیان ۱۴۰۰ سال سے زائد مدت کا فرق ہے اور جو روایات آج سے پہلے گزرنے والے زمانوں کے لیے تھیں ان کو الگ رکھنا پڑے گا۔ ایسا ہرگز نہیں کہ سب کی سب روایات صرف قرب قیام الساعت کے انسانوں کے لیے تھیں باقی جو ان سے پہلے تھے ان کی راہنمائی کے لیے کچھ تھا ہی نہیں اور پھر ہر وقت کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں انہیں بھی ضرور ذہن میں رکھنا ہوگا۔

عمر بن الخطاب نے ابن صیاد کے بارے میں قسم کھائی کہ یہی دجّال ہے نہ صرف عمر بن الخطاب بلکہ بہت سے اصحاب محمد اسے دجّال سمجھتے اور کہتے تھے یہاں تک کے ابن صیاد یثرب جو اس وقت مدینہ تھا میں پیدا ہوا اور وہیں اس کی موت ہوئی وہ مکہ بھی آتا جاتا تھا اور یہ جاننے کے باوجود کہ الدجّال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا وہ اسے دجّال کہتے رہے اس کی وجہ صرف اور صرف یہی تھی کہ محمد علیہ السلام نے الدجّال کے بارے میں راہنمائی ہی اسی طرح کی جو ہر وقت کا احاطہ کرے ہر وقت کا انسان خود کو الساعت کے قریب تصور کرے اور دجّال سے بچنے کے لیے فکرمند رہے۔

محمد علیہ السلام کے سامنے ابن صیاد کو دجّال کہا جانا اور محمد علیہ السلام کا خاموش رہنا قطعاً اس بات کا ثبوت نہیں کہ ابن صیاد ہی وہ الدجّال تھا جسے قرب قیام الساعت ظاہر ہونا تھا اور خود اللہ کے رسول کو اس وقت اس کا علم نہیں تھا اور پھر اس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ ابن صیاد چونکہ انسان تھا تو الدجّال بھی انسان ہی ہوگا۔

کسی بھی معاملے میں محمد علیہ السلام کی خاموشی اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ کام حلال یا جائز ہو جاتا ہے یا حلال یا جائز ہے بلکہ جب ایسا نظریہ قائم کیا جائے گا تو لامحالہ ایسا نظریہ قائم کرنے والے محمد علیہ السلام کی رسالت کا انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ رسول کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی مرضی کے مطابق گزرتا ہے رسول ہر

لمحے، نبوت کی پوری زندگی اللہ کی ہدایات کا محتاج اور پابند ہوتا ہے رسول کو خود علم نہیں ہوتا کہ اس نے اگلے لمحے کیا کرنا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے رسول کو باقیوں کے لیے احسن نمونہ یعنی اسوہ حسنہ بنانا ہوتا ہے۔

خمر یعنی الکوحل نشہ آور شیئے اور سود کی ہی مثال کو آپ کے سامنے رکھتے ہیں خمر کی حرمت کا اعلان ہجرت کے چوتھے سال کیا گیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا محمد علیہ السلام کو اس سے پہلے خمر کی حرمت کا علم نہیں تھا؟

تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ محمد علیہ السلام کو خمر کی حرمت کا علم تھا اسی لیے تو انہوں نے خود نہ پیا لیکن انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ بے شک خمر حرام ہے لیکن اس کی حرمت کا اعلان تب ہی کیا جائے گا جب اس کا وقت آئے گا اور وہ وقت کب آئے گا اس کا سب سے بہتر علم اللہ کو ہی ہے۔ جب اللہ نے خمر کی حرمت کا اعلان کرنے کو کہا تب اعلان کیا نہ کہ اس سے پہلے لیکن اس سے پہلے محمد علیہ السلام کے ذریعے اللہ اس وقت کے مومنوں کو اس مقام پر لے آیا جہاں پر آ کر خمر کو بھی ترک کرنا تھا۔

محمد علیہ السلام نے خود اپنی پوری زندگی میں خمر کو سونگھا تک نہیں بچپن میں اللہ نے اس سے محفوظ رکھا اور جب باشعور ہوئے تو انہیں خود اس بات کا علم تھا کہ خمر حرام ہے۔ اسی طرح محمد علیہ السلام کے بہت سے اصحاب ایسے تھے جنھوں نے پہلے بھی خمر نہ پیا اور بہت سے ایسے تھے جو خمر کی حرمت کے اعلان سے پہلے ہی اسے ترک کر چکے تھے اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں پر خمر انسان کے لیے اس طرح حرمت والا ہو جاتا ہے کہ پھر اگر وہ فعل انجام دیا جائے گا تو سزا کے حق دار بن جائیں گے لیکن یہ انفرادی سطح پر معاملہ تھا نہ کہ اجتماعی سطح پر۔

اب ایسے ہی اصحاب محمد میں سے کچھ اگر کسی ایسے موقع پر سوال کرتے یعنی کہ ابھی خمر کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا لیکن انہیں اس کا علم ہو چکا ہے کہ خمر حرام ہے لیکن جب وہ عام سطح پر لوگوں کو خمر پیتا دیکھتے تو محمد علیہ السلام سے اگر عام لوگوں کے سامنے سوال کرتے تو محمد علیہ السلام خاموش رہتے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی کہ وہ اللہ کے حکم کے محتاج ہیں جب تک کہ اس کی حرمت کا عام سطح پر اعلان کا وقت نہیں آجاتا اس سے پہلے اگر ہاں کریں گے تو فائدے کی بجائے الٹا نقصان ہوگا کیونکہ ابھی معاشرہ اس مقام پر نہیں پہنچا کہ خمر کی حرمت کا عام اعلان کر دیا جائے اور اگر اس کے باوجود ایسا کیا جاتا تو فائدے کی بجائے نقصان ہوتا یعنی اصلاح کی بجائے الٹا فساد ہوتا اس وجہ سے محمد علیہ السلام خاموش رہتے تھے اور پھر ایسے اصحاب محمد اس خاموشی سے سمجھ جاتے اور اپنے سوال پر اصرار نہ کرتے۔ پھر نہ ہی محمد علیہ السلام انکار کرتے کیونکہ جو شیئے حرام ہے اس کو حلال کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اس لیے اللہ کے رسول نہ ہاں اور نہ ہی ناں کہتے بلکہ خاموش رہتے لیکن جب ایسے کسی معاملے میں کسی ایسے شخص کی طرف سے سوال ہوتا جو براہ راست محمد علیہ السلام کی بجائے اصحاب محمد سے ایسی بات سنتا اور یقین نہ ہونے کی وجہ سے وہ سوال کرتا اور محمد علیہ السلام خاموش رہتے اس کے باوجود اس کے بار بار اصرار کرنے پر محمد علیہ السلام کا چہرہ سرخ بھی ہو جاتا اور ایسا ہو بھی کیوں نہ کیونکہ جب عام سطح پر ایسی بات نہیں کی جا سکتی اور کوئی اس کا اصرار کیے جا رہا ہو تو ظاہر ہے غصہ کیوں نہ آئے۔

جب انہیں اس بات کا علم تھا کہ الدجّال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا حالانکہ ابن صیاد تو مدینے میں ہی پیدا ہوا اور وہیں موجود تھا اور اس کے باوجود وہ ابن صیاد ہی کو دجّال کہتے اور اس پر قسمیں کھاتے تو ایسا کیوں؟ اس سوال کا جواب بھی روایات کا بغور مطالعہ کرنے سے مل جاتا ہے کہ عمر بن الخطاب کو اس وقت اس بات کا علم نہیں تھا کیونکہ اگر اس وقت اس بات کا علم ہوتا تو محمد علیہ السلام ایسا ہرگز نہ کہتے کہ اگر یہ وہی ہے تو اسے عیسیٰ رسول اللہ کے ہاتھوں ہی قتل ہونا ہے تم اس پر مسلط نہیں ہو سکتے۔ اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ محمد علیہ السلام کو اس وقت یہ علم تھا کہ الدجّال کون ہے اور کیا ہے اسی لیے تو محمد علیہ السلام نے ایسا کہا کہ قرب قیام الساعت نکلنے والے الدجّال پر صرف عیسیٰ رسول اللہ ہی مسلط ہوں گے نہ کہ ان کے علاوہ کوئی اور۔ لیکن اس علم کے باوجود جو اصحاب محمد ابن صیاد کے دجّال ہونے کی قسمیں کھاتے تو اس سے مراد وہ قرب قیام الساعت والا الدجّال نہیں بلکہ اس وقت کا دجّال ابن صیاد تھا جس کا شمار ان دجّالوں میں تھا جو قرب قیام الساعت کے الدجّال سے پہلے ظاہر ہونا تھے کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اصحاب محمد ابن صیاد کو قرب قیام الساعت والا الدجّال ہی سمجھتے تھے تو کیا اس سے پہلے، تیس، ستر، چھہتر، چالیس، تین یا اس سے زائد دجّال ظاہر ہو چکے تھے؟

اگر نہیں تو پھر وہ کیسے ابن صیاد کو قرب قیام الساعت والا الدجّال کہہ سکتے تھے؟ کیونکہ جب انہیں اس بات کا علم تھا کہ قرب قیام الساعت نکلنے والے الدجّال سے پہلے بہت سے انسان دجّال آئیں گے اور اگر وہ سب آئے ہی نہیں تو پھر اصحاب محمد ابن صیاد کو کسی بھی صورت قرب قیام الساعت والا الدجّال نہیں کہتے

تھے اور نہ ہی سمجھتے تھے بلکہ اگر وہ اسے دجّال کہتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ابن صیاد قرب قیام الساعت نکلنے والے الدجّال اکبر جو کہ علامات واشراط الساعت میں سے ہے سے پہلے آنے والے انسان دجالوں میں سے ایک تھا۔

بات کو مختصر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں ہر وقت کا دجّال الگ تھا اس وقت کے تقاضے کے مطابق ابن صیاد دجّال تھا لیکن ابن صیاد وہ الدجّال نہیں تھا جو قرب قیام الساعت والا الدجّال اکبر ہے۔ اس وقت کے تقاضے کے مدنظر اگر کسی میں ایسی صلاحیت تھی جو انہیں آخرت سے غافل کر کے دنیا میں مگن کر دے تو وہ ابن صیاد میں موجود تھی۔ اس وقت کا غیر معمولی ذہانت کا حامل انسان ابن صیاد ایسی باتیں بتاتا تھا کہ سامنے والے جن کو علم نہ ہوتا ان کو بہکانا، گمراہ کرنا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ آج ہی کی مثال لے لیتے ہیں آج جو کچھ بھی نہیں کر سکتے ان کے بارے میں یہ مشہور کر دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص بہت پہنچا ہوا ہے فلاں پیر صاحب بہت کامل ہیں تو جاہل تو دور کی بات خود کو پڑھے لکھے کہلوانے والے دور جدید کے بڑے بڑے عقل مند بھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

جب موجودہ دور میں بڑے بڑے پڑھے لکھوں کا یہ حال ہے تو ابن صیاد کا تو معاملہ ہی بالکل الگ تھا وہ اپنی چالاکی اور مکاری کا استعمال کرتے ہوئے لوگوں کو ان کے اکیلے انفرادی کیے جانے والے کاموں کے بارے میں بتا دیتا اور اگر آپ نے کوئی کام کیا ہو یا جس کا آپ کے علاوہ انسانوں میں سے کسی کو علم نہیں اور کوئی انسان آپ کو بتا دے کہ آپ نے فلاں وقت ایسا کام کیا تو یہ غیر معمولی بات ہو جاتی ہے حالانکہ بتانے والا انتہائی چالاکی اور ہوشیاری سے آپ سے ہی اگلوا کر آپ کو بتا دیتا ہے اور آپ کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔ ابن صیاد کی یہی غیر معمولی ذہانت اور چالاکی ہی اسے دوسروں سے ممتاز کرتی تھی اس وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کی یہ آیت بہت صراحت سے اس کا ذکر کرتی ہے۔

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ . الانعام ۱۲۱

اور اس میں کچھ شک نہیں شیاطین وحی کر رہے ہیں اپنے اولیاء یعنی جو ان کے مشن میں ان کے معاونین ہیں کی طرف۔

قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والے الدجّال اکبر سے پہلے ظاہر ہونے والے دجّالوں کے بارے میں محمد علیہ السلام نے کیا کہا اسے آپ درج ذیل روایات سے بھی جان سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا: الدجّال کے خروج سے پہلے ستر سے اوپر دجّال نکلیں گے۔ الدر المنثور، نعیم بن حماد، سنن الوارده، ابو یعلی

رسول اللہ ﷺ نے کہا: میری امت میں ستائیس کذاب اور دجّال ہوں گے ان میں چار عورتیں ہوں گی۔ مسند احمد، الضیاء، طبرانی، کنز العمال

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اور نہیں قائم ہوگی الساعت حتیٰ کہ کھڑے ہوں تیس سے قریب دجّال۔ مسند احمد، مسلم، بخاری، ابو داؤد، ترمذی، کنزالعمال

رسول اللہ ﷺ نے کہا: نہیں قائم ہوگی الساعت حتیٰ کہ نہ نکلیں تیس دجّال کذاب۔ ابن ابی شیبه، کنز العمال

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں کہ الساعت سے پہلے الدجّال ہے اور الدجّال سے پہلے کذاب ہوں گے تیس یا زیادہ۔ طبرانی، کنز العمال

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں الدجّال سے پہلے چھہتر دجّال ہوں گے۔ الدر المنثور، ابن ابی شیبه

اسی طرح وقت گزرتا گیا ہر وقت کے تقاضے کے مطابق دجّال بھی گزرتے رہے وہ چھہتر تھے، ستر تھے، چالیس تھے، تیس تھے، تین تھے، اس سے زائد یا اس سے کم وہ سب گزر چکے۔ آج آپ اس وقت میں موجود ہیں جس وقت میں اس الدجّال کی موجودگی ناگزیر ہے جس سے تمام کے تمام رسولوں نے اپنی قوموں کو اور محمد علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو ڈرایا اور متنبہ کیا جس کی وجہ سے اس سے پہلے تمام قومیں ہلاک ہوئیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔

## علامات واشراط الساعت میں سے قرب قیام الساعت نکلنے والا الدجّال

قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والے الدجّال اکبر کو سمجھنے کے لیے آپ کو محمد علیہ السلام کی اس راہنمائی کو نہ صرف قبول کرنا ہوگا بلکہ اس پر عمل کرنا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا: تحقیق کہ دجّال کھانا کھا چکا اور بازاروں میں گھوم پھر چکا۔ مسند احمد

یعنی وہ دجّال جو کھاتے پیتے تھے پھر جب کھاتے تھے تو کھانے سے جو حاجات لاحق ہوتی ہیں انہیں بھی پورا کرتے تھے، بازاروں میں تمہاری ہی طرح گھومتے

پھرتے وہ دجّال گزر چکے اب ایسا ہرگز نہیں کہ تم آج بھی اسی دجّال کی صفات کو سامنے رکھ کر الدجّال کو سمجھنے اور پہچاننے میں لگے رہو۔ جان لو اگر تم نے ایسا کیا تو تم الدجّال کو نہ صرف کبھی بھی جان اور پہچان نہیں پاؤ گے بلکہ الٹا اس کو اپنا ربّ بنا لو گے اور تمہیں اس کا شعور تک بھی نہیں ہوگا زبان سے تو تم مومن ہونے کے دعویدار ہو گے لیکن حقیقت میں تم منافق و مشرک ہو گے بدتر کافر ہو گے، زبان سے تو تم الدجّال کو برا بھلا کہو گے لیکن عملاً تم اسے اپنا ربّ بنائے ہوئے ہو گے۔

**رسول الله ﷺ قال: الدجّال لا یولد له.** مسند احمد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: الدجّال یعنی مخصوص دجّال ہے نہیں ہے جنم دینا اس کے لیے۔ یعنی نہ تو اس کو جنم دیا جائے گا اور نہ ہی وہ کسی کو جنم دے گا۔ وہ دجّال جو کسی کی اولاد تھے اور خود ان کی بھی اولاد تھی وہ گزر چکے لیکن جو الدجّال اکبر ہے جس کی وجہ سے الساعت آئے گی جو اللہ یعنی فطرت کے مقابلے پر اس کی ضد مصنوعی ربّ ہوگا اور لوگوں کو اپنی غلامی کی دعوت دے گا وہ نہ جنم دینے والا ہوگا نہ ہی اسے جنم دیا جائے گا۔

**رسول الله ﷺ قال: لیس الدجال انسان، انما ھو شیطان.** نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا ہرگز نہیں مخصوص دجّال انسان، اس میں کچھ شک نہیں جو کچھ بھی شیطان موجود ہے وہ مخصوص دجّال ہے۔

**رسول الله ﷺ قال: لیس ھو انسان، انما ھو شیطان.** نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا وہ یعنی مخصوص دجّال جو قرب قیام الساعت ظاہر ہونا ہے ہرگز انسان نہیں ہوگا، اس میں کچھ شک نہیں جو ہوگا وہ شیطان ہوگا یعنی جو کچھ بھی شیطان موجود ہوگا وہی قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والا دجال ہوگا۔

بہت سی روایات میں ملتا ہے کہ محمد علیہ السلام نے ہر اس شئے کو شیطان قرار دیا جو انسان کی ضرورت سے زائد ہے اور محمد علیہ السلام نے انسان کی ضرورت صرف اور صرف سر ڈھانپنے کے لیے چھت اور زندہ رہنے کے لیے یعنی زندگی گزارنے کے لیے کھانے اور ستر ڈھانپنے کے لیے ضرورت کیمطابق کپڑے کو قرار دیا اس کے علاوہ جو کچھ بھی انسان کی ضرورت سے زائد اس کے پاس ہے وہ شیطان ہے۔

اور قرآن میں اللہ نے کئی مقامات پر شیطان کے بارے میں کہا "**انه لکم عدو مبین**" اس میں کچھ شک نہیں جو کچھ بھی تمہارے اردگرد ہر طرف ہر لحاظ سے کھلم کھلا موجود ہے وہ شیطان ہے تمہارے ساتھ دشمنی کر رہا ہے۔ مبین. مبین جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ان میں پہلا لفظ "م" ہے جو کہ موجودگی کا اظہار کرتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں وہ یا جو وغیرہ اور اگلا لفظ ہے "بیّن" جس کے معنی ہیں شئے کا یا بات کا ہر لحاظ سے پر پہلو سے کھلم کھلا ہوا ہونا بالکل واضح ہونا بالکل سامنے ہونا یوں لفظ مبین کے معنی بنتے ہیں وہ جو کچھ بھی ہر لحاظ سے ہر پہلو سے ہر طرف کھلم کھلا موجود ہے ایسی شئے کو جو ہر طرف موجود ہو جدھر بھی نگاہ دوڑائی جائے موجود ہو۔ جو کچھ بھی آپ کے اردگرد موجود ہے سب کا سب جو بھی اس وقت دنیا میں موجود ہے آپ کا دشمن ہے آپ کیساتھ دشمنی کر رہا ہے یہ سب کا سب شیطان ہے۔ اور شیطان بھی جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ان میں پہلا لفظ "شیء" جو کہ کسی بھی شئے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور دوسرا لفظ "طان" ہے جس کے معنی ہیں کسی کو اس کے اصل مقصد اس کے مشن اس کی منزل کی طرف جانے سے روک دینا۔ اور روکا کئی طریقوں سے جاتا ہے مثلاً کسی کو اپنی طرف متوجہ کر کے اسے اس کی منزل و مقصد سے غافل کر کے روک دینا، پیار سے، سختی سے یا قوت سے روک دینا، کسی کو کسی لالچ کا شکار کر کے روک دینا وغیرہ۔

یہی خصوصیات دنیاوی مال و متاع میں پائی جاتی ہیں دنیاوی مال و متاع انسانوں کو ان کے مقصد ان کی منزل ان کے مشن سے انہیں روک دیتا ہے انہیں ان کی اصل کی طرف جانے سے روک دیتا ہے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے یہی وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے جو کچھ بھی کھلم کھلا موجود ہے یعنی دنیاوی مال و متاع اسے شیطان کہا۔

انسانوں کی اکثریت لفظ شیطان کو گالی یا پھر برا لفظ سمجھتی ہے حالانکہ یہ کوئی گالی یا برا لفظ نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے ہر وہ شئے جو کسی کو اس کے مقصد و منزل کی طرف جانے سے روک دے خواہ اپنی طرف متوجہ کر کے، کسی کو اپنے پیچھے لگا کر، پیار سے، سختی یا پھر قوت سے روک دے۔

مثال کے طور پر آپ کہیں کسی مقصد کے لیے جا رہے ہیں آپ اپنی منزل کی طرف جا رہے ہیں اور رستے میں کوئی مداری والا مداری دکھا رہا ہے اور آپ اس کی

طرف متوجہ ہوکر اپنے مقصد و مشن سے اپنی منزل سے غافل ہو جاتے ہیں کہ وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے وہ مداری والا آپ کے لیے شیطان کہلائے گا یہاں تک کہ اسے خود بھی علم نہیں ہوگا کہ وہ آپ کے لیے شیطان ثابت ہوا۔ اسی طرح آپ رستے میں کوئی خوبصورت شئے دیکھتے ہیں یا کچھ عجیب و غریب دیکھتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں کہ اپنے مقصد و مشن سے غافل ہو جاتے ہیں تو وہ شئے آپ کے لیے شیطان کہلائے گی حالانکہ اس شئے کا اس میں کوئی قصور نہیں ہوگا نہ ہی اسے اس بات کا شعور ہوگا کہ وہ آپ کے لیے شیطان ثابت ہو چکی ہے۔

اسی قرآن میں اللہ نے بیوی بچوں مال و اولاد تک کو شیطان کہا ہے اگر وہ بھی آپ کو اللہ کی طرف جانے سے جو کہ اصل مقصد ہے اس سے روکتے ہیں یا رکاوٹ بنتے ہیں۔

ان روایات سے یہ بات تو بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والا الدجّال انسان تو ہرگز نہیں ہوگا اور اس کے بالکل برعکس دنیاوی مال و متاع ہی الدجّال ہوگا ایسی اشیاء ہوں گی جو پوری دنیا کے انسانوں کو ان کے دنیا میں آنے کے مقصد سے غافل کر دیں گی انہیں اللہ کی طرف جانے سے روک دیں گی اپنی طرف متوجہ کر لیں گی جو کہ پوری دنیا میں ہر طرف کھلم کھلا موجود ہوں گی۔

**رسول اللہ ﷺ قال: (الدجّال) مختلف الخلق.** نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا الدجّال ہوگا مختلف الخلق یعنی الدجّال طرح طرح کی مخلوقات ہوں گی۔ طرح طرح کی مخلوقات الدجّال ہوں گی۔

یہاں تک بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ قرب قیام الساعت نکلنے والا الدجّال انسان نہیں ہوگا بلکہ وہ مختلف مخلوقات ہوں گی جو انسان کے لیے شیطان ہوں گی اور شیطان ہر وہ شئے کہلاتی ہے جو انسان کی ضرورت سے زائد ہو۔ انسان کی ضرورت زندہ رہنے کے لیے کھانا اور سر ڈھانپنے کے لیے چھت ہے اور ستر ڈھانپنے کے لیے ضرورت کیمطابق کپڑا ہے اس کے علاوہ جو کچھ بھی انسان کی ضرورت سے زائد ہے وہ انسان کے لیے شیطان ہے۔

شیطان یعنی وہ تمام کی تمام اشیاء وہ سب کا سب جو انسان کو دنیا میں آنے کے مقصد کو پہچاننے اور اس کو پورا کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے وہ وہ سب کا سب دنیاوی مال و متاع ہے یوں یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ دنیاوی مال و متاع جو کہ طرح طرح کی مخلوقات ہوں گی وہ ہے الدجّال اکبر۔ اور الدجّال اکبر فتنہ ہے، فتنہ کہتے ہیں اصل کے مقابلے پر نقل شئے جس کی موجودگی میں اصل اور نقل میں پہچان ناممکن حد تک مشکل ہو جائے جس کی وجہ سے انسان نقل کا شکار ہو جائے یعنی قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والا الدجّال اکبر فطرت نہیں بلکہ فطرت کے مقابلے پر غیر فطرتی طرح طرح کی مصنوعی مخلوقات ہوں گی جو کہ انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ فتنہ ہوگا۔

**رسول اللہ ﷺ قال: اللھم انی اعوذبک من فتنۃ الدنیا یعنی فتنۃ الدجال.** بخاری

رسول اللہ ﷺ نے کہا: جو اللہ ہے اس میں کچھ شک نہیں میں اللہ کیساتھ بچ رہا ہوں مخصوص دنیا کے فتنے سے یعنی فتنہ الدجّال سے۔

اس روایت میں محمد علیہ السلام نے بالکل واضح الفاظ میں دوٹوک فتنہ الدجّال دنیا کے فتنے کو قرار دیا۔ دنیاوی مال و متاع، حیات الدنیا ہی الدجّال ہے بالکل قرآن کے عین مطابق جس کو اللہ نے قرآن میں بار بار شیطان کہا یعنی جو کچھ بھی آپ کے اردگرد ہر طرف کھلم کھلا موجود ہے دنیاوی حیات، دنیا کا مال و متاع وہ شیطان ہے اور شیطان انسان کا دشمن ہے جسے اللہ نے انسان کا دشمن قرار دیا اللہ کے رسول محمد علیہ السلام نے اسے قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والا علامات و اشراط میں سے الدجّال کہا۔

**یقول انا ربکم الاعلیٰ.** ابن کثیر

الدجّال کہہ رہا ہے اس میں کچھ شک نہیں میں ربّ ہوں تمہارا سب سے اوپر۔

الدجّال کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں سب سے اوپر والا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیسے کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں اور پھر اس پر ایمان کیسے لایا جائے گا یا اس کے ربّ ہونے کا کفر کیسے کیا جائے گا اور اللہ کے ربّ ہونے پر ایمان کیسے لایا جائے گا؟

اس میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے وہ کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا اصل ربّ کون ہے؟ جب تک آپ کو آپ کے اصل ربّ کا علم نہیں ہو جاتا جب تک آپ اپنے اصل ربّ کو نہیں جان لیتے تب تک آپ الدجّال کو نہیں جان پائیں گے اور نہ ہی یہ سمجھ سکیں گے کہ

الدجّال ربّ ہونے کا دعویٰ کیسے کرے گا کیونکہ الدجّال فتنہ ہے اور فتنہ کہتے ہیں اصل کے مقابلے پر نقل کو، الدجّال اصل ربّ اللہ کے مقابلے پر نقل ربّ ہے اس لیے جب تک اصل ربّ اللہ کو نہیں جان لیا جاتا تب تک آپ نقل ربّ یعنی اصل کے مقابلے پر نقل ربّ فتنہ الدجّال کو نہیں جان سکتے۔

اب سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ آپ کا ربّ کون ہے؟ تو ہر کوئی اس کا جواب یہی دیتا ہے کہ ہمارا ربّ اللہ ہے لیکن اگر کسی سے سوال کیا جائے کہ اللہ کیا ہے اللہ کون ہے اللہ کے بارے میں کچھ بتائیں تو کسی کے پاس بھی اللہ کے بارے میں جواب موجود نہیں ہے اور آپ اگر اپنی زندگی میں غور و فکر کریں کیا کبھی ایسا ہوا ہو کہ اللہ نے آپ کو براہ راست آپ کی زبان میں یہ کہا ہو کہ میں تمہارا ربّ ہوں؟ کبھی آپ کو ایسی آواز سنائی دی ہو کہ میں اللہ بول رہا ہوں اور میں تمہارا ربّ ہوں؟ کیا کبھی ایسا ہوا؟ ایسا کبھی نہیں ہوا اور اگر ہوا بھی تو اس کا بھی کسی کو شعور ہی نہیں کیونکہ جہالت اس قدر پھیل چکی ہے کہ جب کبھی بھی اللہ کسی بشری کی صورت میں بشری آواز میں کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں تو کوئی بھی اسے ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کی آواز ہے۔ کسی کو بھی نہیں علم کہ اللہ کیا ہے ان کا ربّ کون ہے کیا ہے اس کے برعکس اللہ کے بارے میں نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات موجود ہیں۔ اب جب آپ کو اللہ جو کہ آپ کا اصل ربّ ہے اس کا ہی علم نہیں تو پھر ظاہر ہے آپ اس کی نقل کو یعنی فتنہ الدجّال کو کیسے پہچان سکتے ہیں؟ آپ اس وقت تک فتنہ الدجّال کو نہیں جان اور پہچان سکتے جب تک کہ آپ اصل ربّ اللہ کو نہیں جان لیتے، اس لیے آپ کو سب سے پہلے یہ جاننا ہے کہ اللہ آپ کا ربّ ہے تو کس طرح، اللہ کا اپنے ربّ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس کے لیے لفظ ربّ کے معنی آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں کیونکہ جب تک لفظ ربّ کے معنی کا ہی علم نہیں ہوگا تب تک آپ اس بات کو نہیں سمجھ سکیں گے اور اللہ کو بھی اپنا ربّ نہیں بنا پائیں گے اور الٹا الدجّال کو اپنا ربّ بنا بیٹھیں گے اور آپ کو اس کا شعور تک نہیں ہوگا۔

اگر آپ یہ جان لیں کہ آپ کا ربّ کون ہے تو نہ صرف کھل کر واضح ہو جائے گا کہ اللہ کیا ہے بلکہ اصل ربّ اللہ کے مقابلے پر نقل ربّ فتنہ الدجّال بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا اور آپ پر یہ بھی کھل کر واضح ہو جائے گا کہ اللہ کس طرح کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں اور پھر الدجّال کس طرح ربکم الاعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا ربّ کون ہے؟ آپ کا ربّ کیا ہے؟ تو اسکا جواب بہت آسان ہے اگر آپ لفظ ربّ کو جان لیں اور اس کے بعد اپنی خلق میں غور و فکر کریں تو آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ ربّ کیا ہے اور یہی بات قرآن میں بار بار کہی گئی کہ تم اپنی ہی خلق میں، آسمانوں و زمین کی خلق میں کیوں نہیں غور و فکر کرتے اگر تم اپنی ہی خلق میں، آسمانوں اور زمین میں غور و فکر کرو گے تو تم پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ تمہارا ربّ کون ہے۔

ربّ: ربّ کہتے ہیں ایسی ذات جو خلق کرے یعنی عدم سے وجود میں لائے، خلق کر کے مخلوق کو اس کی تمام ضروریات بھی خلق کر کے مہیا کرے اور اسے پروان چڑھا کر اس مقام پر لے کر آئے جس مقام پر آ کر وہ اس مقصد کو پورا کرنے کے قابل ہو جائے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے خلق کیا گیا یعنی اسے وجود میں لایا گیا اور جس مقصد کے لیے اسے خلق کیا اس پر وہ مقصد واضح کرے اسے جس مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے جو راہنمائی درکار ہے اس کی راہنمائی کرے اور اگر مخلوق وہ مقصد پورا کرے تو اس کو اس کا بدلہ حسن دے اور اگر اس میں کوئی کمی، کوتاہی، سستی، لاپرواہی کرے یا سرے سے ہی انکار کر دے تو اس کو اس کی سزا بھی دے۔

اب آپ اپنی ہی خلق میں غور کریں اور دیکھیں کہ آپ کو کس نے خلق کیا، کون ہے جس نے آپ کو عدم سے وجود میں لایا اور پھر آپ کی ضروریات کیا ہیں اور کون ہے جو آپ کو آپ کی ضروریات خلق کر کے مہیا کر رہا ہے؟ جب آپ اپنی ہی خلق میں غور و فکر کریں تو آپ پر کھل کر واضح ہو جائے گا کہ یہ جو فطرت ہے یہی آپ کا ربّ ہے یعنی یہ فطرت ہی آپ کو عدم سے وجود میں لائی اور اسی میں آپ واپس پلٹائے جائیں گے، یہ فطرت ہی ہے جو آپ کو آپ کی تمام تر ضروریات خلق کر کے فراہم کر رہی ہے یعنی مخلوقات کا مجموعہ ہی اصل ربّ کے طور پر سامنے آئے گا جس سے یہ بھی کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جو ہر طرف کھلم کھلا نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے۔

مثلاً آپ اپنی ہی ذات میں غور کریں کہ آپ کو کس نے خلق کیا تو سب سے پہلے آپ کے والدین آپ کے سامنے آئیں گے کہ ایک مرد اور عورت نے آپ کو وجود دیا پھر اس کے پیچھے جائیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ پہلے آپ اپنے والد سے الگ ہوئے نطفے کی صورت میں اور پھر والدہ کے پیٹ میں جو والدہ نے کھایا اس سے وجود میں آئے، ایسے ہی جس نطفے سے آپ وجود میں آئے وہ نطفہ اس سے وجود میں آیا جو آپ کے والد نے رزق کھایا اور پھر وہ رزق کیسے وجود میں آیا تو وہ رزق زمین سے نباتات کی صورت میں نکلا اور نباتات پانی، زمین اور زمین کے عناصر سے مل کر وجود میں آئیں، پانی سمندروں سے بخارات بن کر

بلندیوں پر گیا پھر بلندیوں سے پانی بارش کی صورت میں اترا اس پانی سے نباتات وجود میں آئیں، زیر زمین طین، نطفہ جسے آپ خام تیل کا نام دیتے ہیں اس سے نباتات وجود میں آئیں اور خام تیل پہاڑوں میں موجود زمین کے عناصر سے وجود میں آیا اور زمین کے عناصر اور پانی اس سے پیچھے خلا سے شہابیوں کی صورت میں آیا، ایسے ہی آپ کی ضروریات میں سے ایک آکسیجن ہے جس کے بغیر آپ زندہ نہیں رہ سکتے اور آکسیجن آپ کو درخت فراہم کر رہے ہیں اور پھر جب درختوں کی خلق میں غور کریں یا آسمانوں و زمین کی کسی بھی خلق میں غوروفکر کریں تو یہی وجود ہی آپ کے سامنے آئے گا جو ہر طرف آپ کو نظر آ رہا ہے یعنی جیسے جیسے آپ غوروفکر کرتے چلے جائیں گے تو یہی وجود ہی آپ کے ربّ کے طور پر آپ کے سامنے آئے گا جسے آپ کائنات کہتے ہیں یا جسے آپ فطرت کہتے ہیں جو کہ فطرتی مخلوقات کا مجموعہ ہے۔

اب جب یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ فطرت ہی وہ ذات ہے جو آپ کو عدم سے وجود میں لائی اور آپ کو آپ کا رزق یعنی تمام تر ضروریات خلق کر کے فراہم کر رہی ہے جیسے کہ آپ کے کھانے کے لیے ثمرات، پینے کے لیے پانی، سفر کے لیے گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ تو پھر فتنہ الدجّال یعنی اصل ربّ کے مقابلے پر نقل ربّ فطرت کے مقابلے پر اس کی ضد مصنوعی مخلوقات ہیں یعنی انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کی جانے والے طرح طرح کی مخلوقات کا مجموعہ ہے الدجّال ہے وہی الدجّال جو نہ صرف علامات و اشراط الساعت میں سے ہے بلکہ جسے قیام الساعت کے قریب نکلنا تھا۔

اب آئیں اس طرف کہ اللہ کس طرح کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں، تو اس کے لیے دیکھیں اگر آپ کو آکسیجن کی ضرورت ہے تو آپ آکسیجن کس سے حاصل کر رہے ہیں؟ کیا فطرت سے آکسیجن حاصل نہیں کر رہے؟ کیا فطرت آکسیجن فراہم نہیں کر رہی ذرا غور کریں اگر فطرت آکسیجن فراہم نہ کرے تو آپ زندہ رہ سکتے ہیں؟ نہیں بالکل نہیں۔ اب آپ خود غور کریں کہ آپ کو کس نے کہا کہ آکسیجن درختوں سے حاصل کرنی ہے؟ یعنی فطرت جو کہ اللہ ہے اسے اپنا ربّ بناؤ؟ تو فطرت خود اپنے عمل سے دعویٰ کر رہی ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ پھر اس کے علاوہ انسان چونکہ بشر ہیں تو اللہ یعنی فطرت یہ وجود انہی میں سے ان میں اپنا رسول بعث کرتا ہے جو انسانوں پر حق کھول کھول کر واضح کرتا ہے یعنی اللہ اپنے رسول کے ذریعے اپنے نبیوں کے ذریعے انسانوں کو کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں، میں ہی ہوں جس نے تمہیں عدم سے وجود میں لایا، میں ہی ہوں جو موت کو حیا کر رہا ہوں یعنی دیکھو میں بارشیں برساتا ہوں ان بارشوں سے زمین سے ثمرات نکالتا ہوں ان سے تمہاری تمام تر ضروریات خلق کرتا ہوں مثلاً تمہارے کھانے کے لیے، پینے کے لیے، سواری کے ذرائع سمیت تمہاری تمام تر ضروریات خلق کر رہا ہوں، تمہیں بیٹھنا کیسے ہے، اٹھنا کیسے ہے، کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا، کیا حلال ہے، کیا حرام ہے، کس میں تمہارے لیے فائدہ ہے کس میں تمہارے لیے فائدہ نہیں ہے، کون تمہارا دوست ہے اور کون تمہارا دشمن ہے تم پر کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں تمہاری راہنمائی کر رہا ہوں یعنی میں تمہارا ربّ ہوں اس طرح اللہ اپنے ربّ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یعنی ایک طرف فطرت اپنے عمل سے ربّ ہونے کی دعویدار ہے اور دوسری طرف انسان چونکہ بشر ہیں تو ان میں سے اپنے رسول کے ذریعے انہیں نبا دیتا ہے ان کو کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں ان کی راہنمائی کرتا ہے۔

یعنی اللہ اپنے نبیوں کے ذریعے کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں، نبی نبا سے ہے نبا کہتے ہیں اس علم کو جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اور جب اللہ وہ علم انسانوں کو دیتا ہے تو وہ نبا کہلاتا ہے نبا دینے والے کو عربوں کی زبان میں نبی کہا جاتا ہے یعنی وہ جو انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے جو کہتا ہے کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اسے پورا کیسے کرنا ہے تم کون ہو کیا ہو تمہاری حقیقت کیا ہے تمہارے لیے کیا فائدہ مند ہے کیا نقصان دہ ہے، کیا کھانا ہے اور کیا پینا ہے، کیسے کھانا ہے اور کیسے پینا ہے، کیا اگانا ہے اور کیسے اگانا ہے، معاش کیسا ہوگا اور طریقہ کیا ہوگا، حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے سمیت دنیا میں کس مقصد کے لیے بھیجے گئے سب کے سب کا علم سے راہنمائی کرے، راہنمائی کرنے والے کو عربوں کی زبان میں نبی کہتے ہیں اور اردو میں نبی کے معنی راہنما کے ہیں وہ جو آپ کی راہنمائی کر رہا ہے جو انسانوں کی راہنمائی کا دعویدار ہے کہ کون تمہارا ربّ ہے کسے تم نے اپنا ربّ بنانا ہے یعنی کہ تمہارا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے تمہیں کیوں خلق کیا گیا وہ مقصد پورا کیسے ہوگا تمہارے لیے کیا فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ ہے، تمہاری ضروریات کیا ہیں اور انہیں کیسے حاصل کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔

آپ پر مختلف پہلوؤں سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو گئی کہ اصل ربّ اللہ یعنی فطرت ہے جو کہ مخلوقات ہی ہیں لیکن ان کو وجود میں لانے والی فطرت ہے اور الدجّال جو ربّ ہونے کا دعویٰ کرے گا وہ فطرت کے مقابلے پر فطرت کی ضد ہو گی، وہ فطرت کے مقابلے پر انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ غیر فطرتی مصنوعی طرح طرح کی مخلوقات ہوں گی جو بالکل وہی کام کریں گے جو کام فطرت یعنی اللہ کر رہا ہے۔ اب اللہ یعنی فطرت کے علاوہ کوئی بھی ایسی ذات

جو ایسے کام کرتی ہے، کرے گی یا کر رہی ہے تو وہی الدجّال اکبر ہے کیونکہ جو صفات الدجّال اکبر کی ہیں وہ اس کے علاوہ باقی کسی دجّال میں نہیں ہیں۔

اب آج آپ اپنے ارد گرد دیکھیں کہ کیا جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے وہ صرف اور صرف فطرت ہی ہے یا پھر فطرت کے مقابلے پر فطرت کی ضد انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ طرح طرح کی مخلوقات موجود ہیں؟ کیا آج صرف اور صرف اصل ربّ فطرت ہی موجود ہے یا پھر اس کے علاوہ فتنہ الدجّال یعنی اصل کے مقابلے پر نقل ربّ مصنوعی مخلوقات بھی موجود ہیں جو کہ انسانوں کو اپنے دھوکے کا شکار کیے ہوئے ہیں اور لوگوں کی اکثریت ان کے دھوکے کا شکار ہو کر انہیں اپنا ربّ بنائے ہوئے ہے؟ تو حق ہر لحاظ سے بالکل کھلم کھلا آپ کے سامنے ہے نہ صرف آج الدجّال یعنی فطرت کے مقابلے پر انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ فطرت کی ضد مشینیں اور مصنوعی مخلوقات پوری دنیا میں دھندنا رہی ہیں بلکہ کوئی بھی انہیں الدجّال تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں بلکہ الٹا ہر کوئی انہیں اپنے لیے مسیحا سمجھتے ہوئے اپنا ربّ بنائے ہوئے ہے۔

یوں جس طرح اللہ یعنی فطرت عملاً ربکم الاعلیٰ ہونے کی دعویدار ہے ایسے ہی فطرت کے مقابلے پر اس کی ضد انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ مخلوقات یہ الدجّال ربکم الاعلیٰ ہونے کا دعویدار ہے پھر دیکھیں اسی کے بارے میں آج سے چودہ صدیاں قبل جو محمد علیہ السلام نے کہا تھا بخاری میں محمد علیہ السلام کے فتنہ الدجّال کے بارے میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو کہ بالکل واضح کر دیتے ہیں کہ الدجّال کیا ہے۔ الدجّال دنیا کے فتنے کا نام ہے یعنی دنیاوی مال و متاع جس کے دھوکے میں مبتلا ہو کر انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اس کی حقیقت کیا ہے دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اس سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس دنیاوی مال و متاع کو ہی اپنا مقصد و مشن بنا کر اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیتا ہے جیسا کہ محمد علیہ السلام کے الفاظ درج ذیل روایت میں آپ کے سامنے ہیں۔

**رسول الله ﷺ قال: اللهم انی اعوذبک من فتنة الدنيا يعنی فتنة الدجال.** بخاری

رسول اللہ ﷺ نے کہا: جو اللہ ہے اس میں کچھ شک نہیں میں اللہ کیساتھ بچ رہا ہوں مخصوص دنیا کے فتنے سے یعنی فتنہ الدجّال سے۔

اس کے علاوہ آج سے چودہ صدیاں قبل ہی محمد علیہ السلام نے یہ بھی کھول کر واضح کر دیا تھا کہ نہ صرف میں نے کھول کھول کر واضح کر دیا کہ الدجّال کیا ہے بلکہ اس کے باوجود وہ تمہاری عقلوں میں آیا اور نہ ہی آئے گا جیسا کہ درج ذیل روایت میں آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

**رسول الله ﷺ قال: انی قد حدثتکم عن الدجّال حتی خشيت ان لا تعقلوا.** ابو داؤد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں میں نے تمہیں الدجّال کے بارے میں جو بھی ایجادات، حادثات، واقعات ہوں گے سب بیان کر دیا اس کے باوجود مجھے یہ یقین ہے کہ وہ تمہاری عقلوں میں نہیں آئے گا۔ یعنی تم ان ایجادات وغیرہ کو الدجّال کی بجائے اپنا مسیحا تسلیم کر بیٹھو گے ان کے دجل کا شکار ہو کر انہیں اپنا ربّ تسلیم کر لو گے۔

**حدث.** بیان کرنا، ایجادات، واقعات، حادثات، مصائب وغیرہ۔

**خشی.** یقینی خطرہ، یعنی جس بات کا خدشہ ہو وہ پوری ہو کر رہے گی۔ جیسے یہ لفظ سورۃ الکھف میں اللہ کے غلام اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جب اللہ کے غلام نے ایک نابالغ بچے کو قتل کیا اور یہ کہا کہ انہیں خشی ہوئی کہ اگر وہ بڑا ہوتا تو والدین کو کفر میں مبتلا کرتا اس لیے قتل کر دیا۔ اس موقع پر یہی لفظ ''خشی'' آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس بچے کے بارے میں جو خدشہ تھا وہ یقینی تھا یعنی اگر وہ بچہ بڑا ہو گا تو ضرور ایسا کرے گا اس کی وجہ سے ضرور یقینی طور پر اس کے والدین کفر کا شکار ہو جائیں گے۔

اس روایت میں محمد علیہ السلام کے الفاظ کو سامنے رکھیں تو محمد علیہ السلام اس وقت بتا تو اپنے اصحاب کو رہے تھے جو کہ سامنے موجود تھے لیکن اصل مخاطب وہ تھے جن کی زندگیوں میں الدجّال کا خروج ہونا تھا اور محمد علیہ السلام نے کہا کہ الدجّال جو بھی ہے یعنی جو بھی ایجادات ہیں، حادثات، واقعات ہیں ان سب سے میں نے تمہیں آگاہ کر دیا تمہیں کھول کھول کر بتا دیا لیکن اس کے باوجود الدجّال تمہاری عقلوں میں نہیں آئے گا اور اللہ کے رسول محمد علیہ السلام نے بالکل سچ کہا تھا آج تک الدجّال کو کوئی نہ پہچان سکا، کسی کی عقل میں نہ آیا یہاں تک کہ وہ نہ صرف الدجّال نکل چکا بلکہ جو کچھ اس نے کرنا تھا کر چکا، آج الدجّال پوری دنیا میں دھندناتا پھر رہا ہے اب پیچھے صرف رہ گیا تو اس کا ابن مریم کی مثل عیسیٰ رسول اللہ کے ہاتھوں باب لد سے قتل ہونا باقی رہ گیا یعنی الدجّال کا ادراک اور اس

دجل کی حقیقت خالص اللہ کے عطا کردہ علم سے صرف اور صرف ابن مریم کی مثل عیسیٰ رسول اللہ ہی چاک کریں گے ان کے علاوہ اور کسی کی عقل میں نہیں آئے گا۔

حالانکہ خود محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ الدجّال پر صرف اور صرف ایک ہی شخص مسلط ہو پائے گا اور جو شخص الدجّال کے قتل پر مسلط ہو جائے گا وہی عیسیٰ اللہ کا رسول ہو گا لیکن اس کے باوجود ایک بڑی تعداد الدجّال کے بارے میں بلند و بانگ دعوے کرتی رہی اور کر رہی ہے اور ہر کوئی اپنی اپنی عقل کیمطابق الدجّال کے بارے میں بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات گھڑ کر اخذ کیے ہوئے ہے حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ محمد علیہ السلام کے الفاظ کے مطابق الدجّال کو سمجھنے اور اس سے بچنے کے لیے راتوں کی نیند حرام ہو جانی چاہیے تھی۔ جیسے جیسے آپ کتاب کو پڑھتے جائیں گے ویسے ویسے آپ کے پاؤں تلے سے زمین سرکتی چلی جائے گی اور واضح ہو جائے گا کہ آج آپ کس وقت میں موجود ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت ان حقائق کو غلط ثابت نہیں کر سکتی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے جو آگے کتاب میں آئیں گے حتیٰ کہ کتاب کا آخری حرف آجائے۔

## لفظ الدجّال کے معنی

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ دجّال کسی کی کنیت نہیں جسے اردو میں نام کہا جاتا ہے جس سے کسی کو جانا پہچانا یا پکارا جاتا ہے بلکہ لفظ دجّال اسم ہے اور اسم کے اردو میں معنی صفت، صلاحیت کے ہوتے ہیں حالانکہ اردو میں اسم کا ترجمہ نام کیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط العام ہے۔ نام کو عربی میں کنیہ کہتے ہیں کنیہ کے معنی ہیں جس سے کسی کو جانا پہچانا جائے یا جس سے کوئی مشہور و معروف ہو اور اس کے برعکس اسم کہتے ہیں صفت کو یعنی کسی کے اندر خوبیوں و کچھ کرنے کی صلاحیتوں کو اسم کہتے ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے اس فرق کو ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے ورنہ آپ علم کی بجائے ظن سے کام لیتے ہوئے اس بہت ہی اہم موضوع کو دیو مالائی کہانیوں میں تبدیل کر دیں گے جن کا حقیقت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہو گا جس سے سوائے گمراہی کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

لفظ ''اللہ'' جو کہ اصل میں جملہ ہے اور لفظ ''دجّل، دجّال'' دونوں میں بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے دونوں میں ''الف لام'' مشترک ہے۔ لفظ اللہ کیسے بنا ہے سب سے پہلے اس لفظ پر غور کر لیں اس کے بعد آگے بڑھیں گے۔ عربی دنیا کی واحد ایسی زبان ہے جس کا ترجمہ دنیا کی کسی بھی زبان میں نہیں کیا جا سکتا عربی کا ترجمہ کرنا ناممکن ہے البتہ اس کے معنی بیان کیے جا سکتے ہیں دنیا کی تمام زبانوں میں ایسے الفاظ موجود ہیں یا ایسے اصول موجود ہیں جو عربی میں پائے جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔

عربی میں جہاں بھی '' ّ '' شد کا استعمال ہوتا ہے اس کا مطلب ہوتا ہے کہ دو الفاظ آپس میں جڑ رہے ہیں جن میں دو مشترک حروف ضم ہو کر ایک میں تبدیل ہو کر ایک لفظ بن رہا ہے اور جب اسے پڑھا جائے گا تو جھٹکے سے پڑھا جائے گا۔ مثلاً لفظ اللہ کو ہی لے لیں جو کہ اصل میں جملہ ہے اور دو الفاظ کے مجموعے سے بنا ہے ''ال جمع الہٰ'' ان میں دونوں ''الف'' ضم ہو کر ایک ''الف'' میں تبدیل ہو گیا اور ''شد'' دونوں ''الف'' کی وضاحت کر رہی ہے اور دوسرے لفظ ''الہٰ'' کا الف کھڑی زبر کے طور پر شد کے اوپر آ گیا اور لفظ اللہ بن گیا۔

الہٰ میں اصل لفظ ''ال'' ہے جس کے معنی کو سمجھنے کے لیے قرآن سے راہنمائی بہت ضروری ہے اور اسے سمجھنے کے لیے تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہے جو یہاں ممکن نہیں اس لیے ہم موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے الف لام کا آسان سے آسان معنی یہاں بیان کرتے ہیں۔

ال اگر کسی بھی لفظ کے شروع میں الگ سے استعمال ہوتا ہے جو کہ اس لفظ کے اصلی حروف میں سے نہ ہو تو ال مخصوص کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اسکے علاوہ ''الف لام یعنی ال یا ایل'' یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عربی میں ربّ کے ہیں اور آپ اس ذات کو اللہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ جیسے عبرانی کا لفظ ہے دانی ایل یعنی دانیال یہ بنی اسرائیل میں ایک نبی گزرے ہیں ان کا اسم ہے جو عبرانی کے دو الفاظ کا مجموعہ ہے ''دانی جمع ایل یا ال'' عبرانی کے لفظ دانی کو عربی میں حکمہ اور ایل یا ال کو ربّ کہتے ہیں اور آپ اپنے ربّ کو اللہ نام سے پکارتے ہیں یوں دانیال کے معنی اللہ کی حکمت بنتے ہیں جیسے عربوں کی زبان اور اردو یا فارسی میں حکمت اللہ اور اسے عبرانی میں دانی ایل یا دانیال کہتے ہیں۔

مختصراً عبرانی زبان میں ''ال یا ایل'' ربّ کو کہا جاتا ہے جس کے معنی جو خلق کرے، خلق کر کے پروان چڑھانے کے لیے تمام طرح کی ضروریات خلق کر کے

مہیا کرے، جس مقصد کے لیے خلق کیا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اس لائن کی طرف راہنمائی کرے جس پر قائم ہو کر وہ مقصد پورا کیا جا سکے جس مقصد کے لیے خلق کیا، اطاعت وفرمانبرداری کا اچھا بدل اور نافرمانی کی سزا دے۔ عربی میں ال کے معنی ربّ اور ربّ اللہ ہے۔

اب آتے ہیں لفظ دجّال کی طرف، یہ بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے ''دجل اور الف لام یعنی ال'' ''دجل'' کے معنی دھوکے میں ڈال دینے، عقل پر پردہ ڈال دینے، حقیقت کو ڈھانپ یا چھپا لینے، اصل کو نقل اور نقل کو اصل دکھا دینے، باطل کو حق اور حق کو باطل بنا کر پیش کرنے کے ہیں کسی شئے کی اصل حقیقت کو چھپا کر جو اس کی اصل حقیقت نہیں وہ سامنے پیش کرنے یا دکھانے کے ہیں اور ''ال'' کے معنی تو آپ پہلے ہی جان چکے ہیں یوں اگر دجل اور ال دونوں الفاظ کے معنوں کو سامنے رکھیں تو آپ پر لفظ ''دجّال'' کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں یعنی ایک ایسا ربّ جس کے دھوکے کا شکار ہو کر انسان اپنے اصل ربّ کا کفر کرے، فتنے کا شکار ہو کر اس فتنے کو ہی اپنا ربّ تسلیم کر لے یعنی اصل کی نقل آ جائے جس کی موجودگی میں اصل اور نقل کی پہچان مٹ جائے یہاں تک کہ نقل کی موجودگی میں اصل پس پردہ چلا جائے اور اکثریت نقل کو ہی اصل سمجھ کر اس کا شکار ہو جائے۔

اس کے علاوہ دجل کسی بھی ایک شئے یا ایک سے زائد ان اشیاء کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کی نشان دہی کی جائے۔ ''د'' کے بعد جیم پر شد اور لام کے درمیان الف آ جانے سے لفظ دجّال بن جاتا ہے جس میں کل کا مادہ شامل ہو جاتا ہے اسے یوں بھی لکھا جا سکتا ہے ''دجّل'' لیکن عربی میں اسے لکھنا اور پڑھنا زیادہ آسان اس طرح لکھنے سے ہے دجّال۔ یوں دجّال کے معنی ہیں ہر وہ شئے جو حقیقت کو ڈھانپ کر دھوکے میں مبتلا کر دے، نقل کو اصل دکھائے یا عقل پر پردہ ڈال دے یا ہر وہ شئے جو اپنی حقیقت کے برعکس جو اس کی حقیقت نہیں ہے وہ نظر آئے اور لوگ اسے جو نظر آ رہی ہے اس کا شکار ہو جائیں اسے ہی اصل اور حقیقت تسلیم کر لیں۔

الدجّال کسی فرد واحد کا نام نہیں بلکہ یہ ایسی ہی کسی ذات کا نام ہے جو ربّ ہونے کا دعویٰ کرے گی جیسے کہ اللہ کی ذات آپ کا ربّ ہے یعنی وہ ذات وہی کام کرے گی جو کام اللہ کرتا ہے جن کے ناطے اللہ ربّ ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے پہلے آپ کو اللہ کے بارے میں جاننا ہوگا کہ اللہ آپ کا ربّ ہے تو کیسے؟ جب آپ یہ جان لیں گے تو آپ پر خود بخود واضح ہو جائے گا کہ الدجّال کون سی ذات ہے الدجّال کی حقیقت کیا ہے آپ کو کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں رہے گا ورنہ آپ اپنے ظن کی بنیاد پر ایسے ایسے نظریات قائم کریں گے اور انہی کا پرچار کریں گے جو محض گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں ہوں گے جن سے آپ حقیقت کے برعکس فتنہ دجّال کا شکار ہو کر اللہ کے ربّ ہونے کا کفر اور جانے یا انجانے میں دجّال کے ربّ ہونے پر ایمان لے آئیں گے اسے اپنا ربّ بنا بیٹھیں گے اور آپ کو اس کا شعور تک نہیں ہوگا۔

پھر اس کے علاوہ الدجّال کو مسیح کہا گیا ہے مسیح مسح سے ہے یہ لفظ عربی کے ان چند الفاظ میں سے ایک ہے جو لامحدود معنوں کا حامل ہے اس کا ایک معنی ہے شئے پر اثر انداز ہونا اور اس کے علاوہ اس لفظ کے بہت سے معنوں میں چند معنی درج ذیل ہیں۔

کسی بھی طرح سے کسی شئے پر اثر انداز ہونا، صاف کرنا، گھسنا، رگڑنا، تیل، کوئی بھی شئے جس پر تیل کی تہہ چڑھی ہوئی جیسے رنگ کیا ہوتا ہے، تباہ کرنا، خراب کرنا، توہین کا بدلہ لینا، داغوں یا گندگی سے صاف شدہ، قتل، بڑے پیمانے پر کسی بلب یا آگ لگنے سے روشنی ہونا، ربڑ، کسی بھی شئے کے انگ انگ کو دیکھ کر اس میں خرابی یا نقص وغیرہ کا پتہ لگانا، تلاش کرنا، معائنہ کرنا، نصب شدہ کو اکھاڑنا جیسے انگلش میں ان انسٹالیشن کہتے ہیں، ناپنا، پیمائش کرنا، کتاب سازی، چھاپہ سازی، لیتھوگرافی، پرنٹنگ، رنگ، ذائقہ، ''لوہا، تانبہ، سلور، پیتل، سونا، ایلومینیم وغیرہ سمیت اس طرح کی کسی سخت دھات کی پرت چڑھی شئے''، گریس، چکنائی، نظام، خدمت، دیکھ بھال، ''آگے، پیچھے، دائیں، بائیں حرکت کرنا'' سفر کرنا، ربڑ وغیرہ۔ پیچھے بیان کردہ تمام کی تمام اشیاء جو انسان کے لیے دنیا کو مزین اور آخرت سے غافل کریں یعنی جن کے دھوکے کا شکار ہو کر انسان دنیا میں مگن ہو جائے اور آخرت سے غافل ہو جائے وہی الدجّال ہے۔

فتنہ الدجّال سے محفوظ رہنے کے لیے محمد علیہ السلام نے سورت الکہف کی تلاوت کا حکم دیا۔

محمد علیہ السلام کے فرامین کے خلاصے کے مطابق آدم کی خلق سے لیکر قیام الساعت تک واقع ہونے والے فتنوں میں فتنہ الدجّال سے بڑا فتنہ اور کوئی نہیں یعنی

آدم جو کہ یہ بشر ہیں ان کی خلق سے لیکر ان کے خاتمے تک جو کہ قیام الساعت جو کہ ایک عظیم زلزلہ ہے کی صورت میں ان کا خاتمہ ہوگا تک جتنے بھی فتنے ہیں ان میں الدجّال سب سے بڑا اور اعظم فتنہ ہے اسی فتنہ الدجّال ہی کی وجہ سے قوم نوح عظیم طوفان کی صورت میں تباہی سے ہلاک ہوئی۔ تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو الدجّال سے ڈرایا الدجّال سے متنبہ کیا۔ موجودہ قوم سے پہلے دنیا کی تاریخ میں چھ قومیں بڑے عذابوں کا شکار ہوئیں اور ان سب کے لیے عذاب کی وجہ یہی فتنہ الدجّال ہی تھا لیکن محمد علیہ السلام نے اپنی امت کو الدجّال کے متعلق وہ بات بتائی جو اس سے پہلے کسی اور نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی۔ محمد علیہ السلام نے الدجّال کے بارے میں جو کچھ بھی بیان کیا اور اس کی وضاحت آگے آئے گی لیکن محمد علیہ السلام نے فتنہ الدجّال سے حفاظت کے لیے سورت الکہف کی تلاوت کی تلقین کی۔ تلاوت کو پہلے سمجھتے ہیں تا کہ آپ پر یہ واضح ہو جائے کہ سورت الکہف کی تلاوت سے مراد کیا ہے۔ تلاوت کو سمجھنے کے لیے ایک مثال کا سہارا لیتے ہیں تصور کریں کہ آپ نے کوئی کام کرنا ہے اور اس کام کو کرنے کے لیے درکار ہدایات ایک کتاب میں درج ہیں اور ان کی تعداد دس ہے۔ اب آپ ایسا کریں گے کہ سب سے پہلی ہدایت کی قرأت کریں گے یعنی اسے پڑھیں گے اور اس میں جو راہنمائی ملے گی اس راہنمائی کی روشنی میں آپ عمل کریں گے اور جب وہ کر چکیں تو دوسری ہدایت کو پڑھیں اور اس سے حاصل ہونے والی راہنمائی کی صورت میں اپنے کام کو مزید آگے بڑھائیں اسی طرح ایک کے بعد ایک ہدایت پر عمل کرتے رہیں جب تک کہ تمام ہدایات مکمل ہو کر آپ کام مکمل نہ کر لیں یعنی اپنی منزل حاصل نہ کر لیں یہ عربی میں تلاوت کہلاتا ہے۔ فتنہ الدجّال سے حفاظت کے لیے سورۃ الکہف کی تلاوت کرنی ہے یعنی کہ سورت الکہف میں فتنہ الدجّال اور اس سے محفوظ ہونے کی مکمل راہنمائی موجود ہے جیسے جیسے اور جس طرح سورت الکہف راہنمائی کرے انہی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ہی انسان الدجّال کے فتنے سے محفوظ ہوسکتا ہے۔

محمد علیہ السلام نے جب فتنہ الدجّال سے حفاظت کے لیے سورت الکہف کی تلاوت کا حکم دیا تو اس کا مطلب ہے کہ سورت الکہف میں فتنہ الدجّال اور اس فتنے سے بچنے کا مکمل علم موجود ہے یعنی کہ ایسا قطعاً نہیں ہوسکتا کہ محمد علیہ السلام فتنہ الدجّال سے حفاظت کے لیے سورت الکہف کی تلاوت کا حکم دیں اور کوئی یہ کہے کہ سورت الکہف تو دور کی بات پورے قرآن میں ہی فتنہ الدجّال کا کوئی ذکر موجود ہی نہیں۔ اگر کوئی ایسا کہتا ہے یا آپ کہتے یا مانتے ہیں، ایسا عقیدہ یا نظریہ اخذ کریں گے تو گویا کہ آپ نے محمد علیہ السلام پر افتراء کیا، بہتان عظیم باندھا۔

یہ بالکل ایسا ہی ہوگا کہ آپ کسی ڈاکٹر کے پاس جائیں کہ آپ کو دانتوں کا مرض ہو لیکن ڈاکٹر آپ کو پاؤں درد کی دوا تھما دے یعنی کہ نہ اس میں بیماری کی تشخیص کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی اس کی دوا تجویز کرنے کی۔ محمد علیہ السلام پر کسی قسم کا بہتان باندھنے کی بجائے سورت الکہف کے ذریعے مرض یعنی فتنہ الدجّال کی تشخیص بھی کریں گے اور اس کے علاج کے لیے اس کی دوا بھی اسی سے اخذ کریں گے۔

موضوع لمبا ہونے کی وجہ سے ہم پوری سورت الکہف پر بات تو نہیں کریں گے لیکن ہم موضوع کے اعتبار سے سورۃ الکہف میں ان بنیادی نکات کو سامنے رکھتے ہوئے بات کریں گے جن سے ایک تو پوری سورت کا احاطہ ہو جائے اور دوسرا ہمارے موضوع کی صراحت کیساتھ وضاحت ہو جائے۔

سورت الکہف میں سب سے پہلے بنی اسرائیل میں سے ان کا ذکر آتا ہے جو عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں یعنی کہ عیسائی اور ان کے فوراً بعد اصحاب الکہف کا ذکر کیا گیا ہے جن کو اس معاشرے کو چھوڑنا پڑا اور جن وجوہات کی بنا پر اس معاشرے کو چھوڑنا پڑا ان کی سختی کو ان کی اللہ سے کی گئی دعا سے با آسانی سمجھا جا سکتا ہے اور اسی دعا کے نتیجے میں اللہ نے ان کی حفاظت کی اس کی صراحت کے ساتھ وضاحت آگے اپنے مقام پر آئے گی۔

عیسیٰ ابن مریم کے گزر جانے کے کچھ عرصے بعد بنی اسرائیل جو کہ یہود میں سے تھے ان کی حکومت قائم تھی اور دینی حالات ایسے تھے جیسے کہ آج موجودہ دنیا میں حالات ہیں اس دوران سات نوجوان عیسیٰ ابن مریم پر ایمان لائے اور اس معاشرے میں دین پر قائم رہنا ناممکن حد تک مشکل تھا جس کی وجہ سے انہیں ہجرت کرنا پڑی اور دنیا کے حالات ایسے تھے کہ جیسے اللہ کی زمین پر کوئی ایک بھی ایسا خطہ ان کی پہنچ میں نہیں تھا جہاں پر رہ کر وہ ایمان لانے کا حق ادا کر سکیں۔ بیلے میں یعنی ایسے علاقے میں جہاں انسان آباد نہیں تھے وہاں ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور اللہ سے دعا کی کہ اے وہ ذات جس نے ہمیں خلق کیا اور کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا اور جس مقصد کے لیے خلق کیا اگر ہم وہ مقصد پورا نہ کریں گے تو نہ صرف ہم خود خسارے میں رہیں گے بلکہ تیرے وضع کردہ المیز ان میں بھی خسارے کا باعث بنیں گے اس لیے اگر ہم نے وہ مقصد پورا نہ کیا تو ہم خسارے میں رہیں گے چونکہ اب ہم اس مقصد کو جان چکے ہیں ہم پر حق واضح ہو چکا ہے اور تُو جانتا

میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں فطرت میں مداخلت کر رہے ہیں ہر مخلوق کو اس کے مقام سے ہٹا رہے ہیں تو کیا ان اعمال کے رد اعمال ہلاکتوں اور تباہیوں کی صورت میں ظاہر نہیں ہو رہے؟ کیا زلزلے، سیلاب، طوفان، آندھیاں نہیں آ رہے؟ کیا زمین جگہ جگہ سے پھٹ نہیں رہی؟ زمین جگہ جگہ سے دھنس نہیں رہی؟ پہاڑ ٹل نہیں رہے؟ زمین ٹل نہیں رہی؟ موسموں کا نظام درہم برہم نہیں ہو چکا؟ زمین کے پیدا کرنے کی صلاحیت غیر معمولی حد تک متاثر نہیں ہو چکی؟ درجہ حرارت دن بہ دن غیر معمولی حد تک نہیں بڑھ رہا؟ طرح طرح کی بیماریوں کا سیلاب نہیں اُمڈ آیا؟ قتل و غارت کی کثرت نہیں ہو چکی؟ طرح طرح کی ہلاکتوں و تباہیوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیا ہوا؟ تو کون ہے جو اپنے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے اعمال کے سبب ظاہر ہونے والے اس فساد سے عبرت حاصل کر رہا ہے؟

جیسے آپ کے جسم میں کسی بھی عضو کو چھیڑا جائے تو ایک حد تک تو برداشت کیا جائے گا لیکن جب کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے میں حد سے تجاوز کرتا ہے اور برداشت کی حد پار ہو جاتی ہے تو جسم کے وہی اعضاء ردعمل کا اظہار کرتے ہیں جس سے چھیڑ چھاڑ کرنے والے کو اپنی حرکتوں کا مزہ چکھنا پڑتا ہے بالکل ایسے ہی آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کی آیات ہیں جب ان میں چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو کیا اللہ کی آیات واپس پلٹ کر نہیں آئیں گی؟ ظاہر ہے جب اللہ کی آیات میں چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو برداشت کی ایک حد ہوتی ہے جب وہ حد پار ہو جائے تو آیات آتی ہیں اور آئیں گی اور آج پوری دنیا کے انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کی آیات آ رہی ہیں اللہ کی آیات نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا ہوا ہے اب جب کہ یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تو انہیں چاہیے تھا کہ یہ باز آ جاتے فساد کرنے سے رک جاتے اللہ کی آیات سے کذب کرنے سے رک جاتے عبرت حاصل کرتے لیکن آج پوری دنیا کے انسانوں کا معاملہ یہ ہے کہ آج اللہ کی آیات آ رہی ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود آیات کا شکار ہونے کے باوجود بھی اللہ کی آیات سے اعراض ہی کر رہے ہیں حق اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود بھی اعراض ہی کر رہے ہیں اور اسی کا ذکر اللہ نے اگلی آیت میں کیا۔

**وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ.** الانعام ۴

**وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ** اور نہیں اخذ کرتیں انہیں آیات سے کوئی بھی آیت ان کے ربّ کی آیات سے **اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ** مگر جب بھی ان کے ربّ کی آیات سے کوئی بھی آیت انہیں آ پکڑتی ہے تو یہ تھے ہی اس سے اعراض کرنے والے، اس سے عبرت حاصل کرتے ہوئے مفسد اعمال سے باز آنے کی بجائے اسے بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اپنی اسی روش پر قائم رہنے والے۔ یعنی انسانوں پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا اس کے باوجود انہوں نے حق کو تسلیم نہ کیا انہوں نے اس بات کو تسلیم ہی نہ کیا کہ آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کی آیات ہیں ان میں چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی ان میں پنگے نہیں لینے ان کو ان کے مقامات سے نہیں ہٹانا ان میں تبدیلیاں نہیں کرنی فطرت سے دشمنی نہیں کرنی ورنہ میزان میں خسارہ ہو کر تباہیاں آئیں گی اور پھر جب انہوں نے اللہ کی آیات سے کذب کیا تو انہوں نے وہی سب اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا آج ان کے ربّ کی آیات آ رہی ہیں زلزلوں کی صورت میں، سیلابوں کی صورت میں، طوفانوں کی صورت میں، بیماریوں کی صورت میں طرح طرح کی ہلاکتوں و تباہیوں کی صورت میں تو ان میں سے جب بھی کوئی آیت انہیں آ پکڑتی ہے تو بجائے اس کے یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد مان جاتے حق کو تسلیم کر لیتے بلکہ یہ الٹا اعراض ہی کر رہے ہیں یہ کوئی توجہ ہی نہیں دے رہے یہ بالکل اندھے بنے ہوئے ہیں ایسے کہ جیسا کچھ ہوا ہی نہیں جیسے کچھ ہو ہی نہیں رہا۔

**فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ.** الانعام ۵

**فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ** پس تحقیق کے کذب ہی کر رہے ہیں حق سے جب کہ اب تو ان کے پاس حق آ چکا ہے ان میں انہی سے اللہ کا رسول آ چکا ہے جو حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے اس کے باوجود بھی یہ حق سے کذب ہی کر رہے ہیں حق کو تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں، یعنی چلو مان لیا کہ تم اندھے ہو تمہیں نظر نہیں آ رہا جس کی وجہ یہ ہے کہ تمہیں بتایا گیا کہ یہ دین نہیں ہے بلکہ دین تو وہ ہے جو نسل در نسل آباؤ اجداد سے منتقل ہوا یہ جو تباہیاں آ رہی ہیں یہ سب تو عام سی بات ہے ان کا دین کیساتھ کوئی تعلق نہیں جس وجہ سے تم حق کو نہیں پہچان پا رہے لیکن اب تو تمہی میں سے تم میں اللہ کا رسول موجود ہے جو تم پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر رکھ رہا ہے اور تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو اگر رد کر سکتے ہو اس کی بات کو غلط ثابت کر سکتے ہو تو کر کے دکھاؤ کہ یہ حق نہیں ہے؟ یہ اللہ کا رسول یعنی تم پر جو حق کھول کھول کر بیان کر رہا ہے کیا یہ اللہ کا بھیجا ہوا نہیں ہے؟ جو کچھ بھی یہ کھول کھول کر واضح کر رہا ہے کیا یہ حق نہیں ہے تم اس کی کسی ایک

بھی بات کا رد کر کے دکھاؤ۔ جان لو نہیں کر سکو گے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے کیونکہ وہ حق ہی کہاں جس کا رد ہو جائے جس کا رد ہو جائے وہ تو بے بنیاد باطل ہوتا ہے۔

یہ باطل نہیں ہے یہ حق ہے پوری دنیا کے شیاطین کو اپنے اولیاء بنا لو تم اس حق کا رد نہیں کر سکو گے اور حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی تم جو حق کا انکار کر رہے ہو اور اس کے خلاف ہی کر رہے ہو تو یہ تم حق سے کذب کر رہے ہو فَسَوۡفَ یَاۡتِیۡهِمۡ اَنۡبٰٓؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡن پس جلد ہی آ رہی ہے، کیا ہے جو جلد ہی آ رہی ہے؟ وہ نبا ہے یعنی وہ جوان پر آنے ہی والی ہے جس کا علم صرف اور صرف اللہ ہی کے پاس ہے وہ آنے ہی والی ہے یعنی الساعت ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے مفسد اعمال کے رد اعمال میں بالآخر انتہائی بھیانک تباہی عظیم زلزلہ جس میں کوئی ایک بھی انسان نہیں بچے گا اور اس سے بھی پہلے ان کے بالکل سر پر ہے القارعہ عظیم عالمی ایٹمی جنگ جس میں دنیا کی اسی فیصد آبادی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گی اور جو کچھ انہوں نے بنا رکھا ہے اس سب کا بھی نام ونشان مٹ جائے گا اور یہ عذاب ان پر آنے ہی والے ہیں اس کے سبب جس سے یہ استہزا کر رہے ہیں ایسے ہی جیسے ان سے پہلے جو آباد تھے انہوں نے استہزاء کیا یعنی جیسے ان سے پہلے قوم نوح کیساتھ یہی ہوا انہوں نے حق کو تسلیم نہ کیا اور اس کے برعکس وہی کیا جو یہ آج کر رہے ہیں ترقی کے نام پر آسمانوں وزمین میں فساد، اور جب وہ فساد ظاہر ہوا اللہ کی آیات نے انہیں آ پکڑنا شروع کیا تو بجائے اس کے کہ وہ عبرت حاصل کرتے اور فساد سے باز آ جاتے بلکہ وہ اللہ کی آیات سے اعراض ہی کرتے رہے انہیں بالکل نظر انداز کرتے ہیں جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ ہو اور پھر جب ان کی طرف رسول بھیج کر ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا تو انہوں نے رسول کی دعوت کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اسے مجنون کہا اسے پاگل کہا اسے جاہل کہا اسے گالیاں دیں اس کے خلاف محاذ کھولے تو پھر نتیجہ کیا نکلا بالکل یہی ان کیساتھ ہونے والا ہے جو آج اس وقت موجود ہیں جن سے آج کلام کیا جا رہا ہے ۔ یہی قوم عاد نے کیا جب ان پر ھود اللہ کے رسول کے ذریعے حق کھول کھول کر واضح کر دیا تو انہوں نے بھی وہی کیا جو قوم نوح نے کیا وہی ھود کیساتھ کیا تو ان کا انجام کیا ہوا؟ ایسے ہی صالح کیساتھ ہوا، ایسے ہی شعیب کیساتھ، ایسے ہی لوط کیساتھ، ایسے ہی موسیٰ کیساتھ اور آج بھی بالکل وہی ہو رہا ہے آج بھی اللہ نے اپنا رسول بھیج دیا جو حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے اور حق ہر لحاظ سے کھل کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی یہ ماننے کو تیار ہی نہیں یہ اس سے استہزا ہی کر رہے ہیں یہ حق سے اعراض ہی کر رہے ہیں تو پھر ان کا انجام کیا ان سے کوئی مختلف ہونے والا ہے؟ یعنی ان کا انجام ان کے آباؤ اجداد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین، قوم لوط، اخوان لوط اور آل فرعون وغیرہ سے مختلف ہونے والا ہے؟ نہیں بالکل نہیں یہ آج عنقریب اپنی آنکھوں سے اپنا بھیانک انجام دیکھیں گے جو کہ ان کے بالکل سر پر آ چکا ہے۔

**اَلَمۡ یَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّكَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّكُمۡ وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡهِمۡ مِّدۡرَارًا وَّجَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِیۡنَ.** الانعام ۶

اَلَمۡ یَرَوۡا کیا نہیں دیکھ رہے؟ کیا یہ آج اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے؟ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ جس طرح آج ان پر ہلاکتیں آ رہی ہیں ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے مفسد اعمال کے سبب بالکل ایسے ہی ہم نے انہیں ہلاک کیا جو ان سے پہلے تھے ان کا نام ونشان مٹا کر رکھ دیا زمانوں سے مَّكَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّكُمۡ ہم نے انہیں مکن دیا تھا زمین میں ایسا مکن کہ جو تمہارے لیے زمین میں مکن نہیں ہے یعنی اے دنیا میں آباد لوگو آج تم سمجھتے ہو کہ تم نے بہت ترقی کر لی تمہیں دنیا سے کوئی نہیں مٹا سکتا تم نے بڑے بڑے قوت والے اسباب خلق کر لیے تمہیں کوئی زوال نہیں تمہاری زمین میں بنیادیں بہت مضبوط ہو چکیں اب تم ایسے ہی آگے بڑھتے چلے جاؤ گے تو جان لو وہ قومیں جو تم سے پہلے تھیں قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمو، دقوم لوط، قوم مدین اور آل فرعون وغیرہ انہیں جو کچھ دیا گیا تھا ان کو زمین میں جو اختیار واقتدار دیا گیا تھا تم اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تم اسے حاصل کر ہی نہیں سکتے وہ تم سے اس قدر بڑھ کر تھے اس کے باوجود ان کا انجام کیا ہوا؟ کیا ان کو زمین میں دیا گیا مکن انہیں بچا سکا؟ ان کے خلق کردہ اسباب انہیں بچا سکے؟ نہیں نا، تو پھر جب وہ جو تم سے ان سب میں کئی گنا بڑھ کر ہونے کے باوجود زمین پر نہ ٹھہر سکے ان کو ہلاک کر دیا گیا تو تم کس کھیت کی مولی ہو؟

وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡهِمۡ مِّدۡرَارًا انہوں نے آسمانوں میں یعنی زمین کے گرد گیسوں کی تہوں میں چھیڑ چھاڑ کی موسموں میں پنگے لیے تو ان کے ان اعمال کے سبب زمین کے گرد گیسوں کی تہوں میں وضع کردہ توازن بگڑ گیا جس سے ہم نے ان پر آسمان سے بھیجا مِّدۡرَارًا یعنی درجہ حرارت دن بہ دن بڑھتا چلا گیا

موسموں کا نظام درہم برہم ہو گیا گلیشیئر پگھلنے لگے بارشوں کی کثرت ہو گئی اور وہ اسی چکر میں پھنس کر رہ گئے وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ اور کر دیں ہم نے انہار جو ان کے تحت سے بہہ رہی تھیں پس کیا کیا ہم نے؟ ہم نے انہیں ہلاک کیا ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے مفسد اعمال کے سبب اور آج ایسے ہی تمہیں ہلاک کیا جا رہا ہے وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ اور کیا کر دیا ہم نے؟ ہم نے قانون بنا دیا جو آخرین ہیں یعنی جو فساد میں ملوث نہیں ہوتے جو مجرم نہیں ہوتے انہیں بچا لیتے ہیں اور بعد میں ان کو زمین کا وارث بنا دیتے ہیں جو ان کے بعد زمانوں میں آئے یعنی اے دنیا کے لوگو اے انسانو ذرا غور کرو آج تم پر جو ہلاکتیں آ رہی ہیں کیسے آ رہی ہیں؟

یہ زلزلے، سیلاب، طوفان، آندھیاں، زمین کا دھنسنا، پہاڑوں کا ٹل جانا، بیماریوں کا سیلاب، اور ایسے ہی طرح طرح کی جو ہلاکتیں تم پر مسلط ہیں یہ سب کیسے آ رہی ہیں؟ کیا یہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے ترقی کے نام پر مفسد اعمال کے رد اعمال نہیں ہیں؟ جیسے آج تم پر یہ ہلاکتیں مسلط ہو چکیں ہیں جو عنقریب بڑھتے بڑھتے تمہارا نام ونشان مٹا دیں گی بالکل ایسے ہی وہ جو تم سے پہلے تھے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین، قوم لوط اور آل فرعون وغیرہ انہیں بھی بالکل ایسے ہی ہلاک کیا گیا تھا۔

اب آپ خود غور کریں کہ یاجوج اور ماجوج کون تھے اور کون ہیں؟

جب ماضی میں زمین پر آباد لوگوں پر ایک وقت آیا کہ خود ہی اپنے ہاتھوں سے ترقی کے نام پر فساد کرتے رہے اور بالآخر وہ اپنے ہاتھوں سے کیے ہوئے مفسد اعمال کے سبب ہلاک ہوئے تو کیا یاجوج ماجوج کوئی اور تھے؟ وہی تو یاجوج اور ماجوج تھے جو زمین میں فساد کرتے رہے اور آج جو زمین میں فساد کر رہے ہیں یہ ہیں یاجوج اور ماجوج، آج یاجوج اور ماجوج سے پوری زمین بھر چکی ہے ہر وہ شخص یاجوج اور ماجوج میں سے ہے جو زمین میں فساد کر رہا ہے۔

ذرا غور کریں جب آپ اپنی گاڑی پر جسے آپ اپنے لیے آرام دہ سواری کا ذریعہ اور نعمت سمجھتے ہیں اس پر سفر کرتے ہیں اسے استعمال کرتے ہیں تو اس سے خارج ہونے والی انتہائی زہریلی گیسوں سے کس قدر فساد ہو رہا ہے کتنی ہی مخلوقات اس سے ہلاک ہو رہی ہیں آسمانوں و زمین میں ان سے کس قدر فساد ہو رہا ہے بیماریاں بڑھ رہی ہیں اور پھر اس سے پہلے تو اس کی تخلیق میں غور کریں کہ اس کی تخلیق کیسے کی گئی زمین کو پھاڑ کر اللہ کے غیب سے نکالا گیا اللہ کے غیب کا کفر کیا گیا اللہ کی آیات سے کذب کیا گیا اس کے بعد مزید زمین میں فساد در فساد کے بعد وہ گاڑی وجود میں آئی اب جب آپ ایک گاڑی خریدتے ہیں یا اس میں سفر کرتے ہیں تو آپ اس سارے فساد میں حصے دار بن گئے جب آپ براہ راست زمین میں فساد میں ملوث ہیں تو پھر کیا یاجوج اور ماجوج کوئی اور ہوں گے؟ یہ آپ کو کس نے کہہ دیا؟ جب یاجوج اور ماجوج وہ ہیں جو زمین میں فساد کر رہے ہیں تو پھر آپ زمین میں فساد کرنے کے باوجود یاجوج اور ماجوج میں سے کیوں نہیں؟ آپ کا شمار یاجوج اور ماجوج میں ہے وہی یاجوج اور ماجوج جن کا آپ انتظار کر رہے ہیں۔ آج بے شک آپ اس بات کو تسلیم نہ کریں اس سے کسی کا کوئی نقصان نہیں لیکن جان لیں یہ آپ اپنا ہی نقصان کریں گے آپ اکثریت کو دیکھتے ہیں اور اکثریت کے پیچھے ہیں تو جان لیں کہ آپ کا انجام بھی اکثریت کیساتھ ہی ہو گا اور کل کو عنقریب جو کہ وقت آپ کے سر پر آ چکا ہے آپ چیخ چیخ کر سب کچھ تسلیم کریں گے آپ کی حالت قابل رحم ہو گی لیکن اس کے باوجود کوئی رحم نہیں کیا جائے گا آپ کا ماننا آپ کو کوئی نفع نہیں دے گا تب آپ کا ماننا بالکل فرعون کے ماننے کی مثل ہو گا۔

اگر آپ بھی وہی کرتے ہیں جو قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم مدین اور آل فرعون نے کیا تو آپ کا انجام بھی بالکل وہی ہونے والا ہے۔ ان پر جب عذاب ان کے سر پر آ گیا تو اللہ کا قانون ہے کہ وہ رسول بعث کر کے متنبہ کیے بغیر عذاب نہیں دیتا تا کہ ان پر حجت کی جا سکے اس لیے اللہ نے ہلاک شدہ ہر قوم میں انہی سے رسول بعث کیا جس نے انہیں کھول کھول کر متنبہ کیا مگر انہوں نے اسے نہ ہی رسول تسلیم کیا اور نہ ہی اس کی کسی ایک بھی بات کو سنجیدگی سے لیا الٹا اس سے دشمنی کی بالکل اسی طرح اللہ نے آج بھی اپنا رسول بھیج دیا جو کھول کھول کر متنبہ کر رہا ہے اگر آج موجودہ قوم بھی وہی کرتی ہے جو گزشتہ اقوام نے کیا تو ان کا انجام بھی بالکل انہی کی مثل ہونے والا ہے جو کہ سر پر آ کھڑا ہے۔ انہوں نے بھی اکثریت کو ہی معیار حق بنا کر اکثریت کی اتباع کی اور رسول کی دعوت کو نظر انداز کر دیا کہ یہ تو ہمارے ہی جیسا بشر ہے اور اگر آج بھی وہی کیا جاتا ہے تو نقصان کسی کا نہیں بلکہ نقصان آپ کا اپنا ہی ہو گا۔

ایسی ہی قرآن میں درجنوں نہیں بلکہ سینکڑوں آیات ہیں یوں کہیں کہ پورے کا پورا قرآن اسی ایک ہی موضوع پر ہر لحاظ سے بات کرتا ہے قرآن میں پوجا پاٹ نامی کوئی شئے نہیں ہے جسے آج تک پوری دنیا کے انسان ہی دین سمجھ کر کر رہے ہیں آگے مزید ان آیات پر بات کرتے ہیں اور حق کھول کھول کر اس قدر

واضح کرتے ہیں کہ کوئی چاہ کر بھی کل کو یہ نہ کہہ سکے کہ اس پر حق واضح نہیں کیا گیا تھا یا حق واضح نہیں ہوا تھا کوئی چاہ کر بھی کل کو یوم القیامہ کوئی عذر پیش نہ کر سکے اس پر حجت ہو جائے۔

سورۃ الکہف میں اللہ نے دوٹوک الفاظ میں یہ بات بالکل کھول کر واضح کردی اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اس میں کچھ شک نہیں یاجوج تھے اور ماجوج تھے جو زمین میں فساد کر رہے تھے یاجوج ہیں اور ماجوج ہیں جو اس وقت زمین میں فساد کر رہے ہیں یعنی یاجوج اور ماجوج وہ ہیں جو زمین میں فساد کر رہے ہیں زمین کی مخلوقات کو ان کے مقامات سے ہٹا رہے ہیں زمین میں تبدیلیاں کر رہے ہیں زمین کی مخلوقات میں تبدیلیاں کر رہے ہیں ان میں پنگے لے رہے ہیں ان میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں انہیں اپنی مرضی کی تاویلیں پہنا رہے ہیں۔

ہم نے پیچھے بالکل کھول کھول کر یہ بات بھی واضح کردی تھی کہ یاجوج اور ماجوج کوئی دیومالائی تصوراتی کہانیوں کے کرداروں کا نام نہیں ہے بلکہ اللہ نے دوٹوک الفاظ میں بالکل واضح کر دیا کہ یاجوج اور ماجوج وہ ہیں جو زمین میں فساد کر رہے ہیں۔ اللہ نے اس قرآن میں کئی مقامات پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ نے اس قرآن میں نہ صرف ہر اس شئے، ہر اس واقعہ کا ذکر کیا جو اس قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک وقوع پذیر ہونا تھا بلکہ ایک سے زائد مقامات پر اس کا ہر پہلو سے ذکر کیا یعنی اگر کسی بھی شئے کا ذکر کیا تو نہ ہی ایک مقام پر اس کا ذکر کیا اور نہ ہی ایک ہی پہلو سے بلکہ ایک سے زائد مقامات پر ہر پہلو سے بات کی جیسا کہ ان میں سے دو آیات درج ذیل ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا. الاسراء ۸۹

اور تحقیق کہ یعنی تم اپنی طرف سے پوری تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو جو کہا جا رہا ہے وہی تمہارے سامنے آئے گا کیونکہ یہی قدر میں کیا گیا جس کے خلاف یا برعکس کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہم ہر پہلو سے ہر لحاظ سے پھیر پھیر کر سامنے لے آئے بیان کر دیا انسانوں کے لیے اس قرآن میں تمام کا تمام مثلوں سے، پس انکار کر دیا لوگوں کی اکثریت نے مگر اس لیے کہ جو کچھ بھی انہیں دیا گیا وہ اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہتے جس مقصد کے لیے انہیں دیا گیا وہ اپنی خواہشات کی اتباع کرنا چاہتے ہیں اس لیے لوگوں کی اکثریت نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ اس قرآن میں نہ صرف ہر بات موجود ہے ہر سوال کا جواب موجود ہے بلکہ ایک سے زائد مقامات پر ہر پہلو سے پھیر پھیر کر بات کی گئی مثلوں سے۔

دوسری آیت سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۵۴ ہے جس میں اللہ کا کہنا ہے

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا. الکهف ۵۴

اور تحقیق کہ یعنی تم کو سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں دیں اور جو سنتے اور دیکھتے ہو اسے سمجھنے کی صلاحیتیں دیں اس لیے دیں کہ ان کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرو کہ اپنی پوری تحقیق کرو، اپنے گھوڑے دوڑا لو جو کہا جا رہا ہے وہی تمہارے سامنے آئے گا جو کہ قدر میں کر دیا گیا جس کے خلاف یا برعکس کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہم ہر پہلو سے ہر لحاظ سے پھیر پھیر کر سامنے لے آئے بیان کر دیا لوگوں کے لیے اس قرآن میں تمام کا تمام مثلوں سے یعنی اس قرآن میں ماضی میں پیش آنے والے واقعات میں سے صرف ان کا ذکر کیا جو ہو بہو اسی طرح اس قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک پیش آنا تھے انسانوں کے ہر سوال کا جواب ہر پہلو سے ہر لحاظ سے پھیر پھیر کر اس قرآن میں بیان کر دیا، قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک انسانوں کو جب جب جو جو جیسے جیسے راہنمائی درکار تھی سب کا سب اس قرآن میں ہر پہلو سے پھیر پھیر کر تمہارے سامنے لے آئے مثلوں سے اور تھا انسان اکثریت معاملات میں جھگڑا کرنے والا سو جھگڑا ہی کیا یعنی قرآن کی بات تسلیم کرنے کی بجائے اپنی خواہشات واپنے خود ساختہ الٰہوں کی باتوں کو قرآن پر ترجیح دے رہے ہیں۔ جب بھی قرآن نے کسی معاملے میں راہنمائی کی تو اپنی بے بنیاد و باطل اور بے ہودہ دلیلوں کو قرآن پر پیش کرتے ہیں اور قرآن کے مدمقابل اور اشیاء کو لا کھڑا کرتے ہیں اپنے ملاؤں کو اپنے آباؤ اجداد سے جو حاصل ہوا اسے قرآن کے مقابلے پر لا کھڑا کرتے ہیں وہ بات تسلیم ہی نہیں کرتے جو قرآن میں کہی جا رہی ہے۔

اس قرآن میں یاجوج اور ماجوج کے الفاظ کیساتھ ان انسانوں کا ایک پہلو سے ذکر کیا گیا جنہیں ان دو مقامات پر یاجوج اور ماجوج کہا گیا اب اگر اس قرآن میں اللہ انہی انسانوں کا جنہیں ایک پہلو سے یاجوج اور ماجوج کہتے ہوئے ذکر کیا اور پہلوؤں سے یعنی ہر پہلو سے پھیر پھیر کر ذکر نہیں کرتا تو یہ قرآن اللہ کی

بجائے غیر اللہ کے ہاں سے ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ یہ بات بھی بذات خود اللہ نے ہی اس قرآن میں کہی جیسا کہ درج ذیل آیت آپ کے سامنے ہے۔

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ النساء ۸۲

کیا پس نہیں تدبر کر رہے القرآن اور اگر تھا کسی اور کے ہاں سے اللہ کے علاوہ تو اس کے لیے تھا کہ تم پا رہے ہو اس میں کثیر اختلاف یعنی ایک مقام پر کچھ کہا جا رہا ہے اور دوسرے مقام پر کچھ اور کہا جا رہا ہے یا جو قرآن میں کہا جا رہا ہے عملاً اس کے برعکس ہے۔

اب اگر ایک طرف اللہ یہ کہتا ہے کہ اللہ نے اس قرآن میں نہ صرف اس کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جو کچھ بھی ہونا تھا سب کا سب بیان کر دیا بلکہ اس کو مثلوں سے ہر پہلو سے پھیر پھیر کر بیان کیا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن میں صرف دو مقامات پر ایک ہی پہلو سے یاجوج اور ماجوج کا ذکر کیا گیا؟ اگر یاجوج اور ماجوج کا ان دو مقامات کے علاوہ اور مقامات پر ہر پہلو سے ذکر نہیں کیا گیا تو پھر قرآن میں اختلاف ثابت ہو کر یہ غیر اللہ کے ہاں سے ثابت ہو جاتا ہے جو کہ ناممکن ہے اس لیے ایسا ممکن ہی نہیں کہ اللہ نے یاجوج اور ماجوج کے الفاظ کے علاوہ اور مقامات پر ہر پہلو سے ذکر نہ کیا ہو۔

اور پیچھے ہم نے یاجوج اور ماجوج کا ہی مزید کچھ پہلوؤں سے ذکر کیا اور بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا کہ نہ صرف یاجوج اور ماجوج کھل چکے بلکہ انہوں نے جو کرنا تھا وہ بھی کر چکے اب تو انجام عذاب عظیم بالکل سر پر آ چکا ہے اور یہ بھی کہا تھا کہ آئندہ مزید ایسی آیات سے حق کھول کھول کر واضح کریں گے اب اس سے پہلے کہ ہم مزید ان آیات کو بیّن کریں ہم اس قرآن میں جن دو مقامات پر یاجوج اور ماجوج کے الفاظ کیساتھ ذکر کیا گیا ان دونوں مقامات کو مزید اور پہلوؤں سے بھی بالکل کھول کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں تاکہ نہ صرف یاجوج اور ماجوج کے حوالے سے ہر لحاظ سے کھل کر راہنمائی ہو جائے کہ کسی کے پاس کل کو کوئی عذر نہ رہے ہر کسی پر حجت ہو جائے بلکہ آج تک جو ان دونوں مقامات کو بنیاد بنا کر جس دجل وفریب سے کام لیا گیا انسانیت کے راہنماوں کا لبادہ اوڑھ کر ملاّؤں نے جو عظیم دھوکے دیئے انہیں بھی چاک کر کے حق آپ پر بالکل واضح کر دیں۔

ذی القرنین یعنی اللہ کا وہ غلام جسے زمین کے دونوں قرن مغرب ومشرق تک کا اقتدار واختیار دیا گیا تھا جو کہ داؤد کا بیٹا سلیمان تھا اور آگے اس موضوع پر بھی ہر لحاظ سے تفصیل کیساتھ بات ہو گی سلیمان کو جس مقصد کے لیے القرنین دیئے گئے یعنی زمین کے مغرب ومشرق تک کا اقتدار دیا گیا سلیمان نے اس مقصد کو پورا کیا سلیمان نے کفر کی بجائے شکر کیا یعنی سلیمان کو جو کچھ بھی جس مقصد کے لیے دیا گیا سلیمان نے سب کے سب کا اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جس مقصد کے لیے اسے دیا گیا سلیمان نے اس مقصد کو پورا کر دیا۔

جیسے آج زمین میں جدیدیت وسائنسی ترقی کے نام پر فساد عظیم کیا جا رہا ہے بالکل عین اسی طرح اُس وقت بھی زمین میں ترقی وجدیدیت کے نام پر فساد عظیم کیا جا رہا تھا جو اس وقت زمین میں فساد کر رہے تھے وہ یاجوج اور ماجوج تھے ذی القرنین سلیمان بن داؤد نے زمین کے چپے چپے کو اس فساد عظیم سے پاک کر کے یاجوج اور ماجوج کو روک دیا۔ جب سلیمان علیہ السلام نے زمین کو فساد عظیم سے پاک کر دیا یاجوج اور ماجوج کو روک دیا انہیں بند کر دیا تب ذی القرنین سلیمان علیہ السلام نے کہا

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَکَّآءَ وَکَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا۔ الکھف ۹۸

ذی القرنین سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا یہ رحمہ ہے یعنی یہ حفاظت ہے میرے ربّ سے پس یہ اس وقت تک میرے ربّ سے حفاظت ہے یعنی اس وقت تک میرے ربّ نے زمین کو یاجوج اور ماجوج سے محفوظ کر دیا جب تک کہ میرے ربّ کا وعدہ نہیں آ جاتا پس جب میرے ربّ کا وعدہ آ جائے گا یعنی جیسے آج اس سے پہلے انسان ترقی کے نام پر زمین میں فساد کر رہے تھے یہی جب دوبارہ ہونے کا وقت آ جائے گا تب کر دے گا اسے دکاء یعنی میرے ربّ سے جو رحمہ ہے زمین کی تمام مخلوقات کو یاجوج اور ماجوج سے، فساد سے محفوظ کر دیا یہ حفاظت بالکل ختم ہو جائے گی تمام عالمین محفوظ نہیں رہیں گے یاجوج اور ماجوج کے فساد کا شکار ہو جائیں گے اور یہ بات قدر میں ہو چکی میرے ربّ کا وعدہ حق ہے قدر میں ایسا ہو چکا اس لیے یہ ہو کر رہے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ وقت کب آئے گا؟ تو اللہ نے آج سے چودہ صدیاں قبل اگلی ہی آیت میں اس سوال کا جواب بھی دے دیا تھا۔

وَتَرَکْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا۔ الکھف ۹۹

اس آیت کو احسن بیّن کرنے کے لیے اس میں استعمال ہونے والے بعض الفاظ کو بالکل کھول کر واضح کرنا ضروری ہے، پہلا لفظ ہے

يَـوْمَـئِـذٍ: جس کے معنی ہیں وہ لمبی مدت جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا وہ مدت جس میں عالمین میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا جو قرآن کے نزول کے بعد الساعت کے قیام کے قریب آنا تھی جس کی وجہ سے ہی الساعت کا قیام ہونا ہے۔ پھر اگلا لفظ ہے یموج۔

يَّمُوْجُ: موج سے ہے جس کے معنی ہیں جیسے لہر ہوتی ہے آپ دیکھتے ہیں کہ پانی کی ایک لائن مسلسل آگے کو بڑھتی ہے جب تک کہ وہ اپنے انجام کو یا کنارے پر نہیں پہنچ جاتی بالکل اسی طرح کوئی کام مسلسل پراسس یعنی مراحل سے گزرتا ہوا آگے بڑھتا رہے یہاں تک کہ وہ مکمل نہ ہو جائے۔

مثال کے طور پر ایک سو لوگوں کی ایک لائن ہو ان میں سب سے پہلا شخص اینٹ اٹھاتا ہے اور اگلے کو پکڑا دیتا ہے وہ اس سے اگلے کو وہ اس سے اگلے کو یہاں تک کہ اینٹ اپنی منزل کو نہیں پہنچ جاتی اس طرح جب اینٹیں سفر کرتی ہوئی نظر آئیں تو آپ کو بالکل لہر کی مانند نظر آئیں گی جسے عربی میں موج کہا جاتا ہے۔

جیسے مثال کے طور پر ذرا غور کریں ایک گاڑی کیسے وجود میں آئی اگر اس کا سلو موشن تصور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ سے زمین پھٹ رہی ہے اس میں سے مختلف مواد نکالا جا رہا ہے وہ مواد آگے سفر کر رہا ہے یہاں تک کہ مختلف کارخانوں سے گزرتا ہوا مختلف دھاتوں کی صورت اختیار کرتا ہے وہاں سے آگے جا رہا ہے مختلف پرزوں میں ڈھل رہا ہے وہ پرزے آگے بڑھ رہے ہیں یہاں تک کہ گاڑی وجود میں آ جاتی ہے اس طرح کے پراسس یا مراحل کے تسلسل کو عربی میں موج کہتے ہیں۔

پھر اگلا جملہ جو کہ مجموعی طور پر تین الفاظ ہیں نُّفِخَ فِي الصُّوْرِ:

صور: صور کے معنی ہیں مادے کو کسی بھی صورت میں ڈھالنا، مثلاً آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مختلف پھلوں کو جو کہ مختلف صورہ ہیں تمام کے تمام پھل مادے کی مختلف صورتیں ہیں اسی طرح جتنی بھی مخلوقات آپ کو نظر آ رہی ہیں یہ تمام کی تمام مخلوقات صورہ ہیں یہ مادہ ہی مختلف صورتوں میں ڈھالا گیا ہے۔

نفخ فی الصور کے معنی ہیں جو صورہ ہے اس میں نفخ ہونا یعنی اس میں ایسی قوت ڈالنا کہ اس میں وہ مقصد پورا کرنے کی صلاحیتیں آ جائیں جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے خلق کیا گیا یعنی نفخ کہتے ہیں جو جسد کو جسم میں تبدیل کر دے یا صنم کو وثن میں بدل دے۔

جسد دو الفاظ کا مجموعہ ہے ’’جس‘‘ اور ’’سد‘‘۔ ’’جس‘‘ کے معنی مادی وجود کے ہیں اور ’’سد‘‘ کے معنی رکاوٹ کے ہیں جسد کہتے ہیں ایسے وجود کو جو محض رکاوٹ ہو اس سے بڑھ کر کچھ نہ ہو جیسے مثال کے طور پر آپ پتھر سے لکڑی سے یا کسی بھی شئے سے کچھ وضع کرتے ہیں کچھ بناتے ہیں جس میں کچھ بھی کرنے کی صلاحیت نہیں یعنی صنم ہو تو اسے عربی میں جسد کہا جائے گا

اور جسم بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے ’’جس‘‘ اور ’’سم‘‘۔ ’’جس‘‘ کے معنی آپ پہلے ہی جان چکے ہیں ’’جس‘‘ کہتے ہیں کسی مادی وجود کو اور ’’سم‘‘ کے معنی ہیں کچھ کرنے کی صلاحیتوں کا ہونا، خصوصیات، کوالٹیز۔ جسم کے معنی ہیں ایسا وجود جس میں کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔

جسد ایک صورہ ہے جب اس میں نفخ کیا جائے تو وہ جسد نہیں رہتا بلکہ جسد سے جسم بن جاتا ہے۔

فطرت یعنی اللہ کی ایسی خلق جو بے جان ہوتی ہے جو کوئی نہ کوئی مادی وجود تو ہوتا ہے لیکن بظاہر وہ محض رکاوٹ ہوتا ہے جیسے کہ پتھر کی ہی مثال لے لیں اسے جسد کہا جاتا ہے اللہ کے برعکس انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ تراشیدہ ایسی شئے کو عربی میں صنم کہا جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ کی خلق کردہ ایسی شئے یعنی فطرت جو ایسی اشیاء کو وجود میں لاتی ہے جن میں کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہوتی ہیں جیسے کہ حرکت کرنا، دیکھنا، سننا اس پر عمل کرنا یعنی کچھ کرنا وغیرہ انہیں عربی میں جسم کہا جاتا ہے اور اللہ کے برعکس انسان کی خلق کردہ ایسی اشیاء جن میں کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہوتی ہیں یعنی انسان کی اپنے ہی ہاتھوں سے وضع کردہ ایسی مخلوقات جن میں کرنے کی صلاحیتیں ہوتی ہیں جیسے کہ آج طرح طرح کی مشینیں وغیرہ ہیں انہیں عربی میں جسم نہیں بلکہ وثن اور اس کی جمع اوثان کہا جاتا ہے۔

نفخ فی الصور یہ ہے کہ ایک وقت تھا جب انسان اپنے ہی ہاتھوں سے صورتیں خلق کرتا تھا یعنی پتھروں سے صنم وغیرہ تراشتا تھا لکڑی سے صنم وغیرہ تراشتا تھا لوہے، لکڑی و مٹی وغیرہ سے مختلف صورتیں خلق کرتا تھا جن کا مقصد اپنی حاجات کو پورا کرنا ہوتا تھا جن میں اصنام یعنی بت اور باقی ضرورت کی اشیاء ہوتی تھیں لیکن ان میں نفخ کرنے کی صلاحیت انسان میں نہیں تھی یعنی انسان میں ایسی صلاحیتیں نہیں تھیں کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ صورتوں میں جان ڈال سکے انہیں اس قابل بنا سکے کہ ان میں نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیتیں آ جائیں۔

یہی اللہ نے کہا تھا کہ جب نفخ فی الصور ہو گا یعنی ایک وقت آئے گا جب انسان اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ صورتوں کو صنم سے وثن بنانے کی صلاحیت حاصل کر لیں گے یہ جو صورۃ بھی خلق کریں گے اس میں جان ڈالنے یعنی اس میں کرنے کی صلاحیتیں ڈال دیں گے ان میں نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیتیں ڈال دیں گے۔

اگلا لفظ ہے جمع۔ جمع سے مراد اکٹھا کیا جانا کیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے اکٹھا کرنے کو عربی میں حشر کہتے ہیں جمع کے معنی واضح کرنے کے لیے ایک مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ مثلاً آپ کے سامنے ایک مشین کے تمام کے تمام پرزے ایک ڈھیر کی صورت میں یا پھر بکھرے پڑے ہیں ان پرزوں کو ترتیب میں لانا یعنی ایک کے بعد دوسرے پرزے کو جوڑتے جانا یہاں تک کہ مشین بن جائے جمع کرنا کہلاتا ہے۔

ایسے ہی مثلاً اگر آپ نے کوئی نمبر لکھنا ہے اور اس کے لیے دس تک ہندسے ڈھیر کی صورت میں یا پھر بکھرے پڑے ہوں اب مطلوبہ نمبر لکھنے کے لیے جو جو ہندسے درکار ہیں انہیں تریب میں لانا یا پھر اگر ایک سے دس تک گنتی لکھنی ہے اور اس کے لیے ہندسے بکھرے پڑے ہیں یا ڈھیر لگا ہوا ہے تو ان میں سے سب سے پہلے ایک کو لانا پھر ان میں سے دو کو اٹھا کر ایک کے بعد لانا پھر تین کو اٹھا کر دو کے بعد لانا اسی طرح تمام ہندسوں کو ان کی ترتیب میں لانا اسے عربی میں جمع کہتے ہیں اردو میں جوڑنے کو جمع کہتے ہیں جیسے آپ کسی کو کہتے ہیں سو میں دس جوڑو تو کتنے بنیں گے سامنے والا جواب دے گا ایک سو دس۔

جمع عربی کا لفظ ہے اور اردو میں اس کا متبادل لفظ ہے جوڑنا اس کے علاوہ اردو میں جمع کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن جمع اردو کا نہیں بلکہ عربی کا لفظ ہے۔

مثلاً آپ کے سامنے ایک سو ایسے افراد موجود ہیں جن میں گاڑی کا کوئی نہ کوئی حصہ خلق کرنے کی صلاحیتیں موجود ہیں ان کو جمع کرنا یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اس کی ذمہ داری پر لگا دینا جب ہر کوئی اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی ذمہ داری پوری کرے گا تو موج یعنی جیسے لہر ہوتی ہے اس طرح مواد سے پرزے اور پرزوں سے گاڑی وجود میں آئے گی۔

**وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا.** الكهف ۹۹

پیچھے یہ بات بالکل کھول کر واضح کی جا چکی اور آئندہ بھی اس پر تفصیل کیساتھ بات ہو گی کہ اللہ نے اسی قرآن میں کہا کہ اللہ نے جو اتارا ہے یعنی یہ قرآن اپنے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی احسن تاریخ ہے ایسی بہترین تاریخ کہ اس سے بہتر کوئی تاریخ تھی ہے ہو گی نہ ہو سکتی ہے۔ اللہ نے آج سے چودہ صدیاں قبل اس آیت کی صورت میں آج کی تاریخ اتار دی تھی۔ آج اس وقت دنیا میں جو ہو رہا ہے اللہ نے آج سے چودہ صدیاں قبل ہی اس آیت کی صورت میں بیان کر دیا تھا آج کی تاریخ اتار دی تھی عظیم نبا دے دی تھی۔

**وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا.** الكهف ۹۹

اللہ نے کہا تھا کہ جب اللہ کا وعدہ آئے گا وہ وعدہ کہ جب آسمانوں و زمین میں یعنی زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں میں کچھ بھی سلامت نہیں رہے گا کچھ بھی محفوظ نہیں رہے گا تب چھوڑ دیں گے ہم اس وقت دنیا میں جو انسان موجود ہوں گے ان بعض کو بعض میں جیسے لہریں ہوتی ہیں یعنی جب وہ ایک لمبی مدت آئے گی تب انسانوں کا معاملہ یہ ہو گا جیسے کہ لہر ہوتی ہے پوری دنیا کے انسان ایک دوسرے سے کنیکٹڈ ہوں گے جیسے ایک تنظیم یا نیٹ ورک ہوتا ہے ان کا مقصد یہ ہو گا کہ صورۃ خلق کرنا یعنی طرح طرح کی اشیاء خلق کرنا اور ان میں نفخ کرنا یعنی اوثان خلق کرنا ایسی مخلوقات جو نہیں نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیتیں رکھنے والی ہوں گی اس مقصد کے لیے پوری دنیا کے انسان اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے جمع ہو جائیں گے پوری دنیا کے انسان ایک منظّم گروہ کی صورت اختیار کر جائیں گے ہر کوئی اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرے گا اور ان کا مقصد ہو گا نفخ فی الصور۔

آج آپ خود غور کریں کیا آج بالکل وہی نہیں ہو رہا جو اللہ نے آج سے چودہ صدیاں قبل ہی بتا دیا تھا؟ جس کی آج سے چودہ صدیاں قبل ہی تاریخ اتار دی تھی؟ کیا آج انسان صورتیں خلق کر کے ان میں نفخ نہیں کر رہے اس مقصد کے لیے یہ جمع نہیں ہو چکے؟

ایک وقت تھا جب انسان اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی حاجات کو پورا کرنے کے لیے مختلف اشیاء خلق کرتے تھے ان میں سے کچھ اشیاء سے تو اپنی ضروریات کو پورا کرتے تھے اور جہاں وہ خود کو اللہ کا محتاج سمجھتے تو اس مقصد کے لیے بھی وہ اپنے ہی ہاتھوں سے صورتیں خلق کرتے اور ان کے سامنے گڑگڑاتے ان سے اپنی حاجت روائی کے لیے مناجات کرتے جو کہ اصنام یعنی بت تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ انسان کو نفخ فی الصور کی صلاحیتیں بھی حاصل ہو گئیں۔ آج نہ صرف

انسان صورہ خلق کرتا ہے بلکہ ان میں نفخ بھی کر رہا ہے جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ ایک پنکھا عربی میں ایک صورہ ہے جو انسان کی خلق کردہ ہے انسان اسے ملائکہ کیساتھ منسلک کرتا ہے جسے بجلی کا نام دیا جاتا ہے بٹن دباتا ہے تو یہ نفخ فی الصور ہوتا ہے یعنی صورہ میں جان آ جاتی ہے وہ صورہ انسان کو نفع ونقصان پہنچانا شروع کر دیتی ہے۔ اسی طرح آپ کسی بھی مشین کی مثال لے سکتے ہیں۔

پہلے انسان کوئی بھی ایک مشین جو کہ صورہ ہے وہ خلق کرتا ہے پھر جب اسے آن کرتا ہے یعنی اس میں نفخ کرتا ہے تو وہ مشین انسان کو نفع ونقصان پہنچانا شروع کر دیتی ہے مخلوقات کو صور کرنا شروع کر دیتی ہے یعنی وہ آگے مزید صورہ خلق کرنا شروع کر دیتی ہے۔

یہ جان لیں کہ اس کے برعکس آج تک نفخ فی الصور کے جو معنی کیے جاتے رہے ان کا حقیقت کے ساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے وہ محض دیو مالائی قصے و کہانیاں ہیں جو ملّاؤں کی خود ساختہ گھڑی ہوئی ہیں جنہیں یہ لوگ آج تک اللہ سے منسوب کرتے رہے کہ اسرافیل ایک فرشتہ ہے وہ اپنے منہ میں صور لیکر اس انتظار میں کھڑا ہے کہ اسے اجازت دی جائے کہ وہ اس میں پھونک مارے اور صور ایک سینگ کا خول ہے جس میں سوراخ ہیں جب وہ اس میں پھونک مارے گا تو جیسے باجا بجتا ہے ایسے آواز آئے گی۔

نفخ فی الصور کیا ہے اللہ نے اس قرآن میں بعض مقامات پر خود ہی وضاحت کر دی۔

سب سے پہلے تو صور کیا ہے اسے جان لیں اس بارے میں اللہ کیا کہتا ہے۔

اللہ نے اس قرآن میں بشر کی تخلیق کے جو مراحل بیان کیے ان میں سے ایک اس بشر کو صور کرنا یعنی یہ بشر ایک صورہ ہے اسے صور کرنا جب صور یعنی صورہ مکمل ہو جاتی ہے اس کے بعد اللہ اس میں نفخ کرتا ہے جیسا کہ آپ آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

**هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ. آل عمران ٦**

ھُوَ ہی وہ ذات ہے جو تمہیں صور کر رہی ہیں ارحام میں جیسے اس کا قانون ہے یعنی ماؤں کے پیٹوں میں کیسے صور کر رہی ہے کیسے تمہیں صورہ کر رہی ہے جیسے کہ اس نے قانون بنا دیا۔

اس آیت میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ تمہیں الارحام میں صور کیا جاتا ہے یعنی تم بشر جو کہ ایک صورہ ہو جیسے باقی مخلوقات صورہ ہیں تمہیں صور کیا جاتا ہے الارحام میں اور پھر سورۃ السجدہ کی آیت نمبر ۹ میں اللہ نے کہا

**ثُمَّ سَوّٰئهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ.** السجدہ ۹

پھر اسے صور کرنا مکمل کیا اور نفخ کیا اس میں اپنی روح سے اور کر دیا تمہارے لیے سننا اور دیکھنا اور جو سنتے اور دیکھتے ہوا سے سمجھنا اور انتہائی کم ہیں جو اس مقصد کے لیے سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں کا استعمال کر رہے ہیں جس مقصد کے لیے تمہیں یہ صلاحیتیں دیں۔

قرآن میں ایسی اور بھی بہت سی آیات ہیں لیکن یہ آیات بالکل واضح ہیں جن میں اللہ نے کہا کہ تمہیں ماؤں کے پیٹوں میں صور کیا جاتا ہے جیسے اس کا قانون ہے اور جب صور کرنا مکمل کر لیا جاتا ہے یعنی جب ماں کے پیٹ میں بشر جو کہ صورہ ہے اس کی تخلیق مکمل ہو جاتی ہے تب نفخ فیہ کیا جاتا ہے یعنی تب اس میں نفخ کیا جاتا ہے جس سے اس میں جان آ جاتی ہے۔

اب آپ سے سوال ہے کہ آج کون نہیں جانتا کہ ماں کے پیٹ میں بشر کی تخلیق کیسے ہوتی ہے اور اس میں نفخ کرنا کیا ہے۔

پہلے چار مہینے میں ماں کے پیٹ میں بشر صور کیا جاتا ہے اور چار مہینے میں بچہ بالکل مکمل ہو جاتا ہے لیکن اس میں کوئی جان نہیں ہوتی وہ جسد ہوتا ہے چار ماہ کے بعد اس میں جب نفخ کیا جاتا ہے تو وہ جسد سے جسم میں تبدیل ہو جاتا ہے اس میں جان آ جاتی ہے۔

نفخ فی الصور کو سمجھنے کے لیے اس سے بہتر راہنمائی ہو ہی نہیں سکتی اور نہ ہی کوئی اس کا رد کر سکتا ہے۔

جیسے چار مہینے تک ماں کے پیٹ میں بچہ بغیر نفخ کے ہوتا ہے تو وہ جسد ہوتا ہے جسد یعنی وہ مادے کو ایک صورت میں ڈھالی گئی محض ایک رکاوٹ ہوتی ہے جہاں رکھ دیں وہاں سے ہلائے بغیر ہل نہیں سکتی۔ اللہ کی بغیر نفخ فی صور صورہ جسد کہلاتی ہے اور اللہ کے برعکس انسان کی خلق کردہ بغیر نفخ فی الصور صورہ جسد نہیں بلکہ صنم کہلاتی ہے۔ اور اللہ کی صورہ میں جب اللہ نفخ کرتا ہے یعنی جب اللہ نفخ فی الصور کرتا ہے تو وہ جسد سے جسم بن جاتی ہے اور اللہ کے برعکس انسان جب نفخ فی

الصور کرتا ہے تو وہ جسم نہیں بلکہ صنم سے وثن بن جاتی ہے۔

ایک وقت تھا جب انسان صورہ تو خلق کرتے تھے لیکن اس میں نفخ نہیں کر سکتے تھے اللہ نے کہا تھا کہ اللہ کا وہ وعدہ جب آئے گا تب انسان نفخ فی الصور کریں گے یعنی جو بھی خلق کریں گے تو ان میں نفخ بھی کریں گے اوثان خلق کریں گے انسانوں کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ مخلوقات انہیں نفع ونقصان پہنچائیں گی ان کے سائیڈ ایفیکٹس سے آسمانوں وزمین میں یعنی زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں میں کچھ بھی محفوظ نہیں رہے گا سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا، فساد عظیم ہو جائے گا اور آج آپ اُسی وقت میں موجود ہیں آج آپ یہ سب اپنی آنکھوں سے ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں یہ جو ہو رہا ہے اس کے بارے میں اللہ نے مزید آگے کیا کہا اس پر بھی بات کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ نے کہا۔

وَّعَرَضۡنَا جَهَنَّمَ يَوۡمَئِذٍ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ عَرۡضَا. الکھف ۱۰۰

وَّعَرَضۡنَا جَهَنَّمَ يَوۡمَئِذٍ آج سے چودہ صدیاں قبل اللہ نے کہا تھا کہ جب وہ مدت آئے گی اور انسان نفخ فی الصور کر رہے ہوں گے تو وہ اصل میں کیا ہو رہا ہو گا؟ وہ جو ہو رہا ہو گا وہ جہنم تھی جسے ہم سامنے لائیں گے وہ جہنم سامنے لائی جا رہی ہو گی۔ آگے اس سوال کا جواب ہے کہ کن کے لیے جہنم سامنے لائی جائے گی لِّلۡكٰفِرِيۡنَ عَرۡضَا کافرین کے لیے سامنے لائی گئی یعنی ان کے لیے جنہوں نے اس بات کو تسلیم ہی نہ کیا کہ آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کی آیات ہیں اللہ نے ان سب کے سب کو کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا ہے جو نظر آ رہی ہیں صرف یہی نہیں ہیں بلکہ ان سے کئی گنا زیادہ تو ایسی ہیں جنہیں انسان سے چھپا دیا گیا جو کہ غیب ہے۔ جو کچھ بھی ظاہر ہے اور جو کچھ بھی غیب ہے سب کے سب کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے اور جس جس مقصد کے لیے خلق کیا گیا اسے پورا کرنے کے لیے ہر ایک کو اس کے مقام پر قائم کر دیا گیا یوں بہترین المیزان وضع کر دیا اور المیزان تب تک قائم رہے گا جب تک کہ تمام کی تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کریں گی ورنہ اگر ان میں رائی برابر بھی تبدیلی کی گئی تو المیزان میں خسارہ ہو جائے گا فساد ہو جائے گا جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آسمانوں وزمین میں سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا یہ زمین جہنم بن جائے گی۔ جنہوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا اور الٹا یہی کیا تو ان کے لیے جہنم سامنے لا رکھی گئی کہ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

ذرا غور کریں کہ جہنم کیا ہے اور کیسے سامنے لائی جا رہی ہے؟

آپ کو اس زمین پر وجود دیا گیا اس زمین کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا گیا پہلا مرحلہ دنیا آج جس میں آپ موجود ہیں آپ کو اس دنیا میں امتحان کی غرض سے محدود مدت کے لیے لایا گیا یہ جو مدت آپ کو دی گئی اس میں جو آپ کریں گے اسی کا بدلہ آپ کو دوسرے مرحلے میں ملے گا دوسرا مرحلہ جسے اس قرآن میں الآخرۃ کہا گیا۔

کل کائنات میں زمین پہلا ایسا سیارہ ہے جو سب سے پہلے مکمل ہوا، جیسے کسی بھی عمارت کی سب سے پہلی اینٹ ہوتی ہے اسی طرح یہ زمین کائنات کی پہلی اینٹ سمجھ لیں یہ زمین سب سے پہلے اپنی تکمیل کو پہنچی۔ کائنات میں اس زمین کے علاوہ جتنے بھی سیارے آپ کو نظر آ رہے ہیں اور ابھی نامکمل ہیں تکمیلی کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔

ایک وقت آئے گا جب وہ مکمل ہو کر جنتوں میں یعنی سرسبز وشاداب باغات میں بدل جائیں گے جیسے زمین جب مکمل کی گئی تھی تو یہ جنت تھی سرسبز وشاداب باغ تھی۔ آپ کو اس دنیا میں جو مدت بطور امتحان دی گئی اگر آپ زمین کی اصلاح یعنی اسے جنت بنانے والے اعمال کرتے ہیں تو آپ کو آخرہ میں یعنی اگلے مرحلے میں آج جو سیارے نامکمل نظر آ رہے ہیں تب جنتیں بن چکی ہوں گی ان میں سے آپ کے درجے کے مطابق جنت دی جائے گی اور اگر آپ آج اپنی خواہشات کی اتباع میں اندھوں کی طرح زمین میں فساد کرتے ہیں تو نتیجہ کیا نکلے گا اسے سمجھنا اب کوئی مشکل نہیں رہا اس کا انجام آپ سمیت پوری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔

ترقی وجدیدیت کے نام پر انسانیت کی فلاح واحسان کے نام پر آج ہر کوئی زمین میں فساد کر رہا ہے زمین کو چیر پھاڑ رہا ہے، پہاڑوں کو پھاڑ رہا ہے، فضا میں طرح طرح کی زہریلی گیسیں بھر رہا ہے تو آج جو بھی ترقی وجدیدیت کے نام پر انسانیت کی خدمت کے نام پر فساد عظیم کیا جا رہا ہے اس کی وجہ سے آسمان پھٹ چکا، اس میں الدخانِ یعنی گیسیں بھرنے سے گدلا ہو چکا، موسم درہم برہم ہو گئے، زمین سے قدرتی وسائل کے نام پر زمین کا خون اور زمین کے جودل گردے

نکالے جارہے ہیں پہاڑوں کو کاٹا جارہا ہے اس سے زلزلے آرہے ہیں، سونامی آرہے ہیں طوفان آرہے ہیں درجہ حرارت دن بہ دن بڑھتا چلا جارہا ہے، فضا گیسوں کی وجہ سے دن بہ دن زہریلی ہوتی جارہی ہے تو انسانوں کے ان اعمال کے یہ رداعمال دن بہ دن بڑھتے ہی چلے جائیں گے۔

درجہ حرارت دن بہ دن بڑھتا چلا جائے گا جس سے گلیشیئرز پگھل جائیں گے پانی بخارات بن کر اڑتا جائے گا، زلزلے بڑھتے جائیں گے، لاوے پھٹنا بڑھتے جائیں گے، فضا میں گیسیں کیمیائی عوامل سے گزر کر فضا تباہ ہوتی جائے گی۔ درجہ حرات اتنا بڑھ جائے گا یہاں تک کہ زمین پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں رہے گا زمین کے اندر سے بھی پانی ختم ہو جائے گا پانی ختم تو تمام جاندار ختم، نباتات ختم۔ زلزلوں، زمین کے دھنسنے، لاوے پھٹنے اور فضا میں خارج کی ہوئی طرح طرح کی زہریلی گیسوں کے رداعمال جب آنا تھم جائیں گے تو جو نتیجہ سامنے آئے گا جو اینڈ پروڈکٹ سامنے آئے گی یہ ہے وہ ہے جہنم جو آج آپ دیکھ رہے ہیں آپ کے بالکل سامنے لائی جارہی ہے۔

جب انسانوں کے ترقی کے نام پر انسانیت کی خدمت کے نام پر مفسد اعمال کے رداعمال تھم جائیں گے تب یہ زمین مکمل جہنم میں بدل چکی ہوگی اس میں سوائے آگ اور پتھروں کے کچھ نظر نہیں آئے گا اور کائنات میں باقی سیارے جنتوں میں یعنی سرسبز وشاداب باغات میں بدل چکے ہوں گے۔

جس ذات نے آپ کو پہلی بار وجود دیا وہی ذات آپ کو دوبارہ وجود میں لائے گی اور جس جس نے دنیا میں یعنی پہلے مرحلے میں جو جو جتنا جتنا کیا تھا اس کو آخرہ میں پورا پورا بدلہ دیا جائے۔ جس جس نے جتنا زمین کے جہنم بننے میں حصہ ڈالا ہوگا اسے اتنا ہی اس جہنم کو بھگتنا ہوگا، خود کو علماء کہلوانے والے انسانیت کے دشمن اور ان کے اندھے مقلد آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلنے والے کبھی بھی اس جہنم سے نہیں نکل سکیں گے۔ وہ جو خود کو انسانیت کے محسن قرار دیتے ہیں سائنسدان، انجنیئرز، پروفیسرز، ڈاکٹرز، بینکرز، لیڈران اور ایسے باقی تمام کے تمام لوگ جو زمین کو جہنم بنا رہے ہیں اور الٹا وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ تو بہت اچھے اعمال کر رہے ہیں انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں وہ کبھی بھی نہیں نکل پائیں گے اس جہنم سے۔

رہی بات دوبارہ زندہ کرنے کی جو اکثریت کے لیے تسلیم کرنا بہت مشکل ہے تو ان سے سوال ہے کہ ذرا غور کرو اس سوال کا جواب دو کہ جب تمہیں پہلی بار وجود میں لایا گیا تو کیا تم سے پوچھ کر تم سے اجازت لے کر وجود میں لایا گیا؟ اگر تو تمہاری مرضی تمہاری اجازت سے اور تمہیں پوچھ کر یا تمہیں بتا کر دنیا میں لایا گیا تب تو ٹھیک ہے ورنہ اگر ایسا نہیں ہوا تو عقل کے اندھو جس ذات نے تمہیں پہلی بار وجود میں لایا کیا وہ دوبارہ وجود میں نہیں لا سکتی؟ مذہبی طبقہ آخرت جنت وجہنم کو زبان سے تو تسلیم کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن آخرت جنت وجہنم کے بارے میں جو دیومالائی کہانیاں مذہبی طبقے نے گھڑ رکھی ہیں خود ان کو بھی اس کا یقین نہیں ہے اور ظاہر ہے یقین کیا بھی کیسے جا سکتا ہے جب جنت وجہنم سے منسوب کر کے ایسی خودساختہ دیومالائی کہانیاں گھڑ رکھی ہیں جن کا کوئی وجود ہی نہیں تو پھر یقین کیسے ہوگا۔

دوسری طرف خود کو ملحد، لبرل وپڑھے لکھے کہلوانے والے مذہبی طبقے کی آخرت جنت وجہنم کے بارے میں خودساختہ گھڑ رکھی ہوئی دیومالائی کہانیوں کا انکار کرنے کی بجائے الٹا آخرت کا ہی انکار کر دیتے ہیں جنت وجہنم کا ہی انکار کر دیتے ہیں خود کو بہت بڑے عاقل سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ سب سے بڑے بے وقوف اور جاہل ہیں۔ یہ مذاہب اور مذہبی طبقے کی دشمنی میں حق کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔

بات کی جائے ان کے علم کی ان کی سائنس کی جس کا آج ہر کسی کو بخار چڑھا ہوا ہے کہ جس کی تصدیق سائنس کرے اسے تسلیم کریں گے جس کی تصدیق سائنس نہیں کرتی یا جسے سائنس رد کرتی ہے اسے تسلیم نہیں کریں گے۔ ہم آخرت ان کے سامنے رکھ رہے ہیں کہ آخرت کیا ہے جنت وجہنم کیا ہے اور ہم انہیں اور ان کی سائنس کو چیلنج کرتے ہیں کہ یہ اس حق کا رد کر کے دکھائیں اسے غلط ثابت کر کے دکھائیں۔

رہی بات دوبارہ اٹھا کھڑا کرنے کی تو اس کا بھی دنیا کی کوئی طاقت رد نہیں کر سکتی نہ ہی ان کی سائنس اس کا رد کر سکتی ہے بلکہ الٹا تصدیق ہی کرے گی۔

سائنس جن بنیادوں پر کھڑی ہے وہ ہیں قوانین فطرت۔ جن قوانین فطرت کو جس حد تک دریافت کر لیا جاتا ہے وہ سائنس کی بنیاد ہے۔

سائنس کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے جس کا رد یا انکار پوری کی پوری سائنس کا رد یا انکار تسلیم کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ممکنات ثابت ہو جائیں تو ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا انہیں رد نہیں کیا جا سکتا یعنی اگر آپ اس کائنات میں ایک کام ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ ممکنات میں سے ہے اب اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً آپ دیکھتے ہیں کہ دو مختلف مخلوقات کے اختلاط سے ایک نئی تیسری مخلوق وجود میں آجاتی ہے تو یہ ممکنات میں شامل ہو گیا اب اس کا انکار نہیں کیا جا

سکتا۔

اسی طرح اگر آپ کچھ ہوتا ہوا اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھتے یعنی مشاہدہ نہیں کرتے لیکن آپ کے پاس اس کے بارے میں اتنا علم آجاتا ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تو وہ ممکنات میں شامل ہو جائے گا جس کا نہ تو رد اور نہ ہی انکار کیا جا سکتا ہے۔

اب ذرا غور کریں سائنس کے اسی بنیادی اصول و قانون کے تحت کیا اس بشر کو دوبارہ وجود میں لائے جانے کا انکار کیا جا سکتا ہے؟

اس بشر کو جب وجود میں لایا گیا تو اسے وجود میں لانے سے پہلے نہ تو اس سے پوچھا گیا نہ اس سے اجازت لی گئی اور نہ ہی بتایا گیا اور اسی طرح اس کو مٹانے یعنی اسے موت دینے کے حوالے سے بھی نہ تو اسے بتایا گیا نہ پوچھا گیا اور نہ ہی اس سے اجازت لی گئی۔

اب یہ بات سائنس کے بنیادی اصول و قانون کے تحت ممکنات میں شمار ہو گئی اس کا انکار گویا کہ سائنس کا ہی انکار ہے۔ اب جب یہ ممکنات میں سے ہے تو پھر دوبارہ اٹھا کھڑا کرنے کا انکار یا رد کس بنیاد پر کیا جا سکتا ہے؟ ایسا کیسے ممکن ہے کہ دوبارہ وجود میں نہ لایا جائے؟ اور اگر دوبارہ وجود میں لانے کا کہا جاتا ہے تو اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حالانکہ سائنس یہاں تک جا چکی ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی وجود میں آرہا ہے اس کے پیچھے ساونڈ ویوز ہیں یعنی آواز کی لہریں۔ آواز کی ہر فریکوینسی ایک مخلوق کو وجود میں لاتی ہے یعنی آپ اگر اپنی تخلیق میں غور کرتے ہیں تو یہ ایک لمبا پراسس ہے آپ بہت سے مراحل اور ایک لمبی مدت طے کرنے کے بعد وجود میں آتے ہیں لیکن آپ کو وجود میں لانے کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں ہے بلکہ اس سے کئی گنا تیز اور آسانی کیساتھ بھی آپ کو وجود میں لایا جا سکتا اور وہ ہے آواز کی لہروں سے۔

ایک طرف آواز کی لہریں اپنی فریکوینسی پر موجود ذرات کو ایک خاص مقام پر زبردستی دھکیلتی ہوئی لائیں اور دوسری طرف حرارت سے ان ذرات میں کیمیائی عوامل کے ذریعے جڑنے کی کیفیت پیدا کی جائے تو آپ کو بہت جلد اور انتہائی آسانی سے وجود میں لایا جا سکتا جس کے لیے نہ تو پانی کی ضرورت نہ ہی لمبے چوڑے مراحل کی ضرورت ہے اس کے لیے صرف اور صرف ذرات کی صورت میں زمین میں بکھرے ہوئے اس مواد کی ضرورت ہے جو پہلے ایک بار وجود بن چکا ہو یعنی وجود بن کر تحلیل ہو چکا ہو جس وجہ سے اس میں وہ تمام اجزاء موجود ہوں گے جن کی وجود میں لانے کے لیے ضرورت ہے۔

اب جب کہ آپ کو وجود میں لایا گیا اور موت دی جائے گی دوبارہ ذرات میں تحلیل کر دیا جائے گا تو اس کے بعد کبھی بھی کسی بھی وقت آپ کو بہت جلد اور انتہائی آسانی سے وجود میں لایا جا سکتا ہے اس حوالے سے سائنس تو کیا دنیا کی کوئی طاقت دوبارہ وجود میں لانے کا رد نہیں کر سکتی۔

اب آیئے دوسرے پہلو کی طرف۔

مثال کے طور پر آپ ایک مشین بناتے ہیں اس میں ایک پرزہ خراب ہو جاتا ہے یا ٹھیک سے کام نہیں کرتا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کیا کریں گے؟ کیا اس پرزے کو وہیں رہنے دیں گے یا نکال دیں گے؟ اگر نکال دیں گے تو کیا ہمیشہ کے لیے نکال دیں گے یا پھر عارضی طور پر نکالیں گے؟ تو اس کا جواب بالکل آسان اور واضح ہے کہ اس پرزے کو نکال دیں گے اور اسے مرمت کر کے دوبارہ واپس لایا جائے گا نہ کہ اسے ہمیشہ کے لیے نکالا جائے گا یعنی اسے عارضی طور پر نکالا جائے گا کیونکہ اگر ہمیشہ کے لیے نکالنا ہوتا یا نکالا جا سکتا تھا تو پھر اسے وجود میں لایا ہی کیوں گیا تھا اس لیے پہلی بات کہ ایسے پرزے کو نکال دیں گے دوسری بات کہ اسے ہمیشہ کے لیے نہیں نکالیں گے بلکہ دوبارہ واپس لائیں گے اگر ہمیشہ کے لیے نکالنا ہوتا یا نکالا جا سکتا تھا تو اسے وجود میں ہی نہ لایا جاتا جب وجود میں لائے تو ظاہر ہے بغیر مقصد کے تو وجود میں نہیں لائے۔

بالکل اسی طرح ذرا غور کریں فطرت آپ کو وجود میں لائی کیا بغیر کسی مقصد کے فطرت آپ کو وجود میں لائی؟

دوسری بات اگر آپ اس مقصد کو پورا نہیں کرتے جس مقصد کے لیے فطرت آپ کو وجود میں لائی یعنی آپ فطرت سے مطابقت نہیں رکھتے تو کیا فطرت آپ کو رہنے دے گی؟ آپ کا وجود برداشت کرے گی یا پھر نکال باہر کرے گی آپ کو دوبارہ کالعدم کر دیا جائے گا؟

تیسری بات کیا دوبارہ واپس نہیں لایا جائے گا؟ کیونکہ اگر دوبارہ واپس نہیں لایا جانا تھا تو پہلی بار وجود میں ہی کیوں لایا گیا؟

جب تک وہ مشین موجود ہے تب تک آپ کو کالعدم نہیں کیا جا سکتا یہ بشر یعنی آپ اس زمین کا ایک پرزہ ہو اور مشین پرزے کے بغیر مکمل نہیں اس لیے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے آپ کو دوبارہ لایا جانا ناگزیر ہے۔ اس پہلو سے بھی سائنس تو کیا دنیا کی کوئی طاقت دوبارہ اٹھائے جانے کا رد نہیں کر سکتی ہاں البتہ انکار کیا جا سکتا ہے لیکن جان لیں تب تک جب تک کہ وقت نہیں آ جاتا جب وقت آ جائے گا تب کہا جائے گا کہ اب انکار کرو مگر تب مانیں گے تب ماننے کی ضد کریں گے اور تب ماننا کوئی نفع نہیں دے گا۔

آتے ہیں تیسرے پہلو کی طرف۔

آپ ایک محاورہ سنتے ہیں جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

اس کائنات میں یہ نہ صرف قانون ہے بلکہ اٹل حقیقت ہے جس کا رد سائنس بھی نہیں کر سکتی کہ ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے۔

ایک چھوٹی سی مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثلاً آپ کا کوئی ناقابل برداشت نقصان کرتا ہے تو کیا آپ اسے ایسے ہی چھوڑ دیں گے؟

نہیں بالکل نہیں بلکہ آپ اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیں گے اسے اس کے کیے کی سزا دیں گے۔ تو ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ فطرت اپنے ہی بنیادی اصول و قوانین کے خلاف کرے؟ آپ فطرت کیساتھ دشمنی کریں زمین اور اس کے گرد گیسوں کی تہوں میں سب کچھ تباہ و برباد کر دیں اور آپ کو فطرت کوئی سزا ہی نہ دے؟ یہ ممکن ہی نہیں کہ فطرت آپ کو ایسے ہی چھوڑ دے۔

ذرا غور کریں جب آپ اس زمین کو خود اپنے ہاتھوں سے جہنم بنا رہے ہیں تو فطرت اس جہنم میں کسی اور کو لا کر رکھے گی؟ سزا کسی اور کو دے گی؟ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے آپ کو دوبارہ وجود میں لایا جانا ناگزیر ہے یہ ہو کر رہے گا دنیا کی کوئی طاقت اس کا رد نہیں کر سکتی۔

یاجوج اور ماجوج ہوں، نفخ فی الصور ہو، انسانوں کا جمع کیا جانا ہو، آخرت ہو، جنت اور جہنم ہو یا پھر موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا یہ حقائق آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیئے گئے یہ کوئی دیومالائی کہانیاں نہیں ہیں جن کا حقیقت کیساتھ کوئی تعلق نہ ہو بلکہ یہ وہ حق ہے جس کا دنیا کی کوئی طاقت رد نہیں کر سکتی اور اگر انکار کرتے ہیں تو جان لیں کہ عنقریب وہ وقت بھی آ جائے گا بلکہ ایسے ہی جیسے آپ صبح سوچتے ہیں کہ رات ابھی بہت دور ہے اور وہ بھی آ جاتی ہے آپ اسی وقت میں موجود ہوتے ہیں ایسے ہی وہ وقت بھی آ جانا ہے تب آپ کیسے انکار کریں گے؟

اسی طرح آپ سوچتے ہیں کہ موت بہت دور ہے اتنی دور کہ جیسے آنی ہی نہیں لیکن بلآخر وہ وقت بھی آ جاتا ہے جب آپ موت کو اپنے سب سے قریب دیکھتے ہیں اس سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی بالکل ایسے ہی ابھی واضح کردہ آخرہ نے بھی آ جانا ہے آج آپ نہیں مانتے اور انکار ہی کرتے ہیں آنکھیں بند کر کے اپنے آباؤاجداد کے پیچھے ہی چلتے ہیں تو پھر جان لیں منوانا رسول کا کام نہیں بلکہ رسول پر صرف اور صرف کھول کھول کر پہنچا دینا ہے جب وقت آئے گا تب میرا ربّ خود ہی منوا لے گا اور ایسا منوائے گا کہ تب آپ کو کہا جائے گا کہ اب انکار کرو مگر تب آپ ماننے کی ضد کرو گے جیسے آج انکار کرنے کی ضد کر رہے ہو۔

سورۃ الکھف کی اگلی آیات میں یہی اللہ نے واضح کیا کہ کس طرح جہنم سامنے لائی جا رہی ہے اور کون ہیں کافرین جن کے لیے جہنم سامنے لائی جا رہی ہے اور وہ کیا کر رہے ہیں کیوں کر رہے ہیں جو کر رہے ہیں وہ کیا ہے اور انہیں کیا کرنا چاہیے تھا۔

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِىْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِىْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا. الکھف ۱۰۱

اس آیت میں اللہ نے ان کافرین کا ذکر کیا یعنی جو حق کو مان ہی نہیں رہے اور الٹا حق کی تکذیب کر رہے ہیں آسمانوں و زمین میں فساد کر رہے ہیں جو یاجوج اور ماجوج ہیں الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِىْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِىْ ایسے لوگ تھے ان کی آنکھیں غطاءٍ میں میرے ذکر بارے۔ غطاء کہتے ہیں اس شئے کو یا اسے جسے دیکھنے سے اصل نظر آنا بند ہو جائے اصل پردے میں چلا جائے وہ شئے اصل پر پردہ بن جائے۔

مثلاً اسے ایک مثال سے سمجھ لیں آج آپ کسی سے بھی پوچھتے ہیں کہ یہ خام تیل کیا ہے تو وہ جب خام تیل کو دیکھے گا تو اسے آج جو کچھ بھی خام تیل سے بن رہا ہے وہ سب نظر آئے گا وہ خام تیل کو آج اس دور کا سب سے قیمتی ترین خزانے کہے گا اسے خام تیل سب سے قیمتی خزانہ نظر آئے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ خام تیل تو اللہ کے غیب میں سے اللہ کی آیت ہے۔

خام تیل کو دیکھ کر اس میں غور کرنے سے تو جو بھلا دیا گیا تھا یعنی اللہ، اللہ یاد آ جانا چاہیے تھا لیکن کسی کو بھی خام تیل کو دیکھ کر اللہ نظر نہیں آتا اللہ یاد نہیں آتا بلکہ دنیا جنت نظر آتی ہے خام تیل سے بننے والی سہولتیں نظر آتی ہیں۔

اسی طرح آپ گاڑیوں کے بارے میں سوال کر لیں تو کسی کو بھی یہ الدابۃ الارض نظر نہیں آئے گا بلکہ ہر کسی کو یہ ترقی و جدیدیت نظر آئے گی حالانکہ اگر غور کیا جائے تو اللہ یاد آ جاتا ہے کہ کیسے الدابۃ الارض وجود میں آیا۔ اللہ کی آیات ہیں جن میں پنگے لیکر اللہ کی آیات کا کذب کر کے الدابۃ الارض وجود میں لایا گیا لیکن کسی کو بھی اللہ کی آیات نظر نہیں آ رہیں بلکہ وہی نظر آ رہا ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے ہے جسے یہ ترقی کا نام دیتے ہیں اور جسے یہ ترقی کا نام دیتے ہیں اس سب نے ان کے لیے اللہ پر پردہ ڈال دیا۔ تو آج جو کچھ بھی آنکھیں دیکھ رہی ہیں، ہے کوئی جو غور و فکر کرے اور اللہ کو یاد کر لے؟

آج یہ حق آپ کے سامنے ہے اللہ نے ان آیات کی صورت میں آج کی تاریخ اتاری تھی پھر آگے اللہ کا کہنا ہے **وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا** اور تھے نہیں استطاعت رکھ رہے جو سنایا جا رہا ہے اسے سن کر اس کی اطاعت کریں یعنی یہ اس قدر عقل کے اندھے ہیں چلو مان لیا کہ یہ فتنہ الدجّال اتنا سخت اور عظیم فتنہ ہے کہ اسے خود سے سمجھنا بہت مشکل ہے ناممکن کے قریب تر ہے لیکن اب تو تمہیں تمہاری ہی آواز میں تمہاری ہی زبان میں کھول کھول کر سنایا جا رہا ہے تم میں سننے کی بھی استطاعت نہیں؟ اب جب سنایا جا رہا ہے تو سن کر ہی اطاعت کر لو جو کہا جا رہا ہے وہ کرو لیکن اے عقل کے اندھو تمہارا معاملہ تو یہ ہے کہ تمہیں کھول کھول کر سب کچھ سنایا جا رہا ہے اس کے باوجود تم میں سننے تک کی بھی استطاعت نہیں۔ سن کر عمل بھی نہیں کر سکتے اس سے بڑی بدبختی کوئی اور ہو سکتی ہے اور ہو گی؟ آپ خود غور کریں کیا آج سب کچھ کھول کھول کر نہیں واضح کیا جا رہا ہے؟ کیا آج سب کچھ کھول کھول کر نہیں سنایا جا رہا ہے لیکن ہے کوئی جو سن کر ماننے کی استطاعت رکھنے والا ہو؟ کیا اس سے بھی بڑھ کر حق کھولا جا سکتا ہے؟

اب تو ایک ایک بات ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کی جا رہی ہے کھول کھول کر سنایا جا رہا ہے لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ انسانیت کی راہنمائی کے دعویدار جنت و جہنم کے ٹھیکیدار ملاّں بھی کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بیٹھے ہوئے ہیں آنکھیں بند کی ہوئی ہیں اور گونگے ہو چکے ہیں۔ زبان سے اللہ کی غلامی کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن یہ اللہ کے دشمن ہیں یہ خواہشات کے پجاری ہیں۔ ان پر فرض تھا کہ اب جب ان پر حق بالکل کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے تو یہ لوگ حق کی تائید و تصدیق کرتے لوگوں کو دنیا و آخرت میں ہلاکت سے بچاتے لیکن نہ یہ خود جہنم سے بچنا چاہتے ہیں اور نہ ہی یہ چاہتے ہیں کہ یہ اکیلے جہنم میں جائیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلنے والی اکثریت کو بھی اپنے پیچھے جہنم میں لیکر جائیں۔

پھر آگے اللہ کا کہنا ہے

**اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا. الكهف ١٠٢**

**اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا** کیا پس حساب کرتے ہیں وہ لوگ جو کفر کر رہے ہیں جو ہماری دعوت کو تسلیم نہیں کر رہے یعنی یہ جو حق بالکل کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے اور اس کے باوجود بھی حق کو تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں حق سے انکار ہی کر رہے ہیں یہ جب اپنے گریبانوں میں جھانکتے ہیں اپنے اعمال کو دیکھتے ہیں جو کچھ انہیں حاصل ہو چکا یہ جب اسے دیکھتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انہیں کچھ نہیں ہونے والا ان کے پاس بڑے جدید اسباب و وسائل ہیں یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں ٹھیک ہی کر رہے ہیں یہ تو کچھ غلط کر ہی نہیں رہے۔

**اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ** کہ انہوں نے اخذ کیا ہوا ہے میرے عباد کو اپنے مشن میں اپنے مقصد میں معاونت کار مجھے یعنی اللہ کو ہٹا کر۔

اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے تمام کی تمام مخلوقات اللہ کی عباد ہیں۔ اللہ کے عباد کو من دون اللہ اولیاء بنانا یہ ہے کہ آج اگر آپ کو یہ سب حاصل ہوا تھا تو آپ کو چاہیے تھا کہ ان سب مخلوقات سے یا جو کچھ بھی آج آپ کو حاصل ہوا تو اللہ کو اپنا مقصد بنا کر اس کے لیے ان سب کا استعمال کرتے بالکل ایسے ہی جیسے سلیمان علیہ السلام نے کیا سلیمان علیہ السلام کا مقصد و مشن انسانیت کی خدمت یا ترقی و خوشحالی کے نام پر آسمانوں و زمین میں فساد کرنا نہیں تھا اور نہ ہی سلیمان نے اس مقصد و مشن میں ان اسباب سے معاونت حاصل کی بلکہ سلیمان نے اللہ کو یاد کیا سلیمان پر واضح ہو گیا کہ اللہ کیا ہے اور اگر اسے یہ اسباب حاصل ہوئے ہیں تو کس مقصد کے لیے دیئے گئے ہیں اور پھر سلیمان نے اللہ کو اپنا مقصد و مشن بناتے ہوئے آسمانوں و زمین کو فساد سے پاک کرنے کے لیے ان اشیاء سے معاونت اخذ کی بالکل ایسے ہی اپنا مقصد و مشن اللہ کو بنانا ہے اور اللہ کو مقصد و مشن بناتے

ہوئے آسمانوں و زمین میں فساد کو روکنے اور اصلاح کے لیے ان اسباب سے معاونت حاصل کرنی ہے ورنہ اگر ان اسباب کا استعمال من اللہ کی بجائے من دون اللہ کیا تو دنیا و آخرت میں ہلاکت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اب آپ خود غور کریں کہ کیا آج وہی کیا جا رہا ہے جو سلیمان نے کیا یا پھر آج اس کے بالکل برعکس کیا جا رہا ہے؟

آج آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اپنے ہی گریبان میں جھانک لیں جس جس کو جو کچھ بھی دیا گیا وہ من دون اللہ استعمال کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ اسے کوئی زوال نہیں، نہ تو دنیا میں اسے کوئی عذاب مل سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہر شخص اپنی ذات میں غور کرے کہ اللہ نے اسے کیا کیا دیا اور وہ اس کا کس مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے کس سے بچنے کے لیے استعمال کر رہا ہے؟

آپ کو جو بھی صلاحیتیں دی گئیں جو اسباب و وسائل دیئے گئے جو مال و دولت دی گئی جو عقل و ذہانت دی گئی جو بولنے کی صلاحیت دی گئی جو اولاد دی گئی خواہ کچھ ہی کیوں نہ دیا گیا ذرا غور کریں ان کا استعمال کس کے لیے کر رہے ہیں؟ آپ کا مقصد و مشن کیا ہے جس کو پورا کرنے کے لیے جسے پانے کے لیے ان سب سے معاونت حاصل کر رہے ہیں؟ حق آپ پر بالکل واضح ہو جائے گا اور آپ کا انجام کیا ہے وہ بھی بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا۔ اگر تو آپ کا مقصد اللہ ہے اور من اللہ ان سب کا استعمال کر رہے ہیں تو الحمد للہ ورنہ جو آپ کر رہے ہیں اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے لیے جہنم تیار کر رہے ہیں جس کا اللہ نے آگے ذکر کر دیا اِنَّـآ اَعۡتَـدۡنَـا جَهَـنَّـمَ لِـلۡكٰفِرِيۡنَ نُزُلًا یعنی اب اپنا محاسبہ کرو جب تم پر حق بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا یہ کافرین کے لیے اترا ہے اب جب تم اپنا احتساب کرو گے تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ تم خود اپنے لیے جہنم تیار کر رہے ہو۔ اب جب حق تمہارے لیے اتارا گیا ہے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا ہے تو اب اپنا احتساب کرو اب تم پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی تم خود یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤ گے کہ اس میں کچھ شک نہیں ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں جو جہنم تھی جس کا وعدہ کیا گیا تھا اسے تیار کر رہے ہیں۔

پیچھے آپ پر واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو دیا گیا اگر آپ انسانیت کی خدمت کے نام پر جدیدیت و ترقی کے نام پر دنیاوی مال و متاع کے حصول کے لیے اپنی خواہشات کی اتباع میں اس سب کا استعمال کر رہے ہیں تو آپ اپنے ہی ہاتھوں سے زمین کو جہنم بنا رہے ہیں آپ کے ان مفسد اعمال کے رد اعمال میں یہ زمین جہنم بن رہی ہے جو عنقریب مکمل تیار ہو جائے گی اور آپ کو اسی میں ڈالا جائے گا یہی اللہ نے اس آیت میں بھی واضح کر دیا کہ اے کافرین اور جان لیں کافرین سے مراد وہ نہیں جو دائرہ اسلام نامی مذہبی طبقے کی حدود و قیود سے باہر ہیں اللہ کے ہاں ایسا کوئی دائرہ نہیں اور نہ ہی اسلام کے نام پر جو کچھ آپ کر رہے ہیں وہ دین الاسلام ہے۔ کافرین کون ہیں پیچھے بار بار واضح کر دیا جو اللہ کی آیات سے کفر کر رہے ہیں جو حق بالکل کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی اسے تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں جو کچھ بھی آسمانوں و زمین میں ہے انہیں اللہ کی آیات ماننے سے انکار کر رہے ہیں اور الٹا ان میں پنگے لے رہے ہیں فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں اب اپنا محاسبہ کرو اور دیکھو کہ تم کیا کر رہے ہو؟ تم اپنے لیے خود اپنے ہی ہاتھوں سے جہنم تیار کر رہے ہو یہ تھی وہ جہنم جو آج تم اپنے ہاتھوں سے تیار کر رہے ہو۔

پھر اگلی آیت میں اللہ کا کہنا ہے

**قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا** . الکھف ۱۰۳

اس وقت اللہ اپنے رسول کو یعنی اپنے بھیجے ہوئے کو کہہ رہا ہے جس کے ذریعے اللہ اس وقت انسانوں کو کھول کھول کر متنبہ کر رہا ہے حق کھول کھول کر واضح کر رہا ہے کہ تُو ان سے کہہ کیا ہم تمہیں وہ علم دیں جو ہمارے یعنی اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں؟ جو یہ کر رہے ہیں اس سے ان کے لیے خسارہ ہے ان کا ایک ایک عمل انہیں خسارے میں لے جا رہا ہے۔

**اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا**. الکھف ۱۰۴

ایسے لوگ جو ضل ہیں رستے سے ہٹ کر ہیں ان کی تمام تر سعی یعنی جو کچھ بھی یہ لوگ دنیاوی زندگی میں کر رہے ہیں وہ سوائے گمراہی کے کچھ بھی نہیں وَهُـمۡ يَـحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا اور یہ لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں جو اعمال بھی کر رہے ہیں تو اپنی سعی کو دیکھ کر اپنے اعمال کو دیکھ کر یہی نتیجہ اخذ کر کے بیٹھے ہوئے ہیں یہی نتیجہ طے کیے ہوئے ہیں کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں احسان ہی کر رہے ہیں خود کو محسن سمجھ رہے ہیں۔

یعنی آج کسی انجینئر کو لے لیں، کسی سائنسدان کو، کسی پروفیسر کو، کسی ٹیچر کو، کسی مولوی کو، کسی ڈاکٹر کو، کسی بینکر کو، کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والے شخص کو لے لیں تو حقیقت میں کیا کر رہا ہے حقیقت میں وہ آسمانوں وزمین میں فساد کر رہا ہے وہ اللہ کیساتھ دشمنی کر رہا ہے اور جب وہ اپنے اعمال کو دیکھتا ہے تو وہ یہی سمجھ کر بیٹھا ہوا ہے کہ وہ تو جو کچھ بھی کر رہا ہے احسان ہی کر رہا ہے وہ تو مسیحا ہے بہت اچھا شخص ہے مومن ہے وہ انسانیت کی خدمت کر رہا ہے۔ اللہ نے تو بالکل واضح کر دیا کہ اے عقل کے اندھوں تمہیں بے شک کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے لیکن جان لو یہ حق ہے کہ تم اللہ کیساتھ دشمنی کر رہے ہو تمہارا ایک ایک عمل تمہیں خسارے میں لے جا رہا ہے تم لوگ یاجوج اور ماجوج ہو تم لوگ جو بھی کر رہے ہو زمین میں فساد کر رہے ہو۔

ایک شخص ایمبولینس بنا کر بیماروں کو ہسپتالوں میں لے جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ تو بہت بڑا محسن ہے انسانیت کی خدمت کر رہا ہے احسان کر رہا ہے لیکن حقیقت کیا ہے کبھی کسی نے غور ہی نہیں کیا کہ وہ گاڑی جسے تُو ایمبولینس بنا کر انسانیت کی خدمت کا دعویدار بنا ہوا ہے اور اپنی نظروں میں بہت بڑا مومن ومحسن بنا ہوا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ گاڑی دابۃ الارض ہے جس کی تخلیق آسمانوں وزمین میں فساد عظیم سے ہوئی اس کے بعد اس میں جو ایندھن ڈال رہا ہے وہ زمین کا خون اللہ کے غیب کا کفر اللہ کی آیات کا کذب پھر وہ دابۃ الارض جو زہریلی گیسیں خارج کر رہا ہے آسمانوں وزمین میں فساد کر رہا ہے اس سے زمین جہنم بن رہی ہے لاتعداد مخلوقات کا قتل ہو رہا ہے فساد عظیم ہو رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ بہت بڑا احسان کر رہا ہے۔ بہت اچھے اعمال کر رہا ہے۔

اسی طرح کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والا انسان اس میں غور کر لے تو اس پر حق بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ وہ محسن نہیں بلکہ مجرم ہے اللہ کا مجرم، وہ اپنی نظروں میں مومن ومحسن بنا بیٹھا رہے لیکن عنقریب اس کے پاس سوائے پچھتاوے اور چیخنے چلانے کے کچھ نہیں ہوگا۔ تب چیخے گا چلائے گا لیکن تب کچھ نفع نہیں ہوگا۔

اللہ کے سب سے بڑے دشمن یہ ملاّں سمجھتے ہیں کہ یہ دین کی خدمت کر رہے ہیں اللہ کے نمائندے ہیں لیکن حقیقت میں کسی ایک کو بھی دین کا علم نہیں یہ اللہ کے نمائندے نہیں بلکہ اللہ کے مجرم ہیں، جس کا دین کیساتھ کوئی تعلق ہی نہیں جو ہے ہی جہالت جو کہ پوجا پاٹ ہے یہ پوجا پاٹ کو دین کا نام دیکر اور جو دین ہے اسے دنیا کا نام دیکر انسانوں کے لیے اللہ کیساتھ دشمنی کی راہ ہموار کرتے ہیں آج آسمانوں وزمین کی حالت کے اصل اور بنیادی ذمہ دار یہی لوگ ہیں جو پہرا دار تھے۔ یہ خود کو بہت بڑے محسن سمجھتے ہیں خود کو اللہ کے چہیتے سمجھتے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں اللہ کا ہی علم نہیں کہ اللہ کیا ہے یہ اپنے بے بنیاد باطل عقائد و نظریات کو ہی اللہ بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں اور جو اللہ ہے اس کا انہیں علم ہی نہیں الٹا اللہ کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں اور انسانوں کو بھی اللہ کیساتھ دشمنی پر ابھار رہے ہیں ان کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ کا کہنا ہے

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا. الکهف ۱۰۵

یہی ہیں وہ، وہ لوگ جو کفر کر رہے ہیں ان کے ربّ کی آیات سے اور اپنے ربّ میں واپس ڈلنے سے، پس ناکام کروا دیا ان کے اعمال نے انہیں جو بھی اعمال انہوں نے کیے وہ رستے سے ہٹ کر کرتے رہے جن کا نہ کرنا کرنے سے زیادہ بہتر تھا پس نہیں ہم قائم کر رہے ان کے لیے یوم القیامہ وزن۔ یعنی ان کے حسن اعمال کے پلڑے بالکل خالی ہوں گے اس پلڑے میں کچھ بھی نہیں ہوگا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

آج دنیا میں یہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ بہت بڑے بڑے احسن اعمال کر رہے ہیں انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں لیکن ان کا کوئی ایک بھی عمل ان کو کوئی نفع نہیں دینے والا بلکہ الٹا یہ اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے جہنم تیار کر رہے ہیں۔ اصل وجہ ہی یہی ہے کہ ان کو علم ہی نہیں ہے یہ لوگ ہیں ہی گمراہ، جب ان کو آخرت کا علم ہی نہیں کہ آخرت ہے کیا، جنت کا علم ہی نہیں کہ جنت ہے کیا، جہنم کا علم ہی نہیں کہ جہنم ہے کیا، یہ آخرت کو جنت وجہنم کو دیومالائی کہانیاں بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں جب آخرت جنت وجہنم ان کے نزدیک ہیں ہی دیومالائی کہانیاں تو ظاہر ہے پھر یہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں بہت اچھے اعمال کر رہے ہیں یہ بہت بڑے محسن ہیں حالانکہ خود اپنے ہاتھوں سے زمین کو وہی جہنم بنا رہے ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی یہ جو کچھ بھی آسمانوں وزمین میں ہے انہیں اللہ کی آیات ماننے کو تیار ہی نہیں یہ اللہ کی آیات سے کفر کر رہے ہیں جو ان کا ربّ ہے اس سے کفر کر رہے ہیں۔

کیا غور نہیں کیا کہ کون ہے ربّ تمہارا؟ ذرا غور کرو! کیا یہی وہ ذات نہیں جس نے تمہیں وجود دیا جنہیں تم مخلوقات کا نام دیتے ہو،؟

ذرا غور کرو! تم کیسے وجود میں آئے کیسے خلق ہوئے؟ ذرا غور تو کرو! تمہاری ضروریات کیا کیا ہیں اور انہیں کون خلق کر رہا ہے؟ کیا یہی جو کچھ بھی آسمانوں و زمین میں ہے یہی سب سامنے نہیں آئے گا خالق کی صورت میں؟ جب یہی ربّ سامنے آتا ہے تو پھر ربّ سے ہی کفر کر رہے ہو۔ کیا اسی سے تم وجود میں نہیں آئے اور موت کے بعد دوبارہ اسی میں نہیں جا ملو گے؟ کیا دوبارہ یہی ذات تمہیں وجود میں نہیں لائے گی؟ پھر بھی اسی سے کفر کر رہے ہو اس کی ایک بھی ماننے کو تیار نہیں، اپنے ربّ کو مخلوقات کا نام دیکر اس کیساتھ دشمنی کر رہے ہو عقل کے اندھو غور تو کرو۔

اب جب اپنے ربّ ہی کی آیات سے کفر کر رہے ہو اور دن رات اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کو احسانات سمجھ رہے ہو تو تمہارا انجام کیا ہے جان لو تمہارا انجام تم پر ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا خواہ مانو یا نہ مانو اور خواہ تمہیں کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ پھر آگے اللہ کا کہنا ہے

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا. الکھف ١٠٦

وہ بدلہ ان کا جہنم اس کے سبب جو کفر کر رہے ہیں اور اخذ کر رہے ہیں میری آیات اور میرے رسولوں سے ھزوا یعنی اس وجہ سے ان کا انجام جہنم ہے ان کا بدلہ جہنم ہے جو یہ کر رہے ہیں اور جو یہ کر رہے ہیں یہ اللہ کی آیات سے کفر کر رہے ہیں ان میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں انہیں نقصان پہنچا رہے ہیں ان کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں ان کے خلاف ہی ہر عمل کر رہے ہیں اور بالکل یہی یہ ہر اس کیساتھ بھی کر رہے ہیں جو میرا رسول ہے یعنی جو میرا بھیجا ہوا ہے جو میری آیات کو ان پر کھول کھول کر واضح کر رہا ہے ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے یہ اس کے احسان مند ہونے کی بجائے الٹا اس کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اسکی تحقیر و تذلیل کر رہے ہیں، اسے نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندیاں کر رہے ہیں، اس کے خلاف محاذ کھولے ہوئے ہیں جس سے وہ متنبہ کر رہا ہے اس سے باز آکر عذاب سے بچنے کی بجائے الٹا ڈنکے کی چوٹ پر وہی کر رہے ہیں۔ اپنے آباؤ اجداد کو ترک کر کے میرے رسول کی طرف سے کھول کر واضح کردہ حق کو اخذ کرنے کی بجائے الٹا رسول کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں اور آباؤ اجداد کو کسی بھی صورت چھوڑنے کو تیار ہی نہیں، اللہ کے بھیجے ہوئے سے دشمنی تو اللہ سے دشمنی ہے یہ اللہ کے رسول سے دشمنی نہیں بلکہ اللہ سے دشمنی کر رہے ہیں کیونکہ اگر یہ اللہ کا رسول نہ ہوتا تو کیا یہ پھر بھی اس کیساتھ ایسا ہی کرتے؟ نہیں بلکہ اس کیساتھ صرف اور صرف اسی وجہ سے تو ایسا کر رہے ہیں کیوں کہ یہ اللہ کا رسول ہے جب اللہ کا رسول ہونے کی وجہ سے اس کیساتھ ایسا سب کر رہے ہیں تو پھر ظاہر ہے اصل میں یہ اللہ کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں۔ رسول کا اپنا تو کوئی وجود ہوتا ہی نہیں رسول تو اللہ کی زبان ہوتا ہے زبان کا مقصد و ذمہ داری ہوتی ہے وجود کی ترجمانی کرنا پیغام پہنچانا سو رسول احسن طریقے سے پہنچا رہا ہے اب یہ اپنی منصوبہ بندیاں کریں اللہ کی اپنی منصوبہ بندی ہے جلد ہی جان لیں گے کہ ان کیساتھ کیا ہوتا ہے جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

جب زبان اپنا کام کرتی ہے اور زبان سے کوئی نہ مانے باز نہ آئے تو زبان کے فوراً بعد ہاتھ حرکت میں آتے ہیں لاتیں حرکت میں آتی ہیں لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے اس لیے زبان کو اپنا کام کر لینے دو رسول کو حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر پہنچا لینے دو جیسے ہی رسول اپنا کام مکمل کر چکے گا تو اس کے فوراً بعد ہاتھ اور لاتیں حرکت میں آئیں گی تب تم مانو گے لیکن تب تمہارا ماننا تمہیں کوئی نفع نہیں دے گا۔

سوائے اس وقت دنیا میں آباد لوگو جان لو حق تم پر کھول کھول کر واضح کر دیا گیا ابھی وقت ہے اپنی آنکھیں کھول لو ورنہ تمہارے ساتھ بالکل وہی ہونے والا ہے جو تمہارے آباؤ اجداد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم شعیب، قوم لوط و آل فرعون کیساتھ ہوا۔ عذاب عظیم القارعہ اور اس کے بعد الساعت تمہارے سر پر آچکی ہے تم کس کے انتظار میں ہو؟

جس جس کا بھی انتظار کر رہے ہو وہ سب کا سب تو ہو چکا اب سوائے صیحۃً واحدۃً القارعہ یعنی عالمی ایٹمی جنگ کے جس میں دنیا کی اسی فیصد آبادی اور تمہاری خلق کردہ جنتیں صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گی اور اس کے بعد سوائے الساعت کے کچھ نہیں رہا۔

نہ صرف یاجوج اور ماجوج کھل کر واضح ہو گئے بلکہ آپ پر یہ واضح ہو چکا کہ آج پوری دنیا یاجوج اور ماجوج سے بھری ہوئی ہے اور مزید دہلا دینے والے حقائق کھل کھل کر واضح ہو چکے جن کا دنیا کی کوئی طاقت رد نہیں کر سکتی۔

## روایات کی روشنی میں یاجوج اور ماجوج

**قال رسول الله ﷺ : الجن والانس عشرة أجزاءٍ، فتسعة أجزاءٍ يأجوج و مأجوج.** ابن ابی حاتم، ابن مردویه، الدر المنثور

رسول اللہ ﷺ نے کہا: جن اور انس یعنی انسان دس حصے ہیں پس نو حصے یاجوج اور ماجوج ہیں۔

اس روایت میں آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ ہر دس انسانوں میں نو یاجوج اور ماجوج ہیں یعنی نوے فیصد انسان یاجوج اور ماجوج ہیں اور ظاہر ہے جب آپ پر یہ واضح کیا جا چکا کہ یاجوج اور ماجوج ان کو کہا گیا جو زمین میں فساد کرتے ہیں یعنی زمین کی مخلوقات کو ان کے مقامات سے بدل رہے ہیں فطرت میں تبدیلیاں کر رہے ہیں تو انسانوں کی اکثریت ایسی ہے جو زمین میں فساد کر رہی ہے اس لیے اکثریت یاجوج اور ماجوج ہے۔

**قال رسول الله ﷺ : ولو أرسلو الأ فسدوا على الناس معايشهم.** طبرانی، بیهقی، ابن المنذر، ابن عساکر، ابن مردویه، الدر المنثور

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اور اگر انہیں بھیجا جائے مگر فساد کر دیں انسانوں کے معاش پر۔

اللہ نے معاش کا کیا نظام بنایا اور یاجوج اور ماجوج نے کیسے فساد کر دیا اس کی وضاحت تفصیل کیساتھ پیچھے گزر چکی بہر حال یہاں ایک بار پھر ایک دوسرے رخ سے اور مختصراً بیان کرتے ہیں۔

ہم نے پیچھے جان لیا تھا کہ اللہ خالق ہے تو کس طرح خالق ہے۔ مثلاً سبزیوں کا خالق اللہ ہے اللہ نے ایک نظام قائم کر دیا جس کے ذریعے اللہ خلق کرتا ہے۔ اس میں لاتعداد مخلوقات کی اپنی اپنی ذمہ داری ہے جیسے انسان کے جسم کا توازن تب تک قائم رہے گا جب تک جسم میں موجود تمام اعضاء اپنا اپنا کام احسن طریقے سے انجام دیتے رہیں گے بالکل اسی طرح اللہ نے سبزیوں کو خلق کرنے کے لیے مختلف مخلوقات کو خلق کر کے ان کے مقام پر رکھتے ہوئے ان پر ان کی ذمہ داری واضح کر دی۔ اس میں ملائکہ کی ذمہ داری الگ ہے، ہواؤں کی الگ، سمندروں کی الگ، سورج کی الگ، زمین کی الگ اور اسی طرح زمین کے اندر اور باہر لاتعداد مخلوقات جب اپنی اپنی ذمہ داری ادا کرتی ہیں تو سبزیاں خلق ہوتی ہیں۔ اس سارے عمل میں تمام مخلوقات ایک مشین کے مختلف پرزوں کی طرح کام کرتی ہیں اور اس مشین یعنی نظام کا ایک پرزہ یہ بشر بھی ہیں۔ سبزیوں یا زمین سے نبات کے خلق کرنے کے لیے اللہ نے انسان کو بھی ایک ذمہ داری دی ہے یعنی انسان بھی مشین میں ایک پرزے کی مانند ہے انسان کا کام یہ ہے کہ اس نے اللہ کی متعین حدود میں رہتے ہوئے فطرت کیمطابق زمین میں ہل چلا کر اس میں بیج بونا ہے فصل کی دیکھ بھال اور جب تیار ہو جائے تو کاٹ کر محفوظ کر لینا ہے اور اسے استعمال کرنا۔

بالکل اسی طرح اللہ نے زمین پر انسان کو الصلاۃ کے قیام کا حکم دیا یعنی انسانوں کو ان کے مقام پر رکھا جائے۔ اللہ نے انسانوں کو قبیلوں میں تقسیم کیا ان کی پہچان کے لیے یعنی انسانوں میں مختلف قبیلے اپنے معاش کے ذریعے پہچانے جائیں گے۔ ایک قبیلہ کاشتکاری کرے گا جس کی پہچان کسان کے نام سے ہوگی تو دوسرا برتن بنائے گا جس کی پہچان کمہار کے نام سے ہوگی وہیں تیسرا تعمیراتی کام کرے گا جسے راج کہا جائے گا، چوتھا لکڑی کا کام کرے گا اسے ترکھان کہا جائے گا، پانچواں کپڑا بنے گا اسے جولاہا کہا جائے گا۔ اسی طرح اللہ نے انسان کی جن ضروریات کا تعین کر دیا ان ضروریات کو پیدا کرنے کا کام کسی نہ کسی قبیلے کا ہوگا۔ پھر تمام کے تمام قبائل آپس میں انہی اشیاء کے ذریعے لین دین کریں۔ اللہ نے اسطرح انسانوں کو ایک دوسرے کا محتاج بنا دیا اس سے انہیں ایک دوسرے کا احساس بھی ہوگا کہ اگر کوئی بیمار ہوگا کوئی پریشانی یا مشکل میں ہوگا تو سب کو اس کی فکر لاحق ہو جائے گی کیونکہ انہیں علم ہوگا کہ اگر اسے کچھ ہوا تو وہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر پائے گا اور یوں معاشرے میں اس ضروری شئے کی قلت ہو جائے گی جس پر وہ معمور ہے جو اس کا ذریعہ معاش اور دوسروں کی ضرورت ہے۔

یہ انسانوں کے وہ معاش کے ذرائع ہیں جن کا تعین اور طریقہ اللہ نے وضع کر دیا اور اسی طرح سب کچھ فطرت پر ہوگا، اسی طرح انسان اس مقصد کو با آسانی پورا کر سکتے تھے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انہیں زمین پر ایک محدود مدت تک کا موقع دیا گیا۔ انسان کے لیے اللہ کے وضع کردہ ذریعہ معاش میں ہر انسان کے لیے کام کرنا لازم تھا یعنی انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہر انسان کا کوئی نہ کوئی کام کرنا لازم تھا اگر کوئی انسان کام کرنا چھوڑ دیتا ہے تو اس کے ذمے

کا کام نہیں ہوگا تو معاشرے میں خامی پیدا ہو جائے گی اور ایسا تب ہی ممکن ہے جب کسی انسان کو کام کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے یعنی وہ دوسروں کا محتاج ہی نہ رہے۔ یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے ربا جسے سود کہا جاتا ہے کو حرام قرار دیا۔

کہ اگر ایک کسان جس نے فصل بو دی لیکن ابھی تیار نہیں ہوئی اور اسے ضروریات حاصل کرنی ہیں جن کے لیے اس کے پاس سرمایہ نہیں ہے تو کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا کہ وہ اسے اس شرط پر مہیا کرے کہ جب اس کی فصل تیار ہو جائے تو اسے سود کے ساتھ واپس کر دے یعنی قیمت سے زیادہ فراہم کرے۔ اس سے ہوگا یہ کہ کسان جو سود میں ادا کرے گا وہ اتنا ہی پیچھے چلا جائے گا اور آئندہ اسے محنت بھی زائد کرنا پڑے گی اور جس کو سود حاصل ہوا اس کے پاس اتنا مال بغیر کسی محنت کے اضافی آ جائے گا جس وجہ سے اسے اتنی مدت کام کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور جب وہ اتنی مدت کے لیے کام چھوڑ دے گا تو جو کام اس نے کرنا تھا معاشرے میں وہ نہیں ہوگا یوں معاشرے میں فساد کا آغاز ہو جائے گا۔

جب جن کے پاس مال ہے وہ دوسرے کو سود پر دیں گے تو یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چلے گا کہ سود دینے والے دن بہ دن غریب سے غریب تر اور لینے والے دن بہ دن امیر تر ہوتے چلے جائیں گے۔ جو غریب تر ہو جائیں گے ان کے لیے اپنی وسعت سے زیادہ کام کرنا مجبوری بن جائے گا اور جو امیر تر ہوتے جائیں گے انہیں کام کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی اس طرح انسان دو طبقات میں تقسیم ہو جائیں گے ایک طبقہ غریب جو کہ غلام بن جائے گا اور دوسرا امیر جو مالک بن جائے گا اسے اپنے ہاتھوں سے کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یوں الصلاۃ اللہ کا انسان کو دیا ہوا نظام درہم برہم ہو جائیگا۔ غریب انسان دنیا میں آنے کے مقصد کو بھول کر مجبوراً انسانوں کی ہی غلامی میں دھنس جائیں گے اور امیر مالک بن کر عیاش بن کر دنیا میں آنے کے مقصد کو بھول جائیں گے۔ اسے ایک مثال سے سمجھ لیں۔ ایک فرد کی مجموعی طور پر دس ضروریات ہیں اور دس افراد ہیں۔ سب الگ الگ صلاحیت کے حامل ہیں سب اپنی اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے کام کرتے ہیں اور اس سے انہیں جو حاصل ہوتا ہے وہ ان کی ضرورت سے نو گنا زائد ہے۔ سب کو اپنی اپنی الگ صلاحیت کی وجہ سے الگ الگ شئے حاصل ہوتی ہے اب سب کو سارا دن کام کر کے ایک ایک ضرورت تو حاصل ہوگئی لیکن سب باقی نو ضروریات سے محروم ہیں۔ اب انہیں یہ کرنا ہے کہ وہ اپنے پاس جو ان کی ضرورت سے نو گنا زائد ہے اسے نو حصوں میں تقسیم کریں۔ ہر شخص ان نو حصوں کو باقی نو افراد کو دے کر ان سے اپنی ضرورت کی شئے جو ان کے پاس ان کی ضرورت سے زائد ہے وہ حاصل کر لے یوں سب کو دس دس ضروریات حاصل ہو جائیں گی اور وہ ضروریات کے نہ حاصل ہونے کی وجہ سے پیش آنے والے نقصان، تکلیف یا مصیبت وغیرہ سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اب سب کو علم ہے کہ ہم ایک دوسرے کے محتاج ہیں جب تک ان میں یہ احساس موجود رہے گا کہ وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں تو وہ ایک دوسرے کی نہ صرف قدر کریں گے بلکہ ہر دکھ سکھ میں اس کے ساتھ کھڑے ہوں گے بالکل یہی مثال دنیا میں تمام لوگوں کی ہے اللہ نے الرحمٰن ہونے کے ناطے قدر میں ایسا کر دیا کہ ہر شخص اگر اپنی ذمہ داری ادا کرے گا تو تمام لوگ بالکل اسی طرح رہیں گے جیسے ان دس افراد کی مثال ہے۔

جب تمام افراد اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنے اپنے ذریعہ معاش کیساتھ جڑے رہیں گے تو سب ایک دوسرے کے محتاج بھی رہیں گے اور ایک متوازن نظام قائم رہے گا یہی اللہ کی غلامی تھی اور ہے جسے عربوں کی زبان میں عبادۃ کہتے ہیں۔ اب اگر ایک کسان کی فصل تیار نہیں اور اسے اوزاروں کی ضرورت ہے، کپڑے کی یا کسی بھی شئے کی تو متعلقہ قبیلے کے افراد پر فرض ہے کہ وہ اسے اس کی ضرورت مہیا کریں اور جب کسان کی فصل تیار ہو جائے تو کسان یا تو فصل سے انہیں معاوضہ دے دے یا فصل بیچ کر اس کی قیمت انہیں لوٹا دے جیسا ان کے درمیان طے ہو اس طرح کریں۔ بالکل اسی طرح تمام انسان آپس میں لین دین کریں گے یہ تھا اللہ کا وضع کردہ انسانوں کا ذریعہ معاش جب وہ جنت سے نکل چکے تب۔ اس میں فساد کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ کسی کو اس کی ضرورت قیمت سے زائد واپس کرنے کی شرط پر دی جائے یا کسی بھی شخص کے پاس اس کی محنت سے زائد مال آ جائے جس کی وجہ سے اسے محنت کرنے کی حاجت نہ رہے اور یوں اس کے کام نہ کرنے سے معاشرے میں خلا آ جائے جو آہستہ آہستہ پورے معاشرے کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرے۔

کسی کے پاس اس کی محنت سے زائد یا بغیر محنت کیے بغیر ضرورت کی حاجت کے مال کا آ جانا ربا کہلاتا ہے جسے سود کا نام دے دیا گیا یعنی جب اس کو ضروریات کی حاجت نہ ہو اسے اس کی ضروریات مہیا ہوں اور ایسی صورت میں بغیر محنت کے اس کے پاس مال آ جائے جس پر اس کو خرچ کرنے کا اختیار حاصل ہو وہ مال ربا کہلائے گا۔ اگر دنیا میں اللہ کا دین قائم ہو یعنی الصلاۃ قائم ہو تو مذکورہ معاشرہ ہوگا اور اس کو تباہ کرنے کے لیے یہی صورت پیش آ سکتی ہے اور اسی تباہی سے

بچانے کے لیے اللہ نے انسان کو اس کی محنت سے زائد وصول کرنے یا دینے سے سختی سے منع کر دیا جو کہ ربا کہلاتا ہے۔

آج یاجوج اور ماجوج نے بینکنگ نظام کے ذریعے دنیا کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جس میں ایک گروہ چند خاندانوں پر مشتمل پوری دنیا کی دولت کا مالک اور باقی انسان ان کی غلامی پر مجبور ہیں۔ اسی طرح انسان کو انسان کا غلام بنانے کے لیے یہی بینک قرضے جاری کرتے ہیں کہ ایک انسان کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہوتا کہ وہ فیکٹری لگا کر لوگوں کو اپنا غلام بنائے اگر وہ فیکٹری لگانے کا خواب پال بھی لے تو ساری زندگی بھی اگر محنت کرتا رہے تو اس قابل نہیں ہوگا کہ فیکٹری لگا سکے لیکن یہی بینک اسے راتوں رات اتنا سرمایہ فراہم کرتے ہیں کہ وہ مالک بن کر کئی انسانوں کو اپنا غلام بنا لیتا ہے۔

اگر کوئی شخص تجارت کے نام پر دوسروں سے محنت کرواتا ہے اور ان کی محنت کا مال کھاتا ہے تو وہ ربا کھا رہا ہوتا ہے مثلاً آپ ایک کام کا ٹھیکہ لیتے ہیں جس کی مالیت ایک کروڑ ہے وہ کام آپ کچھ لوگوں سے کرواتے ہیں جب کام مکمل ہوتا ہے تو اس میں سے پچاس لاکھ انہیں فراہم کرتے ہیں جن سے کام لیا اور پچاس لاکھ کو منافع کا نام دے کر اپنی جیب میں بھرتے ہیں تو یہ ربا ہے اور اس کی نوبت تو تب آئے گی جب آپ موجودہ دنیا کے نظام میں تجارت کریں گے اور قرآن تو اسے آسمانوں و زمین میں فساد قرار دے رہا ہے نہ صرف قرار دے رہا ہے بلکہ لاتعداد ناقابل تردید دلائل بھی دے رہا ہے۔

اس لیے جو بھی ذریعہ معاش ہو اگر تو وہ فطرت پر ہوگا اور اس میں صرف اپنی محنت کا بدل ہی حاصل کیا جائے گا تو ایسا رزق حلال ہوگا ورنہ دین الاسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اور یہ بات کسی بھی مادہ پرست کے لیے قابل قبول نہیں ہوگی نہ ہی وہ تسلیم کرے گا لیکن عنقریب وہ حقیقت کو جان لے گا جب محشر کے میدان میں کھڑا ہوگا اس کے لیے صرف اس دنیا میں آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جو کہ کسی بھی وقت ہو سکتی ہیں۔

آج آپ دیکھیں تو پوری دنیا میں لوگوں کے معاش میں یاجوج اور ماجوج نے فساد کر دیا۔ بینکوں، تجارت، فیکٹریوں، انڈسٹریوں، جدت، آسانی، تیز رفتاری وغیرہ کے نام پر۔ لوگوں کی جگہ الدجّال یعنی ٹیکنالوجی مشینوں نے لے لی اور انسان بے کار ہو گیا اس کو سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ وہ کیا کرے اور کہاں سے پیٹ پالے جس سے پوری دنیا میں بے چینی، افراتفری اور انتشار کی کیفیت ہے۔ لاکھوں لوگ خودکشی کرنے پر مجبور ہیں اور طرح طرح کے جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ آخرت سے بالکل غافل اور دنیا میں صرف اپنا پیٹ پالنے کی تگ و دو میں ساری زندگی غلاموں سے بدتر گزارنے پر مجبور ہیں جو کہ آج آپ کے سامنے ہے کسی کو کسی کا احساس تک نہیں رہا۔

پیچھے جو دس افراد کی مثال بیان کی تھی اسے دوبارہ ذہن میں رکھتے ہوئے اس بات کو دیکھیں۔

لیکن اگر یہ کیا جائے کہ ان میں سے کسی ایک، ایک سے زائد یا سب کے ذہن میں یہ بات ڈال دی جائے کہ وہ ایسا کام کرے جس سے جو اس کے پاس ہے وہ بھی ہاتھ سے نہ جائے اور باقیوں کا بھی اس کے ہاتھ آ جائے تو وہ دس دن کی تھکا دینے والی محنت سے بچ جائے گا اور ان دس دنوں یا نو دنوں میں وہ آئندہ ایک ماہ کا سامان اکٹھا کر سکتا ہے اسی طرح وہ بہت جلد اپنی نسلوں تک کے لیے مال جمع کر سکتا ہے تو ان میں فساد ہو جائے گا یہاں تک کہ اسی لالچ میں وہ ایک دوسرے کے قتل پر بھی اتر آئیں گے اور اسی طرح کے خیالات اور آئیڈیاز کو انسانوں میں داخل کرنے کے لیے کھیلوں کے نام پر ایسے ذرائع عام کیے جاتے ہیں جس سے انسان کے اندر ایسی باتیں ایسے خیالات پیدا ہوں ایسی باتوں کو سیکھے جیسے مثلاً شطرنج ہو یا تاش وغیرہ اور یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے جوئے کو بھی قرآن میں حرام قرار دیا۔ تاش اور شطرنج یا اسطرح کا جو کچھ بھی ہے یہ سب اسی لیے ہے کہ انسان کے دماغ میں ان کے ذریعے ایسے خیالات پیدا ہوں انسان کے اندر ایسے ارادے پنپنا شروع کریں کہ اس میں مقابلہ پرستی پروان چڑھے کیونکہ انسان کے سیکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہی ایسے حادثات و واقعات ہوتے ہیں جو اس کی آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہوتے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی بات ایسی ہوتی ہے جو انسان کے دماغ میں مستقل ٹھکانہ کر لیتی ہے اور انسان میں منفی یا مثبت تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اسی وجہ سے اللہ نے بار بار اپنی آیات میں جو کہ آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے سب کی سب اللہ کی آیات ہیں میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

یوں آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یاجوج اور ماجوج نے لوگوں کے معاش میں فساد کر دیا، افراد کی جگہ مشینوں نے لے لی اور لوگ ایک دوسرے کی بجائے اکثریت چند سرمایہ داروں کی محتاج بن گئی جس کی وجہ سے دنیا میں بدترین حالات پیدا ہو چکے ہیں۔

**قال رسول اللہ ﷺ: هؤلاء الذين لا يقوم لهم جبل ولا حديد.** ابن ابی حاتم، ابن النجار، ابن عدی، ابن مردويه، ابن عساكر

رسول اللہ ﷺ نے کہا: یاجوج اور ماجوج وہ لوگ ہوں گے جن کے لیے پہاڑ قائم نہیں رہیں گے اور نہ ہی لوہا۔

آج یاجوج اور ماجوج کو جدید ٹیکنالوجی کے نام پر اتنی قوت حاصل ہو چکی ہے کہ ان کے سامنے پہاڑ بھی قائم نہیں رہ سکتے اور نہ رہے یہ ان مشینوں کے ذریعے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر رہے ہیں جو کچھ پہاڑوں میں موجود ہے اسے نکالنے کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں اور لوہا جو ایک ایسی دھات تھی جس کی سختی کا قرآن میں اللہ نے ذکر کیا ہے آج ان کے سامنے لوہا بھی قائم نہیں رہا جو ٹیکنالوجی اور بارود یہ حاصل کر چکے ہیں۔ جیسا کہ آپ درج ذیل تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں کہ کیسے کئی کئی کلومیٹر لمبے پتھریلے پہاڑوں میں سرنگیں نکال لی گئیں پہاڑوں کو کاٹ کر انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔

اور یہ سب آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام کے کہے ہوئے الفاظ کے مطابق یاجوج اور ماجوج نے کرنا تھا۔

TATA HITACHI
TATA HITACHI
CATERPILLAR
785C

جب پہاڑوں کو کاٹا جا رہا ہے ان میں چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے تو کیا زمین کا توازن برقرار رہے گا؟ اللہ قرآن میں بار بار کہہ رہا ہے کہ پہاڑوں کو زمین میں ڈالنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ زمین ڈول نہ جائے کہ زمین کا بیلنس کر دیا اور جب آپ پہاڑوں کو تباہ کریں گے، انہیں کاٹیں گے، انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کریں گے تو پھر زمین ہلے گی نہیں یہ کہاں لکھا ہے؟ جب کہ اللہ قرآن میں واضح کہہ رہا ہے تو پھر زلزلے کیوں نہ آئیں؟ زلزلے تو آئیں گے جو کہ آ رہے ہیں اور یہ دن بہ دن بڑھتے ہی چلے جائیں گے یہاں تک کہ ایک ایک دن میں کئی کئی زلزلے آئیں گے اور بالآخر ایک بہت بڑا زلزلہ زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا جو کہ دور نہیں۔

یوں آپ نے دیکھ لیا کہ آج سے چودہ صدیاں قبل کہے گئے محمد علیہ السلام کے الفاظ کے عین مطابق یاجوج اور ماجوج نہ صرف کب کے کھل چکے بلکہ یاجوج اور ماجوج نے آسمانوں و زمین میں ہر سطح پر فساد کر دیا۔

## ذی القرنین، یاجوج و ماجوج اور فتنہ الدجّال

اب بات کرتے ہیں ذی القرنین پر کہ ذی القرنین کون تھا۔ یہ سوال بہت عرصے سے چلا آ رہا ہے اور اس سوال کا جواب دینے کے لیے قرآن کی ترجمانی کے دعویداروں نے جو کہانیاں گھڑ رکھی ہیں سب سے پہلے ان کو آپ کے سامنے رکھتے ہوئے ان کی حقیقت واضح کریں گے تاکہ اس موضوع پر کسی بھی قسم کا کوئی سوال، شک، شبہ یا ابہام باقی نہ رہے اور حق ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھل کر واضح ہو جائے۔

ذی القرنین کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ قرآن میں اس قصے کا شان نزول یہودیوں کے تین سوالات تھے ان میں سے ایک اصحاب کہف کے بارے میں، دوسرا روح کے بارے میں اور تیسرا ذی القرنین کے بارے میں تھا اور انہی سوالات کے جوابات کے ضمن میں سورۃ الکہف نازل ہوئی۔ یہ جو شان نزول اس سورۃ سے منسوب کیا جاتا ہے اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

سب سے پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورت الکہف تو ایک لمبے عرصے پر محیط وقتاً فوقتاً وقفے وقفے سے آیات کی صورت میں نازل ہوئی۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سورت الکہف ایک ہی بار مکمل نازل ہوئی؟ حالانکہ آپ اس کی حقیقت بذات خود قرآن میں ہی دیکھ سکتے ہیں۔

قرآن میں چودہ مقامات پر چودہ آیات میں بالکل صراحت کیساتھ یہ کہا گیا کہ اسے آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے لمبے عرصے میں اتارا گیا یا اتارا جا رہا ہے جیسا کہ آپ ان آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِيۡلًا . الاسراء ۱۰۶

اور قرآن ہم نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا اسے قرا کرنے کے لیے انسانوں پر جس جس مدت میں وہ دنیا میں موجود ہیں اور ہم نے اسے اتارا لمبی مدت میں تھوڑا تھوڑا آہستہ آہستہ جب جب جس جس کی ضرورت تھی اتنا اتنا۔

یہ آیت بہت ہی وسعتوں کی حامل ہے اور اس میں عظیم راز پنہاں ہیں لیکن ہم اپنے موضوع کے اعتبار سے اس وقت اسے سامنے رکھ رہے ہیں کہ اس آیت میں بالکل واضح دوٹوک الفاظ میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے لمبے عرصے میں اتارا گیا ہے اس لیے ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ایک بڑی سورت ایک ہی بار میں اتار دی گئی۔

اسی طرح آپ اس آیت میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِيۡلًا . الانسان ۲۳

اس میں کچھ شک نہیں ہم ہی ہیں ہم نے اتارا تجھ پر قرآن وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا لمبے عرصے میں۔

ان آیات میں یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی گئی کہ قرآن لمبے عرصے میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے تھوڑا تھوڑا کر کے وقتاً فوقتاً جب جب جتنی جتنی ضرورت تھی اتنا اتنا اتارا گیا یا اتارا جا رہا ہے جس سے یہ بات بالکل جھوٹی، بے بنیاد اور غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ یہودیوں کے تین سوالات کے جواب میں سورت الکہف نازل

ہوئی۔

اب آتے ہیں دوسرے سوال کی طرف، آپ نے جان لیا کہ سورت الکھف ایک ہی بار میں مکمل نازل نہیں ہوئی بلکہ وقتاً فوقتاً ایک لمبے عرصے میں نازل ہوئی لیکن اگر اس کے باوجود ایک لمحے کے لیے یہ بات مان بھی لی جائے کہ یہودیوں کے ان تین سوالات کے جواب میں سورت الکھف نازل ہوئی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورت الکھف پوری کی پوری روح کے موضوع سے خالی ہے سورت الکھف میں روح کے موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں بیان کیا گیا اور ان کے بیان کردہ شان نزول کے مطابق تو یہودیوں کے تین سوالات میں سے ایک سوال روح کے بارے میں تھا دوسرا اصحاب الکھف اور تیسرا ذی القرنین کے بارے میں۔ یہودیوں کے ان سوالات کے جواب میں سورت الکھف نازل کی گئی لیکن حقیقت آپ کے سامنے ہے کہ پوری سورت الکھف روح کے موضوع پر خالی ہے جس سے یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ سورت الکھف کا جو شان نزول گھڑ رکھا ہے وہ بالکل بے بنیاد اور باطل ہے پھر اسی پس منظر میں سورت الکھف میں موجود واقعات کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور پھر جو نظریہ وعقیدہ اخذ کیا جاتا ہے وہ دوسروں پر بھی مسلط کیا جاتا ہے جو کہ بالکل بے بنیاد اور باطل ہے۔

پھر تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہودیوں نے اصحاب الکھف کے بارے میں سوال کیا تو پھر ایسا کیوں ہے کہ یہودیوں کی پوری تاریخ اور مذہبی مواد اصحاب الکھف کے حوالے سے مکمل خاموش ہے؟ آپ کو بنی اسرائیل میں سے یہود کے ہاں ایک لفظ بھی اصحاب الکھف پر نہیں ملے گا اور وہ اصحاب الکھف کے حوالے سے کسی بھی واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ یہ من گھڑت قصہ ہے جو عیسائیوں کا گھڑا ہوا ہے البتہ اصحاب کہف کا ذکر عیسائیوں کے مذہبی مواد میں ملتا ہے اور اسے ایک بڑی تاریخی اور مذہبی اہمیت حاصل ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہودیوں کے نزدیک ایسا کوئی واقعہ پیش ہی نہیں آیا ان کا پورے کا پورا مذہبی مواد اور تاریخ ایسے کسی واقعہ سے خالی ہے تو وہ اس کا سوال کیونکر کریں گے؟

اور پھر دوسری بات یہ کہ اصحاب الکھف کا واقعہ عیسیٰ ابن مریم کے کافی عرصہ بعد میں رونما ہوا، سات نوجوان جو عیسیٰ ابن مریم پر ایمان لائے اس وقت یہودیوں کی حکومت تھی ان سات نوجوانوں پر زمین تنگ کر دی گئی اور انہیں دین کی خاطر ہجرت کرنا پڑی لیکن جب کوئی بھی جائے پناہ نہ پائی تو ربّ سے خالص اپنی طرف سے حفاظت کرنے کی دعا کی اور ربّ نے ان کی حفاظت کی۔ یہ واقعہ یہودیت کی بنیاد اکھاڑ دینے کے لیے کافی تھا اس لیے یہود ایسے کسی واقعہ کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے کیونکہ انہیں علم ہے کہ اگر وہ اسے تسلیم کریں گے تو یہودیت باطل ثابت ہو جائے گی اس لیے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہودی اصحاب الکھف کے بارے میں سوال کریں جب کہ وہ خود اس واقعہ کو تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ یہود کے نزدیک تو ایسا کوئی واقعہ وقوع پذیر ہی نہیں ہوا یہ من گھڑت ہے۔

چوتھا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں کا ان تین میں سے ایک سوال روح کے بارے میں تھا اور اس کے جواب میں سورۃ الکھف نازل ہوئی لیکن آپ جانتے ہیں کہ روح کے بارے میں تو سورۃ الکھف بالکل خاموش ہے اور روح کا ذکر تو سورۃ بنی اسرائیل میں ہے اور سورۃ بنی اسرائیل میں روح کا ذکر آنا ہی اس کا جواب ہے کہ روح کے بارے میں سوال بنی اسرائیل کا تھا اور بنی اسرائیل صرف یہود نہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو بعد میں عیسیٰ ابن مریم پر ایمان لائے اور پھر بعد میں جا کر ضل ہوئے یعنی صراط مستقیم سے ہٹ گئے۔ اور روح عیسائیت میں شروع سے ہی موضوع بحث رہی عیسیٰ ابن مریم کی وجہ سے اور روح کے بارے میں سوال نصاریٰ کی طرف سے تو ہو سکتا تھا لیکن یہود کی طرف سے ہرگز نہیں۔

اب آتے ہیں قصہ شان نزول میں یہودیوں کی طرف منسوب کیے جانے والے تیسرے سوال کی طرف جو ہمارے موضوع سے تعلق رکھتا ہے کہ ذی القرنین کے بارے میں سوال بھی یہودیوں کی طرف سے تھا۔ جس پس منظر کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہودیوں نے سوال کیا اس پس منظر میں ایسا کوئی اثر نہیں ملتا کہ یہودی ایسا کوئی سوال کر سکتے تھے اس لیے کہ یہودیوں کے پورے مذہبی اور تاریخی مواد میں ذی القرنین کے حوالے سے کوئی دور دور تک اشارہ نہیں ہے نہ ہی ایسا کوئی نام یہودیوں کے ہاں کوئی وجود رکھتا تھا یا آج بھی وجود رکھتا ہے لیکن اگر دوسرے پس منظر میں دیکھیں تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ذی القرنین کے بارے میں سوال بھی یہودیوں کی بجائے عیسائیوں نے ہی کیا تھا وہ اس لیے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ذی القرنین سلیمان بن داؤد تھے تو یہودیوں کا سلیمان کے بارے میں عقیدہ ونظریہ ہے کہ وہ ایک تو اللہ کے نبی نہیں تھے اور دوسرا ان کی موت شرک پر ہوئی۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری وقت میں بہت سے اوثان بنا لیے تھے جن کی وہ غلامی کرتے تھے۔ اوثان کہتے ہیں انسان کی خلق کردہ ان ایجادات کو جنہیں انسان سہولتوں کا نام دیتا ہے جیسے آج مشینیں، گاڑیاں، جہاز وغیرہ ہیں، ان کی غلامی انہی کے حصول کے لیے ان کے پیچھے استعمال کیے جانے والے وقت کو کہا جاتا ہے یہود کا نظریہ یہ ہے کہ سلیمان بن داؤد نے اپنی زندگی

کا مقصد و مشن ہی ایسی اشیاء کی تخلیق اور استعمال کو بنالیا تھا لہذا وہ کافر اور مشرک تھے اور اسی حالت میں ان کی موت ہوئی اس کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں انہوں نے بغیر نکاح کے عورتیں رکھی ہوئی تھیں جو سینکڑوں بیویوں کے علاوہ تھیں اس لیے سلیمان یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں ایک متنازعہ شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں اور سلیمان کے کفر و شرک کی گواہی یہودیوں کے صرف کسی عالم وغیرہ کا عقیدہ نہیں بلکہ باقاعدہ ان کی خود ساختہ آسمانی کتابوں کا مجموعہ عہد نامہ قدیم میں درج ہے۔ اور عہد نامہ قدیم کی آسمانی کتابیں جتنی یہودیوں کے لیے مقدس ہیں اتنی ہی عیسائیوں کے لیے بھی یوں نہ صرف یہودی بلکہ عیسائی بھی سلیمان کے بارے میں یہی نظریہ رکھتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں کے ہاں آخری حجت عہد نامہ جدید یعنی انجیل ہے اس لیے وہ پرانے عہد نامے میں تحریف وغیرہ کو ممکن سمجھتے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی بات پرانے عہد نامے میں موجود ہو اور اس کے برعکس کوئی بات کہیں سے معلوم ہو تو کوشش کرتے ہیں کہ آنکھیں بند کر کے پرانے عہد نامے کو تسلیم کرنے کی بجائے تحقیق کی جائے لیکن یہود اس بات کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں کہ عہد نامہ قدیم میں کوئی تبدیلی یا تحریف ہے اور وہ کسی ایسی بات کو تسلیم کریں جو عہد نامہ قدیم کے مخالف ہو یہ یہودیوں کے عقائد کی نفی تصور کیا جاتا ہے پھر یہ سمجھنا کہ یہودی ایسا سوال کریں گے یہ بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے البتہ جب محمد رسول اللہ کو بعث کیا گیا تو قرآن میں سلیمان کے بارے میں نہ صرف یہودیوں کے عقائد و نظریات کی تردید کی گئی بلکہ سلیمان کو اللہ نے اپنا صالح نبی اور صالح حکمران قرار دیا اور دوٹوک الفاظ میں یہ واضح کر دیا کہ سلیمان کافر و مشرک نہیں تھا۔

یوں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ذی القرنین سلیمان تھے تو پھر عیسائیوں کی طرف سے سوال کیا گیا کہ یہود تو اس شخصیت کے بارے میں ایسا عقیدہ و نظریہ رکھتے ہیں اور بائبل عہد نامہ جدید تو اس پر بالکل خاموش ہے اس لیے آپ بتائیں کہ آیا یہود داود کے بیٹے سلیمان کے بارے میں سچے ہیں یا پھر حقیقت کیا ہے۔ اور قرآن میں جب اللہ نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو سلیمان کی جگہ لفظ ذی القرنین استعمال کیا آگے چل کر مزید تفصیل کیساتھ اس پر بات ہوگی۔

قدیم علماء مفسر و مفکر قرآن کے طور پر جانے پہچانے جانے والوں کی اکثریت کے نزدیک قرآن میں مذکور ذی القرنین وہ شخصیت ہے جسے لوگ الیگزنڈر دی گریٹ اور اردو میں سکندر اعظم کہا جاتا ہے لیکن اس نظریے پر تنقید کرنے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد رہی جنہوں نے سکندر اعظم یونانی کے ذوالقرنین ہونے پر بہت سے ایسے اعتراضات اٹھائے کہ اسے ذی القرنین ماننے والے بھی ان سوالات کے جوابات نہ دے سکے اور الٹے عاجز آ گئے۔ مثلاً قرآن میں مذکور ذی القرنین زمین کے مغرب و مشرق تک پہنچا اور سکندر اعظم قرآن کی اس بات پر بالکل بھی پورا نہیں اترتا۔

دوسرا اعتراض کہ قرآن ذی القرنین کو صالح مومن شخصیت قرار دیتا ہے لیکن سکندر اعظم یونانی ایک آتش پرست مشرک اور ظالم شخص تھا۔

پھر تیسرا اعتراض کے ذی القرنین نے یاجوج اور ماجوج کو سد کی تعمیر کے ذریعے روک دیا لیکن سکندر اعظم نے ایسی کوئی سد تعمیر نہیں کی۔ ان کے علاوہ بھی کئی اعتراضات ہیں مگر یہ ایسے اعتراضات ہیں کہ جنہوں نے سکندر اعظم یونانی کے ذی القرنین ہونے کا عقیدہ و نظریہ رکھنے والوں کو لاجواب کر دیا۔ مگر چونکہ کئی صدیوں سے یہ روش چلی آ رہی ہے کہ خود سے غور و فکر نہیں کرنا کوئی نئی بات اخذ نہیں کی جاسکتی سوائے اسی کے جو آباؤ اجداد سے نسل در نسل چلا آ رہا ہے اس لیے آج تک ہر کوئی آنکھیں بند کر کے سکندر اعظم یونانی کو ہی ذی القرنین مانتا ہوا چلا آ رہا ہے اس کے باوجود کہ کوئی اسے ذی القرنین ثابت ہی نہیں کرسکتا۔

دوسری طرف اعتراضات اٹھانے والوں نے بھی محض اعتراضات ہی اٹھائے وہ اس کے برعکس کسی دوسری شخصیت کو سامنے نہ لا سکے جسے وہ ذی القرنین کہہ سکتے یوں ذی القرنین کے حوالے سے سوال مزید الجھ گیا۔ وقت گزرتا گیا اور زمانہ جدید میں سب سے پہلی ایک ایسی شخصیت سامنے آئی جس نے سکندر اعظم کے ذی القرنین ہونے کا رد کرتے ہوئے ایک نئی شخصیت کو ذی القرنین ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ زمانہ جدید کی وہ شخصیت نامور صحافی سیاسی اور معروف مذہبی شخصیت ابوالکلام آزاد تھے جنہوں نے عہد نامہ قدیم میں مذکور ایک ایرانی بادشاہ سائرس کو قرآن میں مذکور ذی القرنین قرار دیا اور بہت سی نامور شخصیات نے نہ صرف ابوالکلام کے نظریے کی تائید و تصدیق کی اسے تسلیم کیا بلکہ اس کا خوب پرچار بھی کیا جن میں غلام احمد پرویز، ابوالاعلیٰ مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد وغیرہ سرفہرست رہے۔

لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ جیسے سکندر اعظم یونانی آتش پرست مشرک تھا بالکل ایسے ہی سائرس دی گریٹ ایرانی بھی نہ صرف آتش پرست مشرک بلکہ بہت بڑا ظالم شخص تھا جس نے بستیوں کی بستیوں کو تہس نہس کیا اور اپنی سلطنت کی وسعت کے لیے آس پاس کی کمزور ریاستوں پر تسلط کے لیے انہیں کچل کر رکھ

دیا جس میں عام عوام کی بہت بڑی تعداد اس ظلم و جبر کا شکار ہوئی اور یہ باتیں باقاعدہ تاریخ میں موجود ہیں یہاں تک کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی مواد پرانے عہد نامے میں بھی بالکل واضح مذکور ہے کہ سائرس ایرانی نے خوب تباہی مچائی اور یہودی اسے اس لیے پسند کرتے ہیں کہ اس نے نہ صرف یہودیوں کے ساتھ نرم رویہ اپنایا بلکہ صدیوں سے دربدر ذلیل ورسوا ہوتے یہودیوں کو واپس اسرائیل میں لا بسایا۔ لیکن ان تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے صرف ذی القرنین پر ایک نیا نظریہ دینے کے لیے سائرس ایرانی مشرک کو اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سکندر اعظم کی طرح ذی القرنین قرار دیا اور اس کے لیے تاریخ کی کتب کو کھنگالا تو دو ہی شخصیات سامنے آئیں ایک سکندر اعظم یونانی اور دوسرا سائرس ایرانی۔ سکندر اعظم یونانی کو تو پہلے ہی ذی القرنین قرار دیا جا چکا تھا تو اس لیے اس کے مقابلے پر پیچھے ایک ہی شخصیت بچی سائرس ایرانی تو ابوالکلام آزاد نے اسے ہی ذی القرنین قرار دیا۔

لیکن حقیقت کیا ہے؟ کیا قدیم علماء، مفسر و مفکر قرآن کہلانے والی شخصیات جنہوں نے سکندر اعظم یونانی کو قرآن میں مذکور ذی القرنین قرار دیا وہ سب کی سب غلط اور ابوالکلام آزاد سچے تھے؟ یا پھر جیسے پہلوں نے سکندر اعظم یونانی کو ذی القرنین قرار دیا بالکل ایسے ہی ابوالکلام آزاد نے بھی اپنے آباواجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سائرس ایرانی کو ذی القرنین قرار دیا۔ جیسے باقی اپنے علماء، مفکر و مفسر کہلوانے والی بڑی بڑی نامور شخصیات کی آنکھیں بند کر کے تائید و تصدیق کرتے رہے اور ہر اعتراض کو نظر انداز کرتے رہے بالکل ایسے ہی ابوالاعلیٰ مودودی، غلام احمد پرویز اور ڈاکٹر اسرار احمد جیسی شخصیات نے بھی کیا کہ جو نظریہ ابوالکلام آزاد نے پیش کیا انہوں نے ٹھان لی کہ ہر حال میں اسی کی تائید و تصدیق اور پرچار ہی کرنا ہے تاکہ جیسے قدیم دور میں ایسے موضوعات پر لب کشائی کرنے والوں کو نمایاں مقام حاصل ہوا بالکل ایسے ہی آج یہ لوگ بھی نمایاں ہو سکتے ہیں۔

حقیقت کیا ہے؟ حقیقت ہر لحاظ سے کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں پھر فیصلہ آپ کے اختیار میں ہوگا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ حق و باطل میں فرق اس قدر واضح ہو جائے گا کہ آپ کو رائی برابر بھی مشکل نہیں رہے گی حق کو پہچاننے میں۔

وہ لوگ جنہوں نے سکندر اعظم یونانی کو ذی القرنین کہا یا مانتے ہیں اور ان کے برعکس وہ لوگ بھی جنہوں نے سائرس ایرانی کو ذی القرنین کہا مانتے ہیں اور مان رہے ہیں دونوں نے ہی قرآن کے برعکس تاریخ کا سہارا لیکر اپنا اپنا نظریہ اخذ کیا۔ یہ بات جان لیں کہ قرآن میں نہ تو سکندر اعظم کا نام آیا اور نہ ہی سائرس ایرانی کا نام آیا ان دونوں شخصیات کو ذی القرنین ثابت کرنے کے لیے قرآن کے علاوہ تاریخی کتب کا سہارا لیا گیا۔ آتے ہیں قرآن کی طرف اور قرآن سے سوال کرتے ہیں کہ کیا ان دونوں میں سے کوئی ذی القرنین تھا؟ اگر نہیں تو پھر ذی القرنین کون تھا؟ کیا قرآن اس پر خاموش ہے؟ کیا قرآن کا مقصد صرف سوال کھڑا کرنا تھا اور اس کا جواب دینا قرآن کا فرض نہیں تھا؟

ذوالقرنین کون ہے کیا قرآن اس پر راہنمائی نہیں کرتا قرآن اس پر خاموش ہے جو ان لوگوں نے قرآن کے برعکس کتابوں سے رجوع کیا؟ کیا قرآن اپنے علاوہ دوسری کتب کی طرف کسی بھی معاملے میں راہنمائی کے لیے جانے کی اجازت دیتا ہے؟ اگر اجازت دیتا ہے تو اس کا مطلب کہ قرآن مکمل راہنمائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا، قرآن بعض معاملات میں بعض سوالات پر عاجز آ سکتا ہے، قرآن کو بھی لاجواب کیا جا سکتا ہے جیسے اس موضوع پر سکندر اعظم و سائرس ایرانی کو ذی القرنین ماننے والوں نے قرآن کو لاجواب کر دیا۔

اگر قرآن مکمل راہنمائی کا دعویدار ہے وہ ہر سوال کا جواب دیتا ہے تو پھر اگر کوئی کسی بھی معاملے میں قرآن کو ترک کر کے اس کے برعکس کسی اور طرف رخ کرتا ہے کسی اور سے رجوع کرتا ہے تو قرآن ایسوں کے حوالے سے کیا کہتا ہے ان سب سوالات کے جوابات بذات خود قرآن سے ہی آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا. الاسراء ۸۹

اور تحقیق کہ یعنی تم اپنی طرف سے پوری تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو جو کہا جا رہا ہے وہی تمہارے سامنے آئے گا کیونکہ یہی قدر میں کیا گیا جس کے خلاف یا برعکس کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہم ہر پہلو سے ہر لحاظ سے پھیر پھیر کر سامنے لے آئے بیان کر دیا لوگوں کے لیے اس قرآن میں تمام کا تمام مثلوں سے، پس انکار کر دیا لوگوں کی اکثریت نے مگر اس لیے کہ جو کچھ بھی انہیں دیا گیا وہ اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہتے جس مقصد کے لیے انہیں دیا گیا وہ اپنی خواہشات کی اتباع کرنا چاہتے ہیں اس لیے لوگوں کی اکثریت نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ اس قرآن میں نہ صرف ہر بات موجود ہے ہر سوال کا جواب موجود ہے بلکہ ایک سے زائد مقامات پر ہر پہلو سے پھیر پھیر کر بات کی گئی مثلوں سے۔

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ اَکۡثَرَ شَیۡءٍ جَدَلاً. الکھف ۵۴

اورتحقیق کہ یعنی تم کوسننے اوردیکھنے کی صلاحیتیں دیں اورجو سنتے اوردیکھتے ہوا سے سمجھنے کی صلاحیتیں دیں اس لیے دیں کہ ان کا اسی مقصد کے لیے استعمال کروکہ اپنی پوری تحقیق کرو، اپنے گھوڑے دوڑا لوجو کہا جارہا ہے وہی تمہارے سامنے آئے گا جو کہ قدر میں کردیا گیا جس کے خلاف یا برعکس کچھ ہوہی نہیں سکتا ہم ہر پہلو سے ہرلحاظ سے پھیر پھیر کر سامنے لے آئے بیان کردیا لوگوں کے لیے اس قرآن میں تمام کا تمام مثلوں سے یعنی اس قرآن میں ماضی میں پیش آنے والے واقعات میں سے صرف ان کا ذکر کیا جو ہو بہو اسی طرح اس قرآن کے نزول سے لیکرالساعت کے قیام تک پیش آنا تھے انسانوں کے ہرسوال کا جواب ہر پہلو سے ہرلحاظ سے پھیر پھیر کر اس قرآن میں بیان کردیا، قرآن کے نزول سے لیکرالساعت کے قیام تک انسانوں کو جب جب جوجو جیسے جیسے راہنمائی درکارتھی سب کا سب اس قرآن میں ہر پہلو سے پھیر پھیر کر تمہارے سامنے لے آئے مثلوں سے اورتھا انسان اکثریت معاملات میں جھگڑا کرنے والا سو جھگڑا ہی کیا یعنی قرآن کی بات تسلیم کرنے کی بجائے اپنی خواہشات واپنے خودساختہ الٰہوں کی باتوں کو قرآن پر ترجیح دے رہے ہیں۔ جب بھی قرآن نے کسی معاملے میں راہنمائی کی تو اپنی بے بنیاد و باطل اور بے ہودہ دلیلوں کو قرآن پر پیش کرتے ہیں اور قرآن کے مدمقابل اوراشیاء کو لا کھڑا کرتے ہیں اپنے ملّاؤں کو اپنے آباؤ اجداد سے جو حاصل ہوا اسے قرآن کے مقابلے پر لا کھڑا کرتے ہیں وہ بات تسلیم ہی نہیں کرتے جو قرآن میں کہی جارہی ہے۔

ان آیات میں آپ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اللہ نے بالکل واضح کردیا کہ اس قرآن میں جو آپ کے سامنے ہے اس میں نہ صرف ہرسوال کا جواب دے دیا بلکہ ہر پہلو سے پھیر پھیر کر لوگوں کے سامنے لے آئے مثلوں سے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس قرآن میں مکمل راہنمائی نہیں ہے بلکہ اس میں ہرسوال کا جواب موجود ہے اور پھر اس میں کوئی ایک بھی بات ایسی نہیں کی گئی کہ جو صرف ایک ہی بار کی گئی اور ایک ہی پہلو سے بلکہ اس قرآن میں ہر معاملے کو ہر اس معاملے کو جو لوگوں کو پیش آنا تھا ہر سوال کو ہر اس سوال کو جو لوگوں کے سامنے کھڑا ہونا تھا اسے ہر پہلو سے پھیر پھیر کر بیان کردیا۔ ایک مقام پر ایک رخ ایک پہلو سے بیان کیا گیا تو اسی معاملے کو اسی سوال کو دوسرے مقام پر دوسرے رخ دوسرے پہلو سے بیان کردیا گیا اسی کو تیسرے مقام پر ایک تیسرے پہلو سے بیان کردیا گیا یوں کسی ایک بھی پہلو سے اسے پوشیدہ نہیں رہنے دیا گیا۔

قرآن میں کوئی ایک بھی معاملہ کوئی ایک بھی بات ایسی نہیں ہے جو صرف کسی ایک ہی مقام پر اور ایک ہی بار بیان کی گئی بلکہ ہر معاملے کو ایک سے زائد مقامات پر ہر پہلو سے پھیر پھیر کر بیان کردیا، کوئی سوال ایسا نہیں جس کا جواب قرآن میں موجود نہ ہو، کوئی معاملہ ایسا نہیں جس کا حل قرآن میں موجود نہ ہو۔ اورقرآن نے یہ بات بھی واضح کردی کہ لوگوں کی اکثریت اس کا انکار کررہی ہے یعنی لوگوں کی اکثریت یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ قرآن میں سب کچھ بیان کردیا گیا، قرآن میں مکمل راہنمائی موجود ہے، قرآن میں ہر معاملے کا ہر مسئلے کا حل موجود ہے، قرآن میں ہرسوال کا جواب موجود ہے، قرآن میں ہر بات کو ہرسوال کو ہرمعاملے و ہر مسئلے کو ایک سے زائد مقامات پر ہر پہلو سے پھیر پھیر کر بیان کردیا گیا۔ لوگوں کی اکثریت یہ ماننے کو تیار ہی نہیں اس کا انکار کررہی ہے اور پھر اللہ نے یہ بھی واضح کردیا کہ لوگوں کی اکثریت ایسا کیوں کررہی ہے؟

الاکفورا یعنی لوگوں کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے خواہ وہ مال ودولت ہو، اولاد ہو یا ذہنی وجسمانی صلاحیتیں ہوں، وہ کہیں یا کسی پر اقتدار واختیار ہو یا کچھ بھی دیا گیا لوگوں کی اکثریت ان کا استعمال اس مقصد کے لیے نہیں کرنا چاہتی جس مقصد کے لیے انہیں یہ سب دیا گیا کیونکہ اگر یہ اس بات کو مان لیں کہ قرآن میں ہر سوال کا جواب موجود ہے ہر معاملے ومسئلے کا حل موجود ہے تو ان کی خواہشات پر ضرب آئے گی اور یہی یہ نہیں چاہتے یہ اپنی خواہشات کی اتباع کرنا چاہتے ہیں اس لیے یہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ قرآن میں سب کچھ پھیر پھیر کر ہر پہلو سے بیان کردیا گیا۔

اسی لیے یہ قرآن کے برعکس اوروں کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں جن سے ان کی خواہشات پر ضرب نہیں آتی۔ مثال کے طور پر آج اکثریت کی زبان سے آپ سنتے ہیں اکثریت کا کہنا ہے کہ قرآن میں سب کچھ بیان نہیں کیا گیا قرآن میں احکامات تو ہیں لیکن ان کی تفاصیل نہیں ہیں، ان کو کیسے کرنا ہے یہ نہیں بتایا گیا مثلاً الصلاۃ کا ترجمہ نماز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن میں الصلاۃ جو کہ نماز ہے اس کا حکم تو ہے لیکن طریقہ قرآن میں نہیں ہے اور پھر یہ جہاں سے طریقہ اخذ کرتے ہیں اس الصلاۃ کے نام پر نماز سے ان کی خواہشات پر کوئی ضرب نہیں پڑتی حالانکہ قرآن پورے کا پورا ایک ہی شئے کی وضاحت کررہا ہے اور وہ ہے الصلاۃ، اگر یہ مان لیا جائے کہ قرآن میں الصلاۃ پر راہنمائی موجود ہے تو دنیا کی زندگی اتنی سخت ہو جائے گی کہ جیسے آپ کو آگ

میں ڈال دیا گیا ہو اور یہی کوئی نہیں چاہتا اس لیے اکثریت اس کا انکار کرتی ہے کہ قرآن میں ہر سوال کا جواب موجود ہے۔

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا. النساء ۸۲

کیا پس نہیں تدبر کر رہے القرآن، اور اگر تھا کسی اور کے ہاں سے اللہ کے علاوہ تو تم کو اس میں کثیر اختلاف مل رہا ہوتا یعنی ایک مقام پر کچھ کہا جا رہا ہے اور دوسرے مقام پر کچھ اور کہا جا رہا ہے یا جو کہا جا رہا ہے وہ اس میں ہے ہی نہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ اللہ کی طرف سے کھلم کھلا اعلان ہے کہ اگر قرآن غیر اللہ کے ہاں سے ہوتا تو تم اس میں کثیر اختلاف پاتے یعنی اگر ہم اس آیت کو صرف پیچھے بیان کی جانے والی دو آیات کے تناظر میں دیکھیں تو ایسا ممکن ہی نہیں کہ اللہ نے قرآن میں جو سوالات اٹھائے ہوں ان کے جوابات بھی قرآن میں نہ دیئے ہوں حتیٰ کہ انسان کے اس دنیا میں موجود رہنے تک پیش آنے والے کسی بھی معاملے کا حل ایسا نہیں ہے کہ قرآن میں نہ ہو۔ کسی بھی قسم کے پیدا ہونے والے سوال کا جواب قرآن میں نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہو تو گویا کہ قرآن میں اختلاف ہے کہ ایک طرف اللہ کا کہنا ہے کہ اس میں سب کچھ ہر طرف سے پھیر پھیر کر بیان کر دیا ہر پہلو سے پھیر پھیر کر لوگوں کے لیے ان کے سامنے لے آئے مثلوں سے اور دوسری طرف اللہ نے ایسے سوالات کے جوابات نہ رکھے جو بڑے بڑے سوالات ہیں جن کے جوابات جاننا بہت ضروری ہیں۔ قرآن خود ہی سوال کھڑا کرے اور اس کا جواب ہی نہیں دے رہا ایسی صورت میں تو یہ پھر اللہ کے ہاں سے نہ ہوا بلکہ غیر اللہ کے ہاں سے ہوا اور یہ بالکل ناممکن ہے۔

اب غور کریں اللہ کا کہنا ہے کہ ہر سوال کا جواب قرآن میں ہر پہلو سے پھیر پھیر کر مختلف مقامات پر بیان کر دیا مثلوں سے اور اگر کوئی سوال کھڑا ہوا اور آپ یہ کہیں کہ اس کا جواب قرآن میں نہیں تو پھر اس کا مطلب کیا ہے؟ ایک ہی صورت ہے یا تو قرآن جھوٹا اور آپ سچے یا پھر قرآن جھوٹا نہیں قرآن تو سچا ہے مگر آپ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں آپ قرآن پر الزام لگا رہے ہیں آپ قرآن پر افتراء کر رہے ہیں۔ اور ذرا غور کریں اگر کوئی سوال پیدا ہوتا ہے تو آپ اس سوال کا جواب قرآن سے حاصل کرنے کی بجائے قرآن کے برعکس کسی اور کی طرف رجوع کرتے ہیں تو آپ کا عمل کس بات کا اعلان کر رہا ہے؟ کیا آپ اپنے عمل سے یہ اعلان نہیں کر رہے کہ قرآن کے پاس آپ کے سوال کا جواب موجود نہیں ہے۔ کیا آپ اپنے عمل سے یہ اعلان نہیں کر رہے کہ قرآن میں اختلاف موجود ہے ایک طرف قرآن ہر سوال کا جواب دینے کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسری طرف آپ کے سوال کا جواب قرآن کے پاس ہے ہی نہیں اسی لیے تو آپ نے قرآن کے برعکس کسی اور سے رجوع کیا اپنے سوال کے جواب کے لیے۔

اب ذرا غور کریں جن جن لوگوں نے سکندر اعظم یونانی یا سائرس ایرانی کو ذی القرنین کہا یا ثابت کرنے کی کوشش کی اور جو جو بھی ان میں سے کسی ایک بھی شخصیت کو ذی القرنین مان رہے ہیں کیا ان کو ان کے سوال ذی القرنین کون ہے کا جواب قرآن نے دیا؟ کیا انہوں نے اپنے اس سوال کا جواب قرآن سے حاصل کیا؟

اگر یہ جواب قرآن سے ہے تو غلط ہو ہی نہیں سکتا اور اگر قرآن سے نہیں تو نہ صرف ان کو جواب غلط ملا بلکہ انہوں نے قرآن پر افتراء کیا۔ ان لوگوں نے قرآن پر بہتان باندھا ان لوگوں نے اپنے عمل سے اس بات کا اعلان کیا، دعویٰ کیا کہ قرآن میں ہر سوال کا جواب نہیں ہے قرآن میں مکمل راہنمائی موجود نہیں ہے، قرآن اپنے دعوے میں جھوٹا ہے، اللہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے اللہ ایک طرف تو کہتا ہے کہ ہم نے اس قرآن میں ہر سوال کا جواب پھیر پھیر کر ہر پہلو سے بیان کر دیا مثلوں سے جواب سامنے لے آئے اور دوسری طرف ہمارے اس سوال کا جواب قرآن میں ہے ہی نہیں۔

خواہ وہ کوئی بھی شخصیت ہو پوری کی پوری دنیا ہی کیوں نہ اس کی تعریفوں کے پل باندھے لیکن اس کے حق ہونے کا معیار یہ نہیں ہے بلکہ حق ہونے کا معیار وہ ہے جو اللہ نے طے کر دیا اس ذات نے جس نے وجود دیا۔ قرآن میں اور بھی درجنوں ایسی آیات ہیں جن میں انہی باتوں کو مزید مختلف پہلوؤں سے پھیر پھیر کر بیان کیا گیا اور لوگوں کے ردعمل کو بھی بالکل کھول کھول کر بیان کر دیا گیا جنہیں آپ ان آیات میں جان چکے ہیں۔

قرآن نے بالکل واضح اور دوٹوک الفاظ میں سکندر اعظم یونانی اور سائرس ایرانی کے ذی القرنین ہونے کی نفی کر دی اور جن لوگوں نے ان شخصیات کو ذی القرنین بنایا ہوا تھا ان کی حقیقت بھی آج اللہ نے چاک کر کے رکھ دی۔

جن لوگوں نے سکندر اعظیم یونانی یا پھر سائرس ایرانی کو ذی القرنین کہا یا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی یا تسلیم کیا ان لوگوں نے اپنی زبان سے اس بات کا اقرار

کیا کہ قرآن میں ذی القرنین کا ذکر تو آیا ہے لیکن قرآن اس سوال کا جواب نہیں دیتا کہ ذی القرنین کون تھا اس لیے ہمیں اس سوال کے جواب کے لیے قرآن کے علاوہ دوسری تاریخی کتب کا سہارا لینا پڑا غیر قرآن سے راہنمائی لینا پڑی۔ آپ جان چکے ہیں کہ یہ لوگ اپنے دعوے میں بالکل بے بنیاد اور جھوٹے ہیں یہ ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں ان کے سوال کا جواب نہیں اللہ نے یا قرآن نے ہرگز ایسا نہیں کہا بلکہ اللہ نے تو اس قرآن میں ان کے بالکل برعکس بات کی یہ دعویٰ کیا کہ اس قرآن میں سب کا سب ہر پہلو سے پھیر پھیر کر تمہارے سامنے لے آئے مثلوں سے اور اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ قرآن میں کسی سوال کا جواب موجود نہیں تو اس میں قرآن کا قصور نہیں ہے بلکہ قصور اس کا ہے جو ایسا کہہ رہا ہے جسے قرآن میں اس کے سوال کا جواب نہیں مل رہا، وہ اللہ کے قانون میں اندھا ہو چکا ہے اسے اپنے اندھے پن کے علاج کی ضرورت ہے نہ کہ اللہ اور اس کے قرآن الحکیم پر بہتان کی ضرورت۔

ان لوگوں نے کہا کہ قرآن میں اس سوال کا جواب موجود نہیں اس لیے ہم نے قرآن کے علاوہ دوسری تاریخ کی کتابوں سے راہنمائی لی اور ہمیں قرآن کے برعکس ان تاریخی کتابوں نے ہمارے سوال کا جواب دیا تو ان کے اس قول کا قرآن میں اللہ نے کس طرح رد کر دیا اسے بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ. الزمر ۲۳

اللہ نے اتاری احسن الحدیثِ، حدیث کہتے ہیں تاریخ کو، انسان کا معاملہ یہ ہے کہ جب بھی وہ کوئی ایسا کام کرتا ہے یا اسے ایسا معاملہ پیش آتا ہے جس سے اس کا پہلی بار واسطہ پڑتا ہے تو وہ راہنمائی کے لیے کسی ایسے کو تلاش کرتا ہے جس کا اس سے پہلے اسی کام سے واسطہ پڑ چکا ہوتا ہے تا کہ اس کی تاریخ سے استفادہ حاصل کیا جا سکے یوں نہ صرف بہتر طریقے سے اس مسئلے یا معاملے سے نپٹا جا سکے گا بلکہ ہر ممکن حد تک نقصان سے بچا جا سکتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے آپ اپنی زندگی میں پہلی بار کوئی قیمتی شئے خریدتے ہیں جس کے بارے میں پہلے سے آپ کے پاس کوئی علم نہیں ہوتا تو آپ کسی ایسے شخص سے راہنمائی لیتے ہیں جو آپ سے پہلے اس شئے کو خرید کر استعمال کر چکا ہوتا ہے اگر کوئی ایسا شخص نہ ملے تو آپ کسی ایسے شخص کی تاریخ سے راہنمائی لیتے ہیں تا کہ کسی بھی قسم کی غلطی یا نقصان سے بچا جا سکے۔ یہی معاملہ دنیا میں آباد مجموعی طور پر انسانوں کا ہے جب بھی انہیں کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو راہنمائی کے لیے تاریخ سے رجوع کرنا ناگزیر ہوتا ہے اس لیے یہ تاریخ سے رجوع کرتے ہیں اور اسی مقصد کے لیے اللہ نے احسن الحدیثِ اس قرآن کی صورت میں اتاری یعنی یہ قرآن ایسی تاریخ ہے جس سے حسن کوئی تاریخ نہیں ہے یہ قرآن احسن تاریخ ہے۔

بالکل ایسی ہی ایک اور آیت آپ کو قرآن میں ملے گی اَللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِيۡنَ. المومنون ۱۴

خالقین جمع کا صیغہ ہے ایک سے زائد خلق کرنے والے ان میں اللہ احسن خالق ہے تو جو احسن ہو جس سے حسن کوئی نہ ہو اسے اخذ کیا جائے گا یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ خلق کرنے والوں میں احسن خالق ہے اس بات کا محض زبان سے اقرار کرنا ہے اور اللہ کے علاوہ اوروں کو بھی خالق بنایا جا سکتا ہے یا اللہ احسن خالق ہے تو اس لیے اللہ کو اوپر رکھا جائے گا اور باقی خالقین کو نیچے رکھا جائے گا انہیں ترک نہیں کیا جائے گا نہیں بلکہ اللہ احسن خالقین کا مطلب ہے کہ اللہ سے حسن خالق کوئی نہیں ہے تو جو احسن خالق ہے اسے اخذ کیا جائے گا اس کے علاوہ باقی سب کی نفی کی جائے گی باقی سب کا رد کر دیا جائے گا باقی سب کو کوڑے دان میں پھینک دیا جائے گا بالکل ایسے ہی اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ جو حدیث یعنی تاریخ اللہ نے اتاری ہے وہ احسن ہے اس سے حسن کوئی حدیث یعنی تاریخ نہیں اس لیے جو احسن ہے اسے اخذ کیا جائے گا باقی سب کا رد کر دیا جائے گا۔ جب اللہ کسی بھی مسئلے یا معاملے کی راہنمائی کے لیے قرآن کو احسن الحدیثِ قرار دے رہا ہے تو اگر کوئی احسن تاریخ کو چھوڑ کر جو احسن نہیں ان سے راہنمائی لیتا ہے تو کیا وہ تاریخ کی کتابیں اس کی حاجت کو پورا کر سکتی ہیں؟ نہیں بالکل نہیں۔ جن کی اپنی کوئی بنیاد نہیں جو خود خامیوں وخرابیوں سے بھرپور ہوں وہ کسی دوسرے کو نفع کیسے دے سکتی ہیں؟

جو احسن تاریخ ہے ہی نہیں کیا وہ اس کے سوال کا احسن جواب دے سکتی ہیں؟ نہیں بالکل نہیں۔ اب جب کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی احسن تاریخ ہے ہی نہیں تو پھر اس قرآن کے علاوہ کسی کتاب سے راہنمائی نہیں لی جا سکتی اس قرآن کے علاوہ تاریخ کی ہر کتاب کو کوڑے دان میں پھینک دیا جائے گا ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے گا اگر کوئی اس قرآن کو چھوڑ کر کسی دوسری کتاب سے راہنمائی کے لیے رجوع کرتا ہے تو سوائے دھوکے کے اس کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ اب آپ خود غور کریں جب اللہ اس قرآن کو احسن تاریخ قرار دے رہا ہے اور اس قرآن کے علاوہ کسی بھی تاریخ سے راہنمائی کی اجازت نہیں دے رہا بلکہ الٹا سختی کیساتھ روک رہا ہے تو اس کے باوجود بھی جو ایسا کرتے ہیں تو اللہ کے نزدیک ایسے لوگوں کی حقیقت کیا ہوگی؟ جو ایسا کریں گے ان کے ہاتھ کیا آئے گا؟

ان کے ہاتھ سوائے باطل کے کچھ نہیں آئے گا اور جن لوگوں نے سکندر اعظم یا سائرس ایرانی کو ذی القرنین قرار دیا وہ لوگ تو خود اقرار کر رہے ہیں کہ ذی القرنین کے بارے میں جاننے کے لیے انہوں نے احسن تاریخ قرآن کے برعکس دوسری تاریخ سے رجوع کیا جس نے انہیں ان کے سوال کا جواب دیا۔ تو جب یہ جواب احسن تاریخ کا ہے ہی نہیں تو پھر جواب بھی احسن کیسے ہوسکتا ہے؟ بالکل نہیں ہوسکتا۔ غیر قرآن کا جواب بالکل بے بنیاد، باطل اور محض دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

اور اس سے بڑھ کر تو یہ کہ جب آپ قرآن کو چھوڑ کر کسی دوسری تاریخ سے راہنمائی کے لیے رجوع کرتے ہیں تو آپ اپنے عمل سے اس قرآن کے احسن الحدیثِ ہونے کا کفر کرتے ہیں ظاہر ہے راہنمائی اسی سے لی جائے گی جو احسن ہے اور جب آپ نے قرآن کے برعکس کسی دوسری تاریخ سے راہنمائی لی تو آپ نے اپنے عمل سے یہ دعویٰ کیا کہ آپ غیر قرآن کو احسن الحدیثِ تسلیم کر رہے ہیں اور قرآن کے احسن الحدیثِ ہونے کا انکار کر رہے ہیں۔

اب آتے ہیں اس طرف کہ اگر قرآن میں ہر سوال کا جواب موجود ہے تو پھر اس سوال کا جواب بھی ضرور ہونا چاہیے کہ ذی القرنین کون ہے۔ اللہ نے قرآن میں اس سوال کا جواب ایک نہیں بلکہ کئی مقامات پر بہت ہی صراحت کیساتھ واضح کر دیا اور ابھی جب حق آپ کے سامنے آئے گا تو آپ کو ان لوگوں کی عقل و ذہانت اور ان کے علم پر حیرانی ہوگی جو دین کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے اور آج بھی بنے ہوئے ہیں اس کے باوجود وہ اندھے کے اندھے ہیں کہ قرآن میں ایک نہیں دو نہیں بلکہ کئی مقامات پر ذی القرنین کی حقیقت کھول کھول کر بیان کی باقائدہ اس کا کئی مقامات پر نام بھی ذکر کر دیا گیا اس کے باوجود یہ لوگ اندھے رہے ان کو نظر ہی نہ آیا۔

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْکُمْ مِّنْہُ ذِکْرًا. الکھف ۸۳

وَیَسْئَلُوْنَکَ یہ جملہ ہے جو کہ پانچ الفاظ کا مجموعہ ہے ”و، ی، سئلو، ن، ک“۔ ”وَ“ کے معنی اور آگے ”یٰ“ کا استعمال ہوا جو خودی کا اظہار کرتا ہے یعنی کہ آگے جس کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ ہو رہا ہے۔ اگلا لفظ ہے ”سئلو“ جو کہ ”سئل“ سے ہے سئل کہتے ہیں حاجت روائی کے لیے کسی کی طرف لپکنا اور اس کے ساتھ ”وَ“ کا استعمال اسے حال کا صیغہ بنا دیتا ہے کہ ایسا ہو رہا ہے یعنی کوئی حاجت ہے اس حاجت روائی کے لیے کسی کی طرف لپکا جا رہا ہے۔ اگلا لفظ ہے ”ن“ جس کے معنی ہیں ہم یعنی اللہ خود کا ذکر کر رہا ہے اور اگلا لفظ ہے ”ک“ جس کے معنی ہیں تُو یعنی جس سے اللہ مخاطب ہے اللہ کا رسول یعنی اللہ کا بعث کیا ہوا اللہ کا نمائندہ جسے اللہ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے کھڑا کیا۔

اب آتے ہیں اس پورے جملے کی طرف کے کیا کہا جا رہا ہے وَیَسْئَلُوْنَکَ اور یہ جو حاجت روائی کے لیے لپکا جا رہا ہے وہ ہماری طرف لپکا جا رہا ہے ہماری طرف سے تُو ہے تو ان کی حاجت روائی کر یعنی ان کے سوال کا جواب دے۔

ذرا غور کریں اگر کسی کے پاس علم ہی نہیں تو کیا آپ اس کے پاس اپنا سوال لیکر جائیں گے؟ جو آپ کی حاجت روائی ہی نہیں کر سکتا اور آپ کو علم ہو تو کیا پھر بھی آپ اس کی طرف لپکیں گے اپنی حاجت روائی کے لیے؟ نہیں بالکل نہیں۔ آپ اسی کی طرف لپکیں گے جس کے بارے میں آپ کا گمان ہوگا کہ یہ آپ کی حاجت روائی کر سکتا ہے یہ آپ کے سوال کا جواب دے سکتا ہے۔

اب ذرا غور کریں کہ پہلی بات قرآن اللہ کا کلام ہے یعنی اس قرآن میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کی اول تا آخر تمام انسانوں سے کی ہوئی گفتگو ہے جسے آیات کی صورت میں بطور تاریخ درج کر دیا گیا۔ آیات آیت کی جمع ہے اور آیت کہتے ہیں پوری شئے کا چھپے ہوئے ہونا اور اس کا ایک چھوٹا سا پہلو سامنے ہونا جو تھوڑا سا حصہ سامنے ہوتا ہے اسے آیت کہا جاتا ہے جب آیت میں غور کیا جائے تو کیا چھپایا گیا تھا وہ سامنے آ جائے گا یعنی آیت بیّن ہو جائے گی۔

اب ذرا غور کریں قرآن میں کس کی آیات ہیں؟ کس نے آیات اتاریں؟ کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور ایسا ہے جس کی یہ آیات ہوں؟ نہیں۔ قرآن میں اللہ کی آیات ہیں اللہ نے یہ سب آیات اتاری ہیں۔ جب یہ اللہ کی آیات ہیں تو پھر اللہ کے علاوہ کس کو علم ہوسکتا ہے کہ اللہ نے ان آیات کے پیچھے کیا چھپایا ہے؟ جو نظر آ رہا ہے اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اللہ کے علاوہ کون ہے جو ان آیات کو بیّن کر سکتا ہے یعنی ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر سکتا ہے؟ جب یہ اللہ کی آیات ہیں تو اللہ کے علاوہ کوئی بھی یہ جواب نہیں دے سکتا کہ ان آیات کے پیچھے کیا چھپا یا ہے ان آیات کی اصل حقیقت کیا ہے۔

اوراسی وجہ سے اللہ نے اس آیت کے شروع میں ہی کہا کہ یہ جوسوال کیا جا رہا ہے یہ سوال ہم سے ہے یعنی اللہ سے ہے اس لیے صرف اور صرف ہم ہی اس کا جواب دے سکتے ہیں اور ہم کون ہیں یا ہم کیسے جواب دیتے ہیں اسی کا اللہ نے آگے جواب دے دیا کہ تُو ہماری طرف سے ان کے اس سوال کا جواب دے یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم تیری صورت میں ان کے اس سوال کا جواب دیتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر سوال کیا ہے؟ تو آیت کے اگلے حصے میں یہ بھی بالکل کھول کر واضح کر دیا کہ سوال کیا ہے۔

عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ قرنین یعنی دوقرن اور ذی القرنین کے معنی ہیں وہ شخص جسے دو مخصوص قرن حاصل تھے۔ یعنی جو سوال کیا جا رہا ہے جس کے جواب کے لیے کسی کی طرف لپکا جا رہا ہے وہ سوال دوقرن والے کے بارے میں ہے کہ یہ کون ہے جسے دو مخصوص قرن حاصل ہوئے؟

اب ذرا غور کریں کہ کیا ایسا سوال کیا جا رہا ہے؟ جب غور کریں گے تو آپ پر یہ بات بالکل واضح ہے کہ بالکل گزشتہ کئی صدیوں سے لیکر آج تک انسانوں کی اکثریت کا یہ سوال ہے کہ ذی القرنین کون ہے اور اپنی اس حاجت روائی کے لیے اس سوال کے جواب کے لیے ان لوگوں کی طرف لپک رہے ہیں جو انسانوں کی راہنمائی کے دعویدار ہیں۔

اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ انسان کو دنیا میں کیوں لایا گیا اس کے دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور وہ مقصد کیسے پورا ہوگا اس لیے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا راہنمائی بھی نہیں کر سکتا اور اللہ کیسے راہنمائی کرتا ہے یہ بھی اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر بالکل واضح کر دیا کہ تم انسان چونکہ بشر ہو تو تمہی میں سے کسی بشر کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اللہ اس بشر کے ذریعے انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے انسانوں کے سوالات کے جوابات دیتا ہے۔ اوراسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے انسان بھی انسانوں کی راہنمائی کے دعویدار بن جاتے ہیں جو طرح طرح کے القابات سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں یعنی وہ زمین پر انسانوں کے درمیان خود کو اللہ کے نمائندے ظاہر کرتے ہیں خواہ اس بات کا اقرار و اظہار کریں یا نہ کریں ان کا عمل ان کی حقیقت کو واضح کر رہا ہوتا ہے جو وہ عملاً انسانیت کی راہنمائی کے دعویدار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اصل کا رستہ روکنے کے لیے ایسے ایسے اصول وقوانین گھڑ کر پھیلا رکھے ہوتے ہیں کہ وہ خود عملی طور پر اللہ کی نمائندگی کے دعویدار تو بنے ہوتے ہیں لیکن زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے کیونکہ اگر زبان سے اس بات کا اقرار کریں گے تو اپنے ہی فتوؤں کی زد میں آ جائیں گے اور انسان ان کی پھیلائی ہوئی جہالت کی وجہ سے ان پر ٹوٹ پڑیں گے اور یہی وہ نہیں چاہتے کہ ان کا پردہ چاک ہو ان کی حقیقت کیا ہے انسانوں کے سامنے آئے۔ یوں وہ زبان سے تو اس بات کا اقرار نہیں کرتے کہ وہ اللہ کے نمائندے ہیں اللہ کی طرف سے انسانوں کی راہنمائی پر معمور ہیں جسے عربوں کی زبان میں نبی کہا جاتا ہے مگر عملاً اللہ کے نمائندے ہونے کے دعویدار ہوتے ہیں عملاً نبی بنے ہوئے ہوتے ہیں اور جس معاملے میں انسانوں کی راہنمائی اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تو انسان ان لوگوں کو اللہ کا نمائندہ سمجھتے ہوئے اپنے سوال کے جواب کے لیے اپنی حاجت روائی کے لیے ان کی طرف لپکتے ہیں۔

اور یہی اللہ نے اس آیت کے شروع میں کہا کہ یہ جو سوال کے جواب کے لیے اپنی حاجت روائی کے لیے لپکا جا رہا ہے یہ ہماری طرف لپکا جا رہا ہے انسانوں کا سوال ہم سے ہے وہ ان علماء، حضرت، شیخ، علامہ، مفتی وغیرہ سمیت طرح طرح کے القابات سے معروف طبقے کی طرف اس لیے لپکتے ہیں کیونکہ انسان انہیں اللہ کا نمائندہ سمجھتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے نمائندے نہیں ہیں اس لیے یہ انسانوں کے سوال کا جواب کیسے دے سکتے ہیں؟ انسانوں کا سوال ہم سے ہے اور ہماری طرف سے تُو ہمارا نمائندہ ہے ہم تیری صورت میں ان کے سوال کا جواب دیں گے اور وہ سوال ہے دوقرن والے کے بارے میں۔

آپ خود غور کریں اگر یہ لوگ واقعتاً سچے ہوتے یہ اللہ کے نمائندے ہوتے تو کیا صدیوں سے چلا آ رہا یہ سوال آج تک سوال ہی رہتا؟ اگر یہ سچے ہوتے یہ اللہ کے نمائندے ہوتے تو یہ سوال سوال نہ رہتا۔ جو جواب اس سوال کا دیا جاتا دنیا کی کوئی طاقت چاہ کر بھی اس پر اعتراض نہ اٹھا سکتی اس کا رد نہ کر سکتی مگر حقیقت آپ جانتے ہیں یہ لوگ اس سوال کا جو جواب دیتے ہیں خود ہی اس پر اعتراضات بھی اٹھاتے ہیں اور اعتراضات بھی ایسے کہ پھر خود ہی لاجواب بھی ہو جاتے ہیں ان کا جواب بالکل واضح غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ اس سوال کا جواب ہے کہ ذی القرنین سکندر اعظم یونانی تھا اور دوسرا گروہ اس پر ایسے اعتراضات اٹھاتا ہے کہ سکندر اعظم یونانی کو ذی القرنین کہنے والے لاجواب ہو جاتے ہیں اور خود اس بات کو تسلیم کرتے نظر آتے ہیں کہ ہاں ان اعتراضات کی روشنی میں سکندر اعظم یونانی ذی القرنین قطعاً نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک طبقہ ایک نئی شخصیت کو ذی القرنین قرار دیتا ہے کہ سائرس ایرانی ذی القرنین تھا اور پھر اس پر بھی اٹھائے جانے والے اعتراضات

سائرس ایرانی کو ذی القرنین تسلیم کرنے یا یہ نظریہ دینے والوں کو لاجواب کر دیتے ہیں یوں آج تک یہ سوال، سوال ہی بنا رہا۔

آپ خود غور کریں اگر یہ سب لوگ اللہ کے نمائندے ہوتے یہ سچے ہوتے تو اس معاملے میں یہ سب کے سب کیسے جھوٹے ثابت ہو گئے؟

جس جس کو انہوں نے ذی القرنین ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کی اسی میں ناکام و نامراد ثابت ہوئے جھوٹے، بے بنیاد اور غلط ثابت ہوئے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے نمائندے کیسے ہو سکتے ہیں؟

یہ سوال ان لوگوں سے تو تھا ہی نہیں کیونکہ یہ سوال تو اللہ سے ہے اللہ کے علاوہ کوئی انسان کی راہنمائی نہیں کر سکتا اس لیے جب یہ سوال ان لوگوں سے تھا ہی نہیں تو پھر یہ لوگ اس سوال کا جواب کیسے دے سکتے تھے کیونکہ یہ سوال اللہ سے ہے اور اس کا جواب سوائے اللہ کے کسی کے پاس نہیں۔ جب یہ سوال اللہ سے ہے تو پھر ظاہر ہے اس سوال کے جواب کا اصل حقدار اللہ ہے اگر اللہ کے علاوہ کوئی اس کا جواب دینے کا دعویدار بنتا ہے تو لامحالہ وہ مشرک اعظم تو ہو سکتا ہے اپنی خواہشات کی اتباع کرنے والا اپنی خواہشات کو الٰہ بنائے ہوئے تو ہو سکتا ہے مگر اللہ کا غلام نہیں ہو سکتا وہ اللہ کا نمائندہ نہیں ہو سکتا ہرگز مومن نہیں ہو سکتا۔

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْکُمْ مِّنْہُ ذِکْرًا. الکھف ۸۳

اس آیت کے شروع میں اللہ کا کہنا ہے کہ یہ جو سوال کیا جا رہا ہے انسان اپنی اس حاجت روائی کے لیے اللہ کے نمائندے ہونے کے دعویداروں کی طرف لپک رہے ہیں یہ سوال ان جھوٹے مکار اور اللہ کے شریکوں سے نہیں ہے بلکہ یہ سوال اللہ سے ہے اور اللہ تیری صورت میں ان کے اس سوال کا جواب دے گا، اے میرے رسول ہم تیری صورت میں ان کے سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال ہے ذی القرنین یعنی دو مخصوص قرن والے کے بارے میں کہ وہ کون ہے جسے دو مخصوص قرن حاصل ہوئے؟

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْکُمْ مِّنْہُ ذِکْرًا. الکھف ۸۳

کہو نہیں ابھی تلاوہ کر رہا ہوں یعنی پوری ترتیب کیساتھ کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں تم پر اس سے یاددہانی یعنی جو تمہیں بھلا دیا گیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے لفظ ذی القرنین کے بارے میں جان لینا بہت ضروری ہے اور پھر لفظ ذی القرنین کی جو بھی وضاحت کی جائے دیکھنا یہ ہے کہ کیا قرآن اس کی تصدیق بھی کرتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ قرآن العزیز الحکیم ہے قرآن میں ترتیب ایسی ہے کہ اگر کسی لفظ کا ذکر کیا جا رہا ہے تو ساتھ ہی آگے اس کی وضاحت بھی قرآن خود ہی کر رہا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر اس آیت میں لفظ ذی القرنین استعمال کیا گیا تو ساتھ ہی آگے اگلی آیات میں اس کی وضاحت بھی قرآن نے کر دی۔ جو اس بات کو بالکل کھول کر واضح کر دے گی کہ آیا آپ نے ذی القرنین کا معنی وہی سمجھا جو قرآن بیان کر رہا ہے یا پھر کہیں ایسا تو نہیں قرآن کچھ اور بیان کر رہا ہے اور آپ قرآن کے برعکس اپنی ہی کوئی کہانی گھڑ رہے ہیں اپنے خود ساختہ معنی پہنا رہے ہیں۔

تو آگے بڑھنے سے پہلے لفظ ذی القرنین کو واضح کر دیتے ہیں اور پھر آگے یہ بھی دیکھیں گے کہ کیا قرآن ان معنوں کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں۔

ذی القرنین جملہ ہے جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے ''ذی، ال، قرنین''۔ ''ذی'' کے معنی ہے حاصل شدہ یعنی جو آپ کو یا کسی کو حاصل ہو چکا یعنی جو مذکور کو حاصل ہو چکا ہو جو اس کے پاس ہو۔ اگلا لفظ ہے ''ال'' کسی بھی لفظ کے شروع میں ''ال'' کا استعمال اسے مخصوص بنا دیتا ہے یعنی کسی عام شئے کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ کسی خاص شئے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اگلا لفظ ہے ''قرنین'' ویسے تو صرف اور صرف واحد اور جمع کا صیغہ ہوتا ہے لیکن عربی میں ایسا نہیں ہے اللہ نے ہر شئے سے اس کا جوڑا خلق کیا تو عربی میں جوڑے کا صیغہ بھی پایا جاتا ہے جسے تثنیہ کہا جاتا ہے یعنی واحد تثنیہ اور جمع۔ عربی میں تین صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ قرنین تثنیہ کا صیغہ ہے یعنی جوڑے کا صیغہ اس کا واحد ''قرن'' ہے۔ ایک بات بہت عام کر دی گئی کہ قرن کے معنی سینگ کے ہیں لیکن یہ حقیقت نہیں ہے قرن عربی میں کہتے ہیں ایک شئے کے بیک وقت دو ظہور ہونا۔ یہ خصوصیت عموماً سینگ میں پائی جاتی ہے کہ سینگ کا بیک وقت دو مقامات پر ظہور ہوتا ہے اس وجہ سے سینگ کو بھی قرن کہا جاتا ہے لیکن اس آیت میں نہ صرف دو قرن کا ذکر کیا جا رہا ہے بلکہ شروع میں ال کا استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ یہاں کسی عام دو قرن کا ذکر نہیں ہے بلکہ خاص دو قرن کا ذکر کیا جا رہا یہ کوئی مخصوص دو قرن ہیں۔

اور یہ بات بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ سورج کے مقام طلوع یا مقام غروب کو عربی میں قرن کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے قرن کہا جاتا ہے کیونکہ سورج جہاں آپ کو غروب ہوتا نظر آ رہا ہوتا ہے وہیں سے وہ ایک دوسری قوم پر طلوع ہوتا ہوا بھی نظر آ رہا ہوتا یعنی سورج کے بیک وقت دو ظہور ہوتے ہیں اس وجہ سے سورج

کے مقام طلوع یا مقام غروب کو قرن کہا جاتا ہے۔

اب ذرا غور کریں جہاں آپ کو سورج غروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے وہیں سے زمین کے دوسری طرف کے لوگوں کو ان پر طلوع ہوتا ہوا نظر آ رہا ہوتا ہے یوں یہ ایک ہی مقام پر بیک وقت سورج کے دو ظہور ہوتے ہیں یہ ایک قرن ہو گیا اور جہاں آپ کو طلوع ہوتا ہوا نظر آ رہا ہوتا ہے تو وہیں سے ایک دوسری قوم یعنی اور لوگوں کو غروب ہوتا ہوا نظر آ رہا ہوتا ہے یوں ایک یہ مقام جہاں سورج کے بیک وقت دو ظہور ہوتے ہیں ایک قرن یہ بن گیا۔ ان دونوں کو عربی میں قرنین کہا جائے گا اور یہ عام قرنین نہیں ہیں بلکہ یہ خاص قرنین ہیں اس لیے انہیں القرنین کہا جائے گا۔

اب آئیں لفظ ذی القرنین کی طرف۔ ذی القرنین کسی شخصیت کا نہ تو لقب ہے اور نہ ہی کنیت بلکہ یہ اسم ہے اور اسم کہتے ہیں صلاحیتوں، خصوصیات وصفات کو جو کسی میں موجود ہوتی ہیں اردو میں اسم کا ترجمہ نام کیا جاتا ہے یا عربوں کی اکثریت میں اسم سے مراد نام لیتی ہے جو کہ بالکل غلط العام ہے۔

قرآن میں اس مقام پر جس شخصیت کو ذی القرنین کہا جا رہا ہے اسے لوگ ذی القرنین لفظ سے نہیں جانتے پہچانتے تھے بلکہ وہ شخصیت دنیا میں کسی اور لقب یا کنیت یعنی نام سے جانی پہچانی جاتی تھی ذی القرنین لفظ صرف اور صرف اللہ نے قرآن میں استعمال کیا اور یہ آیت ہے بیّن نہیں ہے یعنی اس لفظ کا استعمال اس لیے کیا گیا کیونکہ یہ لفظ اپنے اندر بہت سی تفصیلات سموئے ہوئے ہیں ان تفصیلات کو اگر کم سے کم وقت اور کم سے کم الفاظ یا چھوٹے سے چھوٹے لفظ یا جملے میں بیان کیا جا سکتا تھا تو وہ صرف اور صرف یہی ایک جملہ تھا، اللہ الحکیم ہے اس لیے اس جملے کا استعمال اللہ کی حکمت ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اور ذی القرنین خالص عربوں کی زبان عربی کا جملہ ہے جسے اسی وجہ سے اللہ نے قرآن میں استعمال کیا کہ کوئی ایسی شخصیت جسے یہ دو مخصوص قرن حاصل ہوئے اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ایسی شخصیت جسے زمین کے مغرب و مشرق تک حاصل ہوئے یعنی اگر آپ یہ کہیں کہ فلاں کی حکومت مغرب تک ہے جہاں تم سورج غرب ہوتا ہوا دیکھتے ہو وہاں تک ہے تو آپ چلتے جائیں اس مقام پر پہنچنے کے لیے تو آپ اس مقام تک نہیں پہنچ پائیں گے کہ خشکی ختم ہو جائے گی اور سورج آپ کو اتنا ہی آگے غروب ہوتا ہوا نظر آئے گا بالکل اسی طرح مشرق کی طرف کا بھی کہا جائے گا تو مطلب یہ کہ زمین کے چپے چپے کا اختیار جس شخصیت کو حاصل تھا۔ یہ ہیں ذی القرنین یعنی مخصوص دو قرن کے معنی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے آخر وہ شخصیت کون تھی اس کا نام کیا تھا یعنی ذی القرنین کس کو کہا گیا؟ وہ شخص کون تھا؟ کیا قرآن اس شخصیت کا نام بتانے سے عاجز ہے؟ قرآن اس شخصیت کا نام نہیں بتاتا اس پر خاموش ہے؟ جو آج تک اس سوال کے جواب کے لیے قرآن کو ترک کر کے قرآن کے برعکس اور کتابوں یا تاریخ کی طرف رجوع کیا جاتا رہا۔

آپ یہ بات جان کر چونک جائیں گے کہ کیسے قرآن اس شخصیت کا نام بتاتا ہے۔

آپ پیچھے یہ بات جان چکے ہیں کہ قرآن میں کوئی ایک بھی شئے ایسی نہیں کہ جسے صرف ایک ہی پہلو سے بیان کر کے چھوڑ دیا گیا ہو بلکہ قرآن میں جس موضوع پر بھی بات کی گئی تو اس پر قرآن میں مختلف مقامات پر بات کی گئی ایک مقام پر اس پر ایک پہلو سے بات کی گئی تو دوسرے مقام پر دوسرے پہلو سے اسی طرح باقی مقامات پر بھی بات کی گئی یہاں تک کہ ہر پہلو سے بات کی گئی اس کا کوئی پہلو بھی پوشیدہ نہ رہنے دیا گیا۔

بالکل اسی طرح اس مقام پر قرآن میں ایک شخصیت کا ذکر کیا جا رہا ہے تو اس مقام پر اس کا ایک پہلو سے ذکر کیا جا رہا ہے اسی شخصیت کا قرآن میں کسی دوسرے مقام پر دوسرے پہلو سے ذکر کیا گیا کسی تیسرے مقام پر تیسرے پہلو سے۔

جب یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وہ شخصیت کون ہے تو آپ پر یہ بات بھی بالکل واضح ہو جائے گی کہ سوال اس وقت بنی اسرائیل کی طرف سے ہی تھا لیکن انہوں نے اس وقت جب سوال کیا تھا تو لفظ ذی القرنین کا استعمال نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے اس شخصیت کا وہی نام استعمال کیا جس نام سے وہ شخصیت جانی پہچانی جاتی ہے مگر قرآن میں اللہ نے اس کے لیے ذی القرنین جملے کا استعمال کیا اور اس بات کی وضاحت بھی اسی آیت میں موجود ہے قُلۡ سَاَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ مِّنۡهُ ذِكۡرًا ذکر کہتے ہیں جسے بھول چکے اسے یاد کرنے کو اور بھولا اسے جاتا ہے جو پہلے یاد ہو یا یاد کروا دیا گیا ہو۔ اس آیت میں آپ بالکل واضح الفاظ میں دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے انہیں کہو ابھی تلاوہ کر رہا ہوں یعنی پوری ترتیب کیساتھ کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں تم پر اس سے جو تمہیں یاد تو کروا دیا گیا تھا مگر تم بھول چکے۔

یعنی جب یہ قرآن اتارا گیا تب ہر کسی کو علم تھا کہ ذی القرنین کس شخصیت کو کہا جا رہا ہے اس وقت یہ سوال نہیں تھا کہ ذی القرنین کون ہے بلکہ اس وقت جس شخصیت پر اعتراض تھا اس کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا کہ آیا وہ مومن تھی یا مشرک تو جب واضح کیا گیا کہ وہ مشرک نہیں بلکہ مومن شخصیت تھی تب اس شخصیت کے بارے میں اس قرآن میں لفظ ذی القرنین کا استعمال کیا گیا اور یہی وجہ تھی جس وجہ سے اس وقت کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ ذی القرنین کون ہے بلکہ یہ سوال تو بعد میں جا کر کھڑا ہوا جو آج تک چلا آ رہا ہے اور آج اس سوال کا پہلی بار جواب دیا جا رہا ہے جو کہ ذی القرنین کے بارے میں ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ قرآن آگے کیا کہتا ہے اس سوال کا جواب کیا دیتا ہے۔

اِنَّا مَکَّنَّا لَهٗ فِی الۡاَرۡضِ وَ اٰتَیۡنٰهُ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ سَبَبًا. الکھف ۸۴

اس میں کچھ شک نہیں مکن دیا تھا ہم نے اس کو یعنی اختیار و اقتدار دیا تھا ہم نے اس کو زمین میں۔

اس سے پہلے آیت کے اگلے حصے کی طرف بڑھیں پچھلی آیت کے پہلے حصے میں یہ ذی القرنین کے بارے میں سوال ہے اسی آیت کے اگلے حصے میں کہا جا رہا ہے کہ ابھی تلاوہ کر رہے ہیں یعنی ابھی تم پر اس سے ذکر کھول کھول کر پوری ترتیب کیساتھ واضح کر رہے ہیں اور اگلی آیت کے پہلے حصے میں اب جواب دیا جا رہا ہے کہ ذی القرنین وہ شخصیت تھی جسے ہم نے زمین میں اقتدار و اختیار دیا تھا۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ جاننا ہوگا کہ کس کو زمین میں اختیار و اقتدار دیا گیا؟ اور آپ جانتے ہیں کہ زمین میں تو بہت سوں کو اختیا و اقتدار دیا گیا کوئی ایک شخصیت تو ہے نہیں لیکن یہاں تک قرآن نے اتنا واضح کر دیا کہ ذی القرنین ان لوگوں میں سے ہے جن کو زمین میں مکن یعنی اقتدار و اختیار دیا گیا تھا زمین میں حکومت دی گئی تھی۔ یوں کھرب ہا کھرب میں سے صرف ہزاروں یا لاکھوں پیچھے رہ جاتی ہیں وہ شخصیات جن کو زمین میں حکومت دی گئی جس سے ذی القرنین کی پہچان بہت حد تک آسان کر دی گئی۔

اب جب قرآن سے ہی سوال کیا جائے کہ زمین میں کس کو مکن یعنی اقتدار و اختیار دیا گیا تو قرآن بھی کسی ایک کا نام نہیں بتاتا بلکہ قرآن بہت سوں کا ذکر کرتا ہے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اے اللہ مکن تو زمین میں بہت سوں کو دیا گیا آخر ان میں سے وہ شخصیت کون سی ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟

جب یہ سوال کیا جائے تو اسی آیت کے اگلے حصے میں اس سوال کا جواب بھی دے دیا گیا

وَ اٰتَیۡنٰهُ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ سَبَبًا. الکھف ۸۴

اور دیئے تھے ہم نے اس کو تمام کے تمام اشیاء سے اسباب یعنی ہر شئے سے سبب دیا تھا۔

اب غور کریں کہ سوال تھا ذی القرنین کے بارے میں تو اس سوال کا جواب دیا گیا کہ ابھی جواب دے دیتے ہیں تو اگلی آیت میں جواب دیا گیا کہ ذی القرنین وہ شخصیت ہے کہ جسے ہم نے زمین میں مکن یعنی اقتدار و اختیار دیا تھا زمین میں حکومت دی تھی لیکن یہاں پھر سوال پیدا ہوا کہ زمین میں حکومت تو بہت زیادہ شخصیات کو حاصل ہوئی آخر ان میں سے کون سی شخصیت ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟ تو آگے اس سوال کا جواب بھی دے دیا گیا کہ وہ شخصیت وہ ہے جسے ہم نے ہر شئے سے اسباب دیئے تھے "مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ"۔

اب اللہ سے سوال ہے کہ وہ کون سی شخصیت ہے جسے "مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ" یعنی ہر شئے سے دیا گیا تو اللہ نے اس سوال کا جواب بھی قرآن میں رکھ دیا۔

اب قرآن میں جملہ "مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ" کو تلاش کریں۔

جب قرآن میں جملہ "مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ" کو تلاش کیا جائے تو ۱۲۱ مقامات پر آپ کو "کُلِّ شَیۡءٍ" ملے گا اور ان میں "مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ" کو تلاش کیا جائے تو صرف چھ مقامات پر "مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ" کے الفاظ ملیں گے۔

ان چھ مقامات پر کسی کو "مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ" سے دیا گیا اس کا ذکر تین مقامات پر ملے گا جیسا کہ درج ذیل آیات آپ کے سامنے ہیں۔

۱۔ اِنَّا مَکَّنَّا لَهٗ فِی الۡاَرۡضِ وَ اٰتَیۡنٰهُ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ سَبَبًا. الکھف ۸۴

۲. وَوَرِثَ سُلَیۡمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّیۡرِ وَاُوۡتِیۡنَا مِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡفَضۡلُ الۡمُبِیۡنُ. النمل ١٦

۳. اِنِّیۡ وَجَدۡتُّ امۡرَاَةً تَمۡلِكُهُمۡ وَاُوۡتِیَتۡ مِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ وَّلَهَا عَرۡشٌ عَظِیۡمٌ . النمل ٢٣

پہلا مقام یہی سورت الکہف کا مقام ہے جو کہ سوال ہے اور دوسرا مقام سورت النمل کی آیت نمبر ١٦ ہے جس میں سلیمان کا ذکر کیا جا رہا ہے اور سلیمان علیہ السلام خود اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ انہیں "مِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ" سے دیا گیا۔

پھر تیسرا مقام سورت النمل کی ہی آیت نمبر ۲۳ ہے جس میں ایک عورت کے بارے میں کہا گیا جسے ملکہ سبا کے نام سے جانا جاتا ہے اسے "مِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ" سے دیا گیا۔

تو سوال یہ تھا کہ وہ شخصیت کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟ جس کو "مِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ" سے دیا گیا تو قرآن نے صرف اور صرف دو شخصیات کا ذکر کیا ان میں پہلی شخصیت ایک مرد اور دوسری شخصیت ایک عورت ہے۔ اللہ نے مرد کا باقاعدہ نام بیان کیا کہ وہ سلیمان علیہ السلام ہیں اور عورت کا نام بیان نہیں کیا گیا اور ویسے بھی ذی القرنین ایک مرد تھے نہ کہ عورت تو اگر ذی القرنین ہیں تو وہ اللہ کے کلام کیمطابق سلیمان علیہ السلام تھے۔ سلیمان علیہ السلام ہی وہ شخصیت ہیں جنہیں زمین کے انگ انگ پر اقتدار دیا گیا جنہیں دونوں مخصوص قرن حاصل تھے یعنی مغرب و مشرق تک ان کی حکومت تھی یوں ذی القرنین جس کو دو مخصوص قرن حاصل تھے وہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام تھے نہ کہ کوئی اور۔

یہاں تک اگر غور کیا جائے تو قرآن نے اپنے دعوے کے مطابق اس سوال کا بالکل کھول کر جواب دے دیا کہ ذی القرنین سلیمان علیہ السلام ہیں۔ اللہ نے قرآن میں نہ صرف ہر سوال کا جواب رکھا بلکہ اسے ہر پہلو سے پھیر پھیر کر بیان کر دیا وہ لوگ جو قرآن کو چھوڑ کر اس کے متبادل گھڑتے ہیں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اپنے مسائل کے حل کے لیے تو قرآن کے علاوہ کون ہے جو ان کے سوال کا جواب دے سکے؟ اگر کوئی ہے تو جائیں اس سے جواب حاصل کر لیں اگر یہ لوگ سچے ہیں۔

اب آپ خود غور کریں کہ جب اللہ نے اس قدر آسان اور واضح الفاظ میں اس سوال کا جواب قرآن میں دے دیا تو پھر وہ لوگ جو آج تک قرآن کی ترجمانی کے دعویدار بنے ہوئے تھے اور بنے ہوئے ہیں جو اللہ کی نمائندگی کے دعویدار بنے ہوئے تھے اور بنے ہوئے ہیں اپنے نام کے ساتھ بڑے بڑے القابات لگاتے ہیں اونچی اونچی مسندوں پر بیٹھتے ہیں اور لوگوں کے مال سے اپنے اور اپنی ذریت کے پیٹ پالتے ہیں دین کا لبادہ اوڑھ کر دین کیساتھ ہی کھلواڑ کرتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے آج آپ کے سامنے ہے۔

ان کو کس نے یہ اختیار دیا کہ جو یہ آج تک کہتے آئے کہ قرآن میں ذی القرنین کا ذکر تو آیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ ذی القرنین کون ہے۔ کیا یہ لوگ سچے اور قرآن جھوٹا ہو گیا اللہ جھوٹا اور یہ سچے ہو گئے؟ ان لوگوں نے کس طرح اللہ اور قرآن پر بہتان تراشی کی جرأت کی؟

بڑھتے ہیں آگے اور آپ کے سامنے رکھتے ہیں کہ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اور بہت سے پہلوؤں سے بھی اللہ نے قرآن میں بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا کہ ذی القرنین سلیمان علیہ السلام تھے بڑھتے ہیں ان پہلوؤں کی طرف۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الۡاَرۡضِ وَاٰتَیۡنٰهُ مِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ سَبَبًا. الکہف ٨٤

اس میں کچھ شک نہیں مکن دیا تھا ہم نے یعنی زمین میں اختیار و اقتدار حکومت دی تھی اسے اور دیئے تھے تمام کی تمام اشیاء اسے اسباب۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے زمین میں حکومت کیوں دی اور تمام کی تمام اشیاء سے اسباب کیوں دیئے؟ تو پہلے اس کا جواب قرآن سے ہی حاصل کرتے ہیں اس کے بعد انتہائی آسان مثال کیساتھ اس کے جواب کو ایک دوسرے پہلو سے بھی واضح کریں گے۔

جب اللہ سے سوال کیا جائے تو اللہ اس سوال کا قرآن میں یوں جواب دیتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْر. الحج ۴۱

ایسے لوگ اگر انہیں مکن دیا جاتا ہے ارض میں یعنی جنہیں زمین میں اختیار و اقتدار حکومت دی جاتی ہے تو کیوں دی جاتی ہے؟ اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ قائم کر رہے ہوں الصلاۃ اور دے رہے ہیں الزکاۃ اور امر کر رہے ہیں معروف سے یعنی انہیں جو اختیار دیا جو حکومت دی تو وہ اس اختیار کا استعمال کرتے ہوئے انسانوں سے وہ کام کرواتے ہیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا اور روکتے ہیں ان کاموں سے ان معاملات سے جن سے رکنے کا کہا گیا لیکن اس طرح جس طرح اللہ نے قانون بنا دیا اللہ کے قانون کے مطابق کہ زمین میں ایسے حالات پیدا کرتے ہیں کہ لوگ خود ہی حق کو جان کر پہچان کر جو کہا گیا وہ اعمال کریں اور جن سے روکا گیا اس سے رک جائیں اور اللہ کے لیے ہے تمام کے تمام کاموں کا انجام یعنی جنہیں زمین میں حکومت دی جاتی ہے زمین میں اقتدار و اختیار دیا جایا تو جس مقصد کے لیے حکومت، اقتدار و اختیار دیا جاتا ہے وہ بالکل واضح کر دیا اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر جان لیں ایسا نہیں کہ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں وہ زمین پر اقتدار و اختیار ملنے پر جو جی میں آئے کرتے رہیں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں، انہیں کوئی زوال نہیں بلکہ اللہ نے سب کچھ قدر یعنی پورے حساب کتاب کیساتھ خلق کیا ہے اس لیے ہر کام کا انجام، نتیجہ وہی نکلے گا جو اللہ نے طے کر دیا اگر زمین میں حکومت ملنے پر اس کا حق ادا نہیں کیا جاتا جس مقصد کے لیے زمین میں حکومت دی گئی اس مقصد کو پورا نہیں کیا جاتا تو وقتی طور پر تو زمین میں ان کے پاس اختیار ہے وہ جو جی چاہے کریں لیکن بالآخر جب نتائج سامنے آئیں تو نتائج ان کی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ وہی سامنے آئیں گے جو اللہ نے طے کر دیئے۔

اس آیت میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ اللہ زمین میں جن کو بھی حکومت اقتدار و اختیار دیتا ہے تو اس لیے کہ الصلاۃ قائم کریں۔ آگے بڑھنے سے پہلے جب تک لفظ الصلاۃ کی سمجھ نہیں آئے گی تب تک آگے بڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

نہ صرف عربی بلکہ دنیا میں یہ ایک عام اصول ہے اگر کسی بھی بات کی یا شئے کی سمجھ نہ آئے تو اس کی ضد کو جان لیا جائے اس بات یا اس شئے کی خود بخود سمجھ آ جائے گی۔ قرآن میں تمام کے تمام انسانوں کو صرف اور صرف ایک ہی کام کا حکم دیا گیا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے کام کا حکم نہیں ہے اور وہ ہے الصلاۃ۔ پورے قرآن میں اسی ایک حکم کی ہر پہلو سے وضاحت کی گئی ہے کہ الصلاۃ کیا ہے اسے کب کب کیسے کیسے قائم کرنا ہے یہ کس طرح قائم ہوگی اسے قائم کرنے کے لیے تمہیں کیا بننا ہوگا وغیرہ۔ یعنی پورے کے پورے قرآن میں جتنے بھی احکامات دیئے گئے ہیں وہ الصلاۃ کے ہی ذیلی احکامات ہیں اور پھر الصلاۃ قائم نہ کرنے کی وجہ سے انسانوں کو کن نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا اس کی بھی ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر وضاحت کر دی گئی یعنی قرآن میں الصلاۃ کا حکم دیا گیا اور اگر الصلاۃ کا قیام نہیں ہوگا تو پھر کیا ہوگا اس کا ذکر کیا گیا اور اس کے لیے لفظ فساد کا استعمال کیا گیا۔ پورے کے پورے قرآن میں الصلاۃ کی ضد فساد آئی ہے۔

مثال کے طور پر آپ قرآن کی ابتداء کو ہی دیکھ لیں قرآن کی سب سے پہلی سورت الفاتحہ ہے جسے ام القرآن کہا گیا یعنی الفاتحہ پورے قرآن کی ماں ہے پورے کا پورا قرآن اسی سے نکلا پورے کا پورا قرآن اسی ایک سورت کی وضاحت ہے اور جب سورۃ البقرۃ سے اس کی وضاحت شروع ہوتی ہے تو آپ دیکھیں کہ سورت البقرۃ کی پہلی پانچ آیات میں ان کا ذکر کیا گیا جو فلاح پا رہے ہیں اور ان کی فلاح کے لیے صرف ایک ہی کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ہے الصلاۃ۔

الٓمّٓ. ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ. الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ. وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ. اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. البقرۃ ۱ تا ۵

اگلی پانچ آیات میں اللہ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو الصلاۃ قائم نہیں کرتے اور ان کا انجام کیا ہے یعنی جو جہنم میں جائیں گے جو فلاح نہیں پائیں گے جیسا کہ درج ذیل آیات آپ کے سامنے ہیں

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ. خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ. وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ. یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا

يَـخٰدَعُوۡنَ اِلَّا اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡن. فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَـزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ بِـمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡن. البقرة ٦ تا ١٠

اور آیت نمبر گیارہ اور بارہ میں یہ بات واضح کردی کہ ان لوگوں کو الصلاۃ کا حکم دیا گیا لیکن یہ لوگ الصلاۃ کی بجائے اس کی ضد فساد کررہے ہیں جیسا کہ آیات درج ذیل ہیں۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ. البقرة ١١

اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰـكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ. البقرة ١٢

فساد بنا ہے “فسد” سے اور فسد دو الفاظ کا مجموعہ ہے “فس” اور “سد”۔ “فس” عربی میں کہتے ہیں تبدیلی کو، بدلاؤ کو، کسی شئے کا اپنی اصل حالت میں نہ رہنا اس میں تبدیلی کا ہونا اور “سد” کہتے ہیں رکاوٹ کو اب ان دونوں الفاظ کو جمع کیا جائے تو جملہ “فسد” وجود میں آئے گا جس کے معنی بنتے ہیں شئے کا اپنی اصل حالت میں نہ رہنا اس میں کسی تبدیلی کا ہونا جس سے اس میں رکاوٹ پیدا ہوجائے یعنی جیسے ایک مشین کئی پرزوں کا مرکب ہوتی ہے تمام کے تمام پرزوں میں ربط قائم ہوتا ہے جب تک تمام کے تمام پرزے اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں پوری مشین ٹھیک رہتی ہے اس میں قائم توازن برقرار رہتا ہے اس میں نظم تسلسل قائم رہتا ہے اور اگر مشین میں کہیں بھی کوئی تبدیلی واقع ہو کسی پرزے کو اس کے مقام سے ہٹا دیا جائے تو پرزوں میں ربط ٹوٹ جائے گا جس سے مشین میں قائم تسلسل نظم میں رکاوٹ آجائے گی اسے “فسد” کہتے ہیں۔

اور ظاہر ہے یہ کس کی ضد ہوسکتا ہے یہ ضد ہے کہ ہر شئے کا اپنے اصل مقام پر رہنا اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ ہونا شئے کا اپنی اصل حالت میں ہونا یا رہنا جس سے اس میں توازن تسلسل ربط قائم رہے اور عربی میں اس کے لیے لفظ “صل” کا استعمال ہوتا ہے۔

“صل” اسی سے الصلاۃ بنا ہے۔ الصلاۃ جملہ ہے جو کہ چار الفاظ کا مجموعہ ہے “ال، صل، ا، ۃ”

عربی کا اصول ہے کہ جب بھی کسی مخصوص شئے کا ذکر کرنا مقصود ہو تو اس کے شروع میں “ال” کا استعمال کیا جاتا ہے آگے لفظ “صل” آجاتا ہے جس کے معنی آپ جان چکے ہیں کہ شئے کا اپنے اصل مقام پر رکھنا رہنا یا ہونا جس سے اس میں ربط قائم ہوجائے تسلسل قائم ہو کر اس میں توازن برقرار رہے۔ آگے آجاتا ہے الف “ا” عربی گرائمر کے مطابق الف اگر کسی بھی لفظ کے شروع میں آئے تو اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگر آخر میں آئے تو اسے ماضی کا صیغہ بنا دیتا ہے اور اگر شروع کی طرف درمیان میں آئے تو فاعل بنا دیتا ہے اور اگر آخر کی طرف درمیان میں آئے تو اسے کُل کا کُل بنا دیتا ہے جس کا ذکر کیا جارہا ہو اس میں کسی کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتا۔

اور آخر میں “ۃ” ہے جو براہ راست اس کا اظہار کرتی ہے جسکے بارے میں بات کی جارہی ہے یعنی جس میں سب کا سب صل کرنا ہے جس میں یا جس کی ہر شئے کو اس کے اصل مقام پر رکھنا ہے یا رہنے دینا ہے جس سے اس کی تمام کی تمام اشیاء میں تمام کی تمام مخلوقات میں ربط قائم ہوجائے یا قائم رہے اس میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو اس میں میزان قائم رہے ہر شئے میں ربط، تسلسل اور نظم قائم رہے۔

یہ ہیں الصلاۃ کے مختصر اور جامع ترین معنی اس کے علاوہ الصلاۃ کیا ہے اس پر مکمل تفصیلات آگے اپنے مقام پر آئیں گی۔

الصلاۃ کیا ہے اس کے علاوہ اگر آپ اس بات پر ہی غور کریں کہ جن کو زمین میں اختیار دیا جاتا ہے زمین میں حکومت دی جاتی ہے اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ الصلاۃ قائم کریں تو غور کریں اگر الصلاۃ کا مطلب یا الصلاۃ سے مراد نماز ہوتی تو کیا نماز پڑھنے کے لیے زمین میں اقتدار کا حاصل ہونا لازم ہے؟ اور اگر زمین پر اختیار دیا جارہا ہے زمین میں اقتدار حکومت دی جارہی ہے تو آخر حکومت کس مقصد کے لیے دی جاتی ہے؟ کسی شئے کا اختیار کیوں دیا جاتا ہے؟ اس میں تو کوئی دو رائے نہیں حکومت تو نظام چلانے کو ہی کہتے ہیں اس لیے جب زمین میں حکومت دی جارہی ہے تو ظاہر ہے نظام چلانے کے لیے ہی دی جارہی ہے کہ زمین کی دیکھ بھال کی جائے کوئی بھی زمین میں خرابیاں نہ کرسکے اگر پہلے سے کوئی خرابیاں کی گئی ہیں تو ان کی اصلاح کی جائے اور اگر خرابیاں کی جارہی ہیں فطرت میں پنگے لیے جارہے ہیں تو ان کو روکا جائے۔

اب ذرا غور کریں ذی القرنین کو اگر مکن دیا گیا یعنی زمین میں حکومت دی گئی زمین میں اقتدار و اختیار دیا گیا تو ظاہر ہے اس لیے تاکہ وہ الصلاۃ قائم کرے یعنی زمین میں تمام مخلوقات کو ان کے اپنے اصل مقام پر رکھے۔ اگر فساد کیا جارہا ہے یعنی زمین کی مخلوقات کو ان کے مقامات سے ہٹایا جارہا ہے تو نہ صرف روکے

بلکہ زمین کی اصلاح کرے مخلوقات کو ان کے اصل مقام پر رکھے جس سے اس میں ہونے والی خرابیاں دور ہو کر زمین کی اصلاح ہو جائے گی یعنی اگر آپ اپنی گاڑی کسی کو دیتے ہیں تو کس مقصد کے لیے دیں گے؟ ظاہر ہے تا کہ وہ اسے چلائے اور اس کی دیکھ بھال کرے اگر اس میں کوئی خرابی ہو تو اس کی اصلاح بھی کرے اس کی خرابی کو دور کرے۔

ذی القرنین کو اللہ نے زمین میں مکن دیا تو اس لیے تا کہ الصلاۃ قائم کریں زمین کی تمام مخلوقات کو ان کے اصل مقامات پر رکھیں یا رہنے دیں اگر زمین میں فساد ہو رہا ہے تو اس فساد کا رستہ روکیں اور زمین میں اصلاح کریں اور یہی وہ وجہ تھی جس وجہ سے ذی القرنین کو تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے گئے تھے۔ تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دینا ہی اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ ان سے پہلے زمین میں جن کو مکن حاصل تھا انہوں نے یا تو زمین کی تمام اشیاء میں فساد کر دیا ہوا تھا یا پھر فساد زدہ کر رہے تھے اس لیے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے گئے تا کہ وہ ان اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے زمین کی اصلاح کریں۔

تو اگر ایسی شخصیت جسے ذی القرنین کہا جا رہا ہے یعنی وہ شخصیت جسے زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار دیا گیا وہ زمین میں کہیں بھی جاتی ہے تو وہ گھومنے پھرنے نہیں جائے گی بلکہ وہ اسی مقصد سے جائے گی کہ وہاں فساد کیا جا رہا ہے یا کیا گیا اس کا رستہ روکنا ہے اور وہاں اصلاح درکار ہے۔

اب اگلی آیات میں دیکھیں اللہ نے کیا کہا فَاَتۡبَعَ سَبَبًا. الکھف ۸۵

پس کیا کیا؟ اتباع کی یعنی پیچھے چلا ان اسباب میں سے ایک سبب کے جو ہم نے اسے دیئے تھے۔

تبع کہتے ہیں کسی کے پیچھے چلنے کو مثلاً اگر آپ کے پاس کوئی ایسے ذرائع ہیں ایسے اسباب ہیں جو آپ کے پاس خبریں لاتے ہیں تو ان کے پیچھے جانے کو اتباع کہتے ہیں۔ اب ذی القرنین نے یعنی اس شخص نے جسے زمین کے مغرب و مشرق تک حکومت دی گئی تھی اقتدار و اختیار دیا گیا تھا نے اللہ کے دیئے ہوئے اسباب میں سے ایک سبب کی اتباع کی یعنی بالکل واضح ہے کہ ذی القرنین کو یعنی اس شخص کو جسے زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار و اختیار دیا گیا تھا اسے زمین میں مکن اس لیے دیا تا کہ وہ الصلاۃ قائم کرے اور الصلاۃ کے لیے اسباب کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی مقصد کے لیے اللہ نے اسے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے اب زمین میں کہاں کہاں کیا کیا ہو رہا ہے اس کی معلومات کے لیے زمین سے خبروں کا آنا لازم ہے تا کہ ان خبروں کی بنیاد پر جہاں جہاں فساد ہو رہا ہو تو وہاں وہاں فساد کو روک کر زمین میں اصلاح کی جائے۔ تو اسباب میں سے ایک سبب کے ذریعے اس کے پاس زمین کے کسی خطے کی خبر آئی کہ وہاں فساد ہو رہا ہے جسے روکنے کے لیے اس سبب کی اتباع کی یعنی اس کے پیچھے گئے۔

قرآن میں اللہ نے اس مقام پر تو صرف اتنا بتایا کہ ذی القرنین کو یعنی اس شخص کو جسے زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار و اختیار دیا گیا تھا اسے اسباب دیئے ان اسباب میں سے ایک سبب کے ذریعے خبر آئی تو اس کے پیچھے گیا اب قرآن سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کون سی شخصیت تھی جس کو ایسے اسباب حاصل تھے اور ان اسباب کے ذریعے اس شخصیت کے پاس زمین سے خبریں آتی تھیں اور وہ شخصیت ان اسباب کی اتباع کرتی یعنی ان کے پیچھے جاتی۔

جب قرآن سے سوال کیا جائے تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ قرآن میں اللہ نے اس حوالے سے کیا راہنمائی کی ہے۔

وَتفَقَّدَ الطَّيۡرَ فَقَالَ مَالِىَ لَاۤ اَرَى الۡهُدۡهُدَ اَمۡ كَانَ مِنَ الۡغَآئِبِيۡنَ.النمل ۲۰

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيۡدًا اَوۡلَا۟ اَذۡبَحَنَّهٗۤ اَوۡلَيَاۡتِيَنِّىۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ. النمل ۲۱

فَمَكَثَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ وَجِئۡتُكَ مِنۡ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيۡنٍ.النمل ۲۲

اِنِّىۡ وَجَدْتُّ امۡرَاَةً تَمۡلِكُهُمۡ وَاُوۡتِيَتۡ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ وَّلَهَا عَرۡشٌ عَظِيۡمٌ.النمل ۲۳

اس وقت آپ کو سورۃ النمل کی ۲۰ سے ۲۳ تک آیات نظر آ رہی ہیں ان آیات میں سلیمان علیہ السلام الھد ھدا کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کہاں ہے؟ کیا وہ غائب ہے یعنی سامنے موجود نہیں ہے اگر وہ بغیر کسی معقول وجہ کے غیر حاضر ہے تو اسے اس کے اس عمل کی شدید سزا دی جائے گی اور زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ الھد ھدا آ حاضر ہوتا ہے اور ساتھ کہتا ہے کہ وہ سبا سے یقینی نبا کیساتھ آیا ہے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو ان پر حکومت کرتی ہے اس کو تمام کی تمام اشیاء سے دیا

گیا اور اس کا عرش عظیم ہے یعنی اس کا اقتدار بہت مضبوط ہے اتنا مضبوط کے اگر اس کے اقتدار کو نکال دیا جائے تو پیچھے زمین میں جتنی بھی حکومتیں ہیں اقتدار ہیں ان کی اہمیت وحیثیت ایسے ہی رہ جائے گی جیسے جسم سے ساری کی ساری ہڈی نکال دینے سے جسم کی اہمیت وحیثیت رہ جاتی ہے اور اس کے بعد سلیمان علیہ السلام اپنے اس نبالانے والے سبب کی اتباع کرتے ہیں یعنی اس کے پیچھے پڑتے ہیں جب تک کہ اس معاملے کو نپٹا نہیں لیتے۔

اب ذرا غور کریں ایک مقام پر یہ کہا جارہا ہے کہ ذی القرنین یعنی جس شخصیت کو زمین کے مغرب ومشرق تک کا اقتدار دیا گیا حکومت دی گئی اس کو تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے گئے اور قرآن میں دوسرے مقام پر کہا جارہا ہے کہ وہ سلیمان علیہ السلام تھے جنہیں تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے گئے تھے یعنی سلیمان علیہ السلام ہی وہ شخصیت تھے جنہیں زمین کے مغرب ومشرق تک کا اقتدار دیا گیا تھا حکومت دی گئی تھی۔ وہ سلیمان علیہ السلام ہی تھے جنہیں دو مخصوص قرن حاصل تھے جسے عربی میں ذی القرنین کہا گیا۔

ایک مقام پر کہا جارہا ہے کہ ذی القرنین یعنی وہ شخصیت جسے زمین کے مغرب ومشرق کا اقتدار وحکومت دی گئی اس کے پاس اسباب میں سے سبب کے ذریعے خبریں آتیں اور وہ اس سبب کی اتباع کرتا یعنی اسباب کے ذریعے آنے والی خبروں کے پیچھے جاتا زمین میں ہونے والے فساد کو روکتا اور زمین کی اصلاح کرتا تو وہیں قرآن میں دوسرے مقام پر کہا جارہا ہے وہ سلیمان علیہ السلام تھے جن کے پاس ان کو دیئے گئے اسباب خبریں لاتے اور سلیمان علیہ السلام ان اسباب کی اتباع کرتے یعنی ان کے پیچھے چلتے ہوئے زمین میں ہونے والے فساد کو روکتے اور زمین کی اصلاح کرتے۔

اب ذرا غور کریں ذی القرنین کون تھے ذی القرنین یعنی وہ شخص جسے زمین کے مغرب ومشرق تک کا اقتدار دیا گیا حکومت دی گئی جسے زمین کے مغرب ومشرق حاصل تھے وہ شخص کون تھا؟

قرآن کے اس مقام پر بھی اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کردی کہ ذی القرنین سلیمان علیہ السلام تھے یعنی سلیمان جو کہ داود کا بیٹا تھا جسے القرنین یعنی دو مخصوص قرن حاصل تھے دو مخصوص قرن مغرب ومشرق تک کا اقتدار واختیار دیا تھا حکومت دی تھی۔

اسی طرح بڑھتے ہیں آگے اور ایک اور پہلو سے اس حقیقت کو آپ کے سامنے رکھتے ہیں کہ ذی القرنین سلیمان بن داوٗد علیہ السلام تھے۔

ذیل میں آپ کو سورۃ الکھف کی ۸۵ تا ۹۳ آیات نظر آرہی ہیں۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا. حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا. قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا. وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ الْحُسْنٰى وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا. ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا. حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا. كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا. ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا. حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا. الکھف ۸۵ تا ۹۳

ان آیات میں ذی القرنین کے تین سفروں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں پہلا سفر مغرب الشّمس کی طرف یعنی جہاں سورج ڈوبتا ہوا نظر آتا ہے اس طرف یہاں تک کہ اس مقام پر پہنچ گئے کہ سورج گرم پانیوں میں ڈوبتا ہوا نظر آرہا تھا یعنی مغرب کی طرف جہاں خشکی ختم اور آگے صرف اور صرف سمندر ہے یوں مغرب کی طرف زمین کے اس خطے پر پہنچے جہاں خشکی ختم اور آگے سمندر ہی سمندر اور وہاں سے سورج کو گرم پانیوں کے چشموں میں غروب ہوتا پایا پھر دوسرے سفر کا ذکر ہے مشرق کی طرف جدھر سے سورج طلوع ہوتا ہے اس طرف بھی وہاں پہنچے کہ جہاں آگے سمندر ہی سمندر ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ پہلی قوم ہے جس پر وہ سب سے پہلے طلوع ہوتا ہے ان کے بعد باقی اقوام پر ان پر سے گزرتا ہوا طلوع ہوتا ہے۔ مغرب ومشرق میں صرف سفر ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے ان سفروں کے پیچھے مقاصد ہوتے ہیں یعنی ان کے پاس ان کو دیئے گئے اسباب کے ذریعے خبریں آتی ہیں اور ان اسباب کے پیچھے زمین کی اصلاح کی غرض سے فساد کو روکنے کی غرض سے سفر کرتے ہیں۔ مغرب ومشرق میں دو سد یعنی دو رکاوٹیں بناتے ہیں پھر ایک تیسرا سفر کرتے ہیں تو مغرب ومشرق والی دونوں رکاوٹوں کے درمیان پہنچ جاتے ہیں پھر وہاں بھی ایک سد تعمیر کرتے ہیں۔

اب غور کریں اگر آپ مغرب کی طرف سفر کرتے ہیں تو رستے میں دریا، جھیلیں، خشکی، کھائیاں، پہاڑ، دلدل، مشکل اور کٹھن ترین مقامات، گھاٹیاں، وادیاں،

گھنے جنگلات، آبادیاں اور ایسے مشکل ترین خطے آتے ہیں کہ زمینی سفر ناممکن بن جاتا ہے اور صرف اور صرف ایک ہی صورت پیچھے رہ جاتی ہے جس ذریعے سے سفر ممکن ہو سکتا ہے اور وہ ہے ہوائی رستہ۔ ذی القرنین یعنی وہ شخصیت جسے زمین کے دونوں قرن حاصل تھے یعنی زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار و اختیار حاصل تھا حکومت حاصل تھی اس کے پاس فضائی سفر کے بھی اسباب موجود تھے جن کے ذریعے اس نے یہ سفر کیے اور یہاں یہ بات بھی ذہن میں ہونا لازم ہے کہ وہ شخصیت محض اکیلے ہی سفر نہیں کرتی تھی بلکہ جب دشمن کے مقابلے کے لیے نکلا جاتا ہے دشمن کے علاقے پر حملہ کیا جاتا ہے جنگ کے لیے نکلا جاتا ہے تو اکیلے نہیں بلکہ فوج اور قوت کیساتھ جایا جاتا ہے اس لیے ذی القرنین اپنی فوج اور قوت کیساتھ ہوائی اسباب کے ذریعے مغرب و مشرق پہنچے اور دشمن کے علاقوں پر حملہ آور ہوئے۔

اب قرآن سے سوال کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ قرآن اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ وہ کون سی شخصیت تھی جسے نہ صرف فضائی سفر کے اسباب دیئے گئے بلکہ اس نے ایسے سفر بھی کیے؟

جب اللہ سے یہ سوال کیا جائے تو حیران کن طور پر اللہ نے قرآن میں اس سوال کا جواب بھی بالکل کھول کر صراحت کیساتھ دے دیا۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا . الانبیاء ۸۱

سورت الانبیاء کی آیت نمبر ۸۱ میں اللہ نے کہا کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا جو آگے سے آکر پیچھے کو انتہائی تیزی کیساتھ سلیمان کے امر سے بہتی تھی یعنی سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا اور یہاں یہ بات جان لیں کہ جو کہا جاتا ہے اور عام کر دیا گیا کہ سلیمان علیہ السلام ہوا کو زبان سے حکم دیتے تھے جدھر چلنے کا حکم دیتے تو ہوا اس طرف کو رخ کر کے چلنا شروع ہو جاتی اور سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک قالین تھا وہ اس پر بیٹھ جاتے اور وہ قالین ہوا کے اڑانے سے وہاں پہنچ جاتا جہاں پہنچنا چاہتے تھے یہ بات بالکل بے بنیاد اور من گھڑت کہانی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں، یہ ایک دیومالائی کہانی ہے جس کا حقیقت کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔

ہوا کو مسخر کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ سلیمان علیہ السلام زبان سے ہوا کو جدھر جی چاہے کہتے کہ اے ہوا چل پڑ تو ہوا چل پڑتی بلکہ اللہ نے بالکل واضح کر دیا کہ سلیمان کو علم دیا تھا اور اسباب دیئے تھے جیسا کہ آپ درج ذیل آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا. النمل ۱۵

اور تحقیق کہ جو قدر میں کر دیا گیا وہی ہوا دیا تھا ہم نے داود اور سلیمان کو علم۔

اب ذرا غور کریں کونسا علم دیا تھا اللہ نے اور وہ علم دینے کا مقصد کیا تھا؟ جب آپ غور کریں تو ہر بات کھل کر سمجھ میں آجائے گی۔ اسی علم کو استعمال کرتے ہوئے سلیمان علیہ السلام نے ہر شئے سے اسباب حاصل کیے تھے اور اسی کا سورت النمل کی اگلی ہی آیت آیت نمبر ۱۶ میں ذکر موجود ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ.النمل ۱۶

اور وارث بنا سلیمان داود کا، سلیمان علیہ السلام نے کہا اے لوگو علم دیا گیا ہمیں منطق الطیر یعنی فضا میں تیرنے کی منطق کا علم دیا گیا کہ کس طرح فضا میں تیرا جا سکتا ہے کس طرح ہواؤں میں اڑا جا سکتا ہے اور دیا گیا ہمیں تمام کی تمام اشیاء سے۔

یعنی قرآن میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ سلیمان علیہ السلام کو علم دیا گیا اور اس علم کی بنیاد پر سلیمان علیہ السلام کو تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے گئے ان اسباب میں سے سبب کے ذریعے سلیمان علیہ السلام ہواؤں میں فضاؤں میں انتہائی تیز رفتاری سے سفر کرتے تھے اور ان کے ان سفروں کا ذکر بھی اللہ نے قرآن میں کر دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ . سباء ۱۲

اس آیت میں سلیمان علیہ السلام کے مشرق و مغرب میں کیے جانے والے سفر اور ان کی تیز رفتاری کا ذکر کیا گیا۔

سلیمان کو جو علم دیا گیا تھا اس علم کے ذریعے سلیمان کو اسباب دیئے گئے ان اسباب کے ذریعے سلیمان علیہ السلام کے امر سے ہوا انتہائی تیز پریشر سے بہتی تھی جس سے سلیمان کا امر یعنی کام ہوتا تھا اور سلیمان کا کام کیا تھا اس کی وضاحت بھی اللہ نے دوسرے مقام پر کر دی جس کا پیچھے ذکر کیا جا چکا۔

سلیمان علیہ السلام کو تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے گئے تو ظاہر ہے ہواؤں میں سفر کرنے کے اسباب بھی دیئے گئے ان اسباب کے ذریعے ہی سلیمان کے لیے ہوا مسخر تھی جیسے آج انسانوں نے ہوا کو مسخر کر لیا ہے ہیلی کاپٹروں، جہازوں اور جیٹ انجنوں وغیرہ جیسے اسباب کے ذریعے۔ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں یہ اسباب آگے سے ہوا کو لیکر پیچھے کو انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ نکالتے ہیں یوں ہوا ان کے امر سے بہتی ہے اور ان کا امر یعنی کام انجام پاتا ہے یہ آگے کو سفر کرتے ہیں۔

اب آپ خود غور کریں کہ سورۃ الکھف میں کہا گیا کہ مغرب و مشرق کے ہوائی سفر کیے ذی القرنین نے یعنی اس شخص نے جسے زمین کے دونوں قرن حاصل تھے یعنی جس کو زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار و اختیار دیا گیا تھا اور دوسرے مقام پر اسی بات کو ایک دوسرے پہلو سے واضح کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ وہ شخصیت سلیمان علیہ السلام تھے سفر کے ذرائع سلیمان علیہ السلام کو دیئے گئے سلیمان نے ان فضا میں اڑنے والے اسباب کے ذریعے اتنے لمبے سفر کیے۔ اب فیصلہ آپ خود کریں کہ ذی القرنین کون تھا ذی القرنین یعنی وہ شخصیت جسے زمین کے دونوں قرن حاصل تھے دونوں قرن یعنی جسے زمین کے مغرب و مشرق تک کی حکومت، اقتدار و اختیار حاصل تھا کیا وہ سلیمان بن داؤد کے علاوہ کوئی دوسرا ہو سکتا ہے؟

نہیں بالکل نہیں۔ اللہ نے قرآن میں بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا کہ ذی القرنین سلیمان علیہ السلام تھے نہ کہ کوئی سکندر اعظم یا سائرس ایرانی نامی مشرک۔ بڑھتے ہیں آگے اور قرآن سے ہی مزید پہلوؤں سے کھول کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں کہ ذی القرنین سلیمان علیہ السلام تھے نہ کہ کوئی دوسری شخصیت۔

اب ہم بات کریں گے مزید مختلف پہلوؤں سے ذی القرنین پر

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ ۔ الکھف ۸۴

اس میں کچھ شک نہیں ذی القرنین وہ تھا جسے مکن دیا تھا ہم نے زمین میں یعنی اختیار و اقتدار دیا تھا ہم نے اس کو زمین میں۔

اللہ نے زمین میں مکن دیا تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ ایسے ہی زمین میں مکن دے دیتا ہے مثلاً اگر آپ اپنی قیمتی سے قیمتی شئے کسی کو دیکھ بھال کے لیے دیتے ہیں تو کیا ایسے ہی دے دیں گے؟ نہیں بلکہ پہلے اسے ہر لحاظ سے آزمائیں گے جب وہ آپ کی توقعات پر پورا اترے گا جب آپ کو یقین ہو جائے گا کہ یہ آپ کی شئے کی احسن طریقے سے دیکھ بھال کر سکتا ہے جو ذمہ داری اس کو دی جائے گی اسے احسن طریقے سے پورا کر سکتا ہے پھر آپ اس کو اس شئے پر اختیار دیں گے بالکل ایسے ہی اللہ کا بھی قانون ہے کہ وہ اگر کسی کو اپنی امانت دیتا ہے تو ایسے ہی نہیں دے دیتا بلکہ اللہ پہلے اسے ہر لحاظ سے آزماتا ہے اسے آزمائشوں میں ڈالتا ہے جب وہ ثابت قدم رہے وہ اپنے آپ کو اس امانت کا اہل ثابت کرے اللہ تب اپنی امانت اسے سونپتا ہے تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جسے اللہ نے ذی القرنین کہا یعنی وہ شخص جسے زمین کے دونوں مخصوص قرن دیئے گئے یعنی زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار دیا گیا حکومت دی گئی کیا اللہ نے اسے بغیر آزمائش میں ڈالے بغیر امتحان یعنی فتنے میں ڈالے بغیر ہی زمین کے دونوں مخصوص قرن دے دیئے؟ زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار دے دیا؟

تو اس کا جواب ہے کہ نہیں بالکل نہیں کیونکہ اللہ اپنی سنت تبدیل نہیں کرتا اللہ اپنے قانون میں اپنے طریقے میں رائی برابر بھی ردوبدل نہیں کرتا جیسا کہ اس کا ذکر اللہ نے قرآن میں بھی کر دیا۔

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۔ الاسراء ۷۷

اور نہیں پا رہے ہماری سنت یعنی ہمارے طریقے کے لیے رائی برابر بھی کوئی تبدیلی کوئی ہیر پھیر ذرا برابر بھی نرمی وغیرہ یعنی جو ہماری سنت ہے جو ہمارا طریقہ ہے اس کے لیے نظر ثانی ہے ہی نہیں۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۔ الاحزاب ۶۲، الفتح ۲۳

اور نہیں پاؤ گے اللہ کی سنت کے لیے رائی برابر بھی تبدیلی یعنی اللہ کے طریقے میں رائی برابر بھی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

اللہ نے اسے بغیر آزمائے بغیر فتنے میں ڈالے حکومت نہیں دی اس لیے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا شخص ہے جسے اللہ نے ذی القرنین کہا یعنی زمین

کے مغرب و مشرق تک کی حکومت دی اسے اتنی بڑی امانت دینے سے پہلے کب اور کس موقع پر آزمایا گیا؟ امتحان میں یعنی فتنہ میں ڈالا گیا؟ اور وہ اس فتنے کا شکار ہو کر اس امتحان میں ناکام ہونے کی بجائے اس فتنے کو پہچان کر ثابت قدم رہا اور اس آزمائش اس امتحان یعنی فتنہ میں کامیاب ہو کر اللہ کی امانت زمین کا اہل ثابت ہوا؟

جب اللہ سے یہ سوال کیا جائے تو اللہ اس سوال کا جواب قرآن کی سورۃ ص میں دیتا ہے۔ سورۃ ص کی آیت نمبر ۲۶ میں اللہ نے کہا **يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰكَ خَلِيۡفَةً فِى الۡاَرۡضِ** اے داؤد اس میں کچھ شک نہیں کر دیا ہم نے تجھے خلیفہ زمین میں یعنی داؤد کو زمین میں خلیفہ بنایا اور تھوڑا ہی آگے جا کر اسی سورۃ کی آیت نمبر ۳۰ میں اللہ نے کہا **وَ وَهَبۡنَا لِدَاوٗدَ سُلَيۡمٰنَ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ** اس آیت کو سمجھنے کے لیے اس میں استعمال ہونے والے الفاظ کو جاننا بہت ضروری ہے پہلا لفظ وھب اور دوسرا لفظ اواب۔

وَهَبُ: کسی کو ہر طرح سے آزما کر اس وقت کوئی شئے دینا جب کہ وہ ہر آزمائش پر پورا اتر کر ثابت کر دے کہ وہی اس کا اہل ہے۔

اَوَّاب: ایسے گناہ، جرم وغیرہ سے توبہ کرنے کو کہتے ہیں جو اللہ کے غلام سے سرزد ہو لیکن اس غلطی، گناہ یا جرم وغیرہ کا ذمہ دار وہ غلام نہ ہو بلکہ وہ غلام ایسا کام جو گناہ، جرم یا غلطی ہے وہ خالق و مالک کی طرف سے خالق و مالک کی غلامی سمجھ کر ہی کرے لیکن اس وقت اسے اس کا شعور نہ ہو اس لیے کہ خالق و مالک نے خود ہی کسی نہ کسی وجہ سے اپنے امر کے ذریعے اس سے وہ کام خود کروایا ہو اور جب غلام کو اس کا شعور آ جائے، ادراک ہو جائے یا احساس ہو جائے کہ جسے وہ اللہ کی غلامی سمجھ کر کر رہا ہے وہ تو اصل میں اس سے بغاوت ہے وہ جرم ہے گناہ ہے تو غلام فوراً اپنے خالق و مالک سے رجوع کرے کیونکہ غلام کبھی بھی اپنے خالق و مالک کی نافرمانی نہیں کرتا الا یہ کہ اسے شعور نہ ہو یا جب خالق کے قانون میں ہو کہ اب غلام نے وہ عمل ترک کرنا ہے تو خالق و مالک اپنے قانون کے مطابق اپنے غلام سے وہ عمل ترک کرا دے اور یہ اللہ کی طرف سے اپنے غلام کے لیے امتحان کی غرض سے نہ صرف آزمائش ہوتی ہے بلکہ اس کی تربیت بھی ہوتی ہے جس سے اسے علم و حکمہ حاصل ہوتے ہیں یہ عربی میں اواب کہلاتا ہے۔

**وَ وَهَبۡنَا لِدَاوٗدَ سُلَيۡمٰنَ** اور داؤد کا وارث بنانے کے لیے یعنی داؤد کے بعد زمین میں خلیفہ بنانے کے لیے ہم نے سلیمان کو ہر طرح سے آزمایا یعنی فتنے میں ڈالا جب وہ فتنے کا شکار ہونے کی بجائے فتنے کو پہچان کر ثابت قدم رہا یا جیسے ہی اس پر واضح ہو گیا کہ جسے وہ اللہ کی غلامی سمجھ کر کر رہا ہے وہ تو اصل میں اللہ سے بغاوت ہے اسے اس کا شعور ہی نہیں تھا تو اس نے فوراً اسے ترک کر دیا اللہ سے رجوع کر کے خود کو اس ذمہ داری کا اہل ثابت کیا تو اسے زمین میں خلیفہ بنایا یعنی داؤد کا وارث بنایا **نِعۡمَ الۡعَبۡدُ** سلیمان داؤد کا بدل غلام ہے یعنی جیسے داؤد اللہ کا غلام تھا اللہ کی نافرمانی کرنے والا نہیں تھا اللہ کا خالص غلام امانت کا حق ادا کرنے والا سلیمان بھی بالکل ویسا ہی ہے **اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ** اس میں کچھ شک نہیں وہ اواب ہے یعنی سلیمان کو جب فتنے میں ڈالا تو جیسے ہی اس پر واضح ہوا کہ جسے وہ حق سمجھ رہا ہے وہ حق نہیں بلکہ فتنہ ہے اس کا شکار ہو چکا تھا تو فوراً اللہ کی طرف پلٹا فتنے کو ترک کر دیا۔

اب آپ خود غور کریں زمین میں مکن دینے کے لیے آزمایا گیا سلیمان علیہ السلام کو اور سلیمان علیہ السلام اللہ کی طرف سے ڈالے گئے ہر امتحان میں کامیاب ہوئے انہوں نے خود کو زمین اللہ کی امانت کا اہل ثابت کر دیا تو پھر زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار و اختیار کسی اور کو دیا گیا یا پھر سلیمان کو؟ ذی القرنین سلیمان علیہ السلام تھے یا پھر سکندر اعظم آتش پرست مشرک اور سائرس ایرانی مشرک؟

جب القرنین یعنی مخصوص دو قرن زمین کے مغرب و مشرق تک مکن دینے کے لیے آزمایا گیا داؤد کے بیٹے سلیمان کو، فتنے میں ڈالا گیا سلیمان کو اور پھر سلیمان ہر لحاظ سے اس فتنے میں کامیاب رہا اس نے خود کو القرنین کا اہل ثابت کر دیا تو القرنین کسی اور کو دے دیئے گئے؟ وہ بھی ان کو جو مشرک اعظم تھے؟ سکندر اعظم یا سائرس ایرانی؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

اس لیے ذی القرنین وہ شخصیت جسے دونوں مخصوص قرن حاصل ہوئے یعنی زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار و اختیار دیا گیا جسے زمین کے مغرب و مشرق تک مکن دیا گیا وہ اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام تھے نہ کہ کوئی اور۔ اور اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ نہیں سلیمان کے علاوہ کوئی اور ذی القرنین تھا تو جسے بھی وہ ذی القرنین کہے اسے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ اللہ نے اسے اس مقصد کے لیے اپنی امانت دینے کے لیے آزمایا فتنے میں ڈالا اور پھر وہی اس فتنے میں کامیاب رہا اور خود کو القرنین کا اہل ثابت کر دیا اور اگر کوئی ایسا نہیں کر سکتا جو کہ ناممکن ہے تو وہ جان لے دنیا کی کوئی طاقت حق کا رد نہیں کر سکتی کہ ذی القرنین سلیمان علیہ السلام

تھے۔

پھر دیکھیں اللہ نے سورۃ ص میں آگے یہ بات بھی بالکل واضح کردی کہ سلیمان علیہ السلام کو فتنہ میں ڈالا تھا یعنی سلیمان کو آزمایا تھا اور پھر اس کے بعد کیا ہوا وہ بھی کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں۔

وَلَقَدۡ فَتَنَّا سُلَيۡمٰنَ وَاَلۡقَيۡنَا عَلٰى كُرۡسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ. ص ۳۴

وَلَقَدۡ فَتَنَّا سُلَيۡمٰنَ اور تحقیق کہ یعنی تم اپنی تحقیق کرلو اپنے گھوڑے دوڑالو جو کہا جارہا ہے یہی حق ہے یہی حقیقت تمہارے سامنے آئے گی جو کہ قدر میں کردیا کہ فتنہ میں ڈالا ہم نے سلیمان کو یعنی آزمایا ہم نے سلیمان کو اور وہ فتنہ کیا تھا اللہ نے وہ بھی آگے واضح کردیا وَاَلۡقَيۡنَا عَلٰى كُرۡسِيِّهٖ جَسَدًا اور ڈالا تھا ہم نے اس کی کرسی پر ایک جسد ثُمَّ اَنَابَ پھر حق واضح ہونے پر فوراً پلٹا اللہ سے رجوع کیا۔

آگے چل کر ہر لحاظ سے قرآن سے ہی آپ پر واضح کردیا جائے گا کہ وہ اقوام جو اس قرآن کے نزول سے قبل زمین پر آباد تھیں جیسے کہ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم شعیب یا پھر آل فرعون وغیرہ وہ لوگ قوت میں بہت بڑھ کر تھے یعنی آج انسانوں کو جو قوت حاصل ہے مشینوں کی صورت میں ایجادات کی صورت میں اور بلندو بانگ عمارتوں، آسائشوں، سہولتوں، آسانیوں کی صورت میں یا پھر اسلحے و بارود کی صورت میں وہ قومیں موجودہ قوم یعنی دنیا میں آباد موجودہ لوگوں سے ان سب میں ۹۰ فیصد بڑھ کر تھیں موجودہ قوم یعنی دنیا میں آباد موجودہ لوگوں کے پاس جو ٹیکنالوجی ہے جو ایجادات ہیں یہ ان قوموں کا دس فیصد بھی نہیں ہیں جسے یہ آج ترقی کہہ رہے ہیں یہ ان قوموں کا دس فیصد بھی نہیں ہے اور نہ ہی یہ ان کے دس فیصد کو پہنچ سکتے ہیں۔

جیسے موجودہ قوم یعنی دنیا میں آباد لوگ اپنی ایجادات کا ایک ہی پہلو سامنے رکھتے ہوئے اسے ترقی کا نام دیتے ہیں اور اس کے دوسرے پہلو سے بالکل غافل ہیں اسے نظرانداز کردیتے ہیں یا انہیں نظر ہی نہیں آتا بالکل یہی معاملہ ان قوموں کا بھی تھا اور جب ترقی کے نام پر آسمانوں و زمین میں کیا گیا فساد عظیم ظاہر ہوا تو وہ قومیں اس کا ایسے شکار ہوئیں کہ ان کا نام و نشان تک مٹ گیا یعنی ترقی کے نام پر جب ان قوموں نے بھی موجودہ قوم کی طرح آسمانوں و زمین میں مفسد اعمال کیے اور جب ان مفسد اعمال کے ردِ اعمال انتہائی تباہ کن ہلاکتوں کی صورت میں وقوع پذیر ہوئے تو ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے سبب ان کا نام و نشان تک مٹ گیا اور بعد والوں کو جو کچھ وہ چھوڑ گئے اس کا وارث بنادیا گیا۔

آل فرعون کو جب غرق کیا گیا تو جو کچھ آل فرعون چھوڑ کر گئے تھے اس کا وارث پیچھے رہ جانے والوں کو بنادیا گیا یعنی مصری قوم کو، بعد میں جا کر جب داؤد علیہ السلام کو زمین میں خلیفہ بنایا گیا یعنی داؤد علیہ السلام کو اقتدار حاصل ہوا تو داؤد علیہ السلام نے مصر کو بھی فتح کرلیا مصر فتح کرنے سے مصری قوم جو کہ نسل در نسل آل فرعون جو کچھ ترک کیے ہوئے تھے اس کی وارث تھی مصری قوم کے پاس علم اور اسباب تھے تو داؤد علیہ السلام کو وہ علم و اسباب حاصل ہوگئے یعنی اس وقت کی اعلیٰ ترین ٹیکنالوجی حاصل ہوئی جس سے داؤد علیہ السلام کا اقتدار مزید مضبوط ہوگیا اسی کا ذکر اللہ نے قرآن میں مختلف مقامات پر کیا ہے جو کہ درج ذیل آیات کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔

كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ. الدخان ۲۵

بالکل اسی طرح جیسے آج موجودہ انسان جو کچھ انہوں نے بنا رکھا ہے حاصل کر رکھا ہے چھوڑ کر جارہے ہیں جو جنتیں انہوں نے بنائی ہوئی ہیں اور پانی اور پینے کی اشیاء کا جو بہترین نظام وضع کیا ہوا ہے ایسے ہی پیچھے چھوڑ گئے تھے آل فرعون۔

وَّزُرُوۡعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيۡمٍ. الدخان ۲۶

اور کھیت اور مقام کریم یعنی جو زراعت کا نظام وضع کیا ہوا تھا اور جو زبردست مقام اپنے لیے آسائشوں و سہولتوں والا خلق کیا ہوا تھا۔

وَّنَعۡمَةٍ كَانُوۡا فِيۡهَا فٰكِهِيۡنَ. الدخان ۲۷

اور نعمتیں تھے ان میں مزے کرتے۔

كَذٰلِكَ وَاَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ. الدخان ۲۸

بالکل اسی طرح آج بھی ہم جو پیچھے رہ جانے والے ہیں عذاب میں بچ جانے والے بعد والے لوگ انہیں ان سب کا وارث بنانے والے ہیں جیسے ہم نے آل

فرعون کے بعد جو کچھ وہ چھوڑ کر گئے ان کے بعد والوں کو وارث بنا دیا۔

آل فرعون یہ سب چھوڑ کر گئے تھے اور اللہ نے ان کو غرق کرنے کے بعد ایک دوسری قوم کو اس کا وارث بنا دیا وہ دوسری قوم کون سی تھی اب قرآن سے اس کا جواب حاصل کرتے ہیں۔

**فَاَخۡرَجۡنٰهُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡن.** الشعراء ۵۷

پس کیا کیا؟ نکال دیا انہیں جو جنتیں اور بہترین پانی کی سپلائی کا نظام انہوں نے بنا رکھا تھا۔

**وَّكُنُوۡزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیۡمٍ.** الشعراء ۵۸

اور جو خزانے انہیں حاصل تھے اور جو زبردست مقام اپنے لیے آسائشوں و سہولتوں والا خلق کیا ہوا تھا۔

**كَذٰلِكَ وَاَوۡرَثۡنٰهَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ** . الشعراء ۵۹

بالکل اسی طرح آج بھی ہم جو پیچھے رہ جانے والے ہیں عذاب میں بچ جانے والے بعد والے لوگ انہیں ان سب کا وارث بنانے والے ہیں جیسے وارث بنا دیا ہم نے اس کا بنی اسرائیل کو۔

قرآن چونکہ احسن الحدیث ہے یعنی اپنے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی احسن تاریخ جو کہ مثلوں سے اتاری گئی اس لیے یہاں اصل میں آج موجودہ دور کی تاریخ ہے آل فرعون اور بنی اسرائیل کی مثلوں سے اس کے علاوہ اس مقام پر اللہ نے مزید واضح کر دیا کہ وہ دوسری قوم جسے آل فرعون کے چھوڑے ہوئے مال و متاع وغیرہ کا وارث بنایا وہ بنی اسرائیل تھے اور بنی اسرائیل سے مقام کریم اللہ نے داؤد علیہ السلام کو عطا کیا اور سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کا وارث بنا دیا۔ یوں بنی اسرائیل سے سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے آل فرعون کے چھوڑے ہوئے خزانوں وغیرہ اور مقام کریم کا وارث بنایا۔ اب ہم مزید آپ پر یہ واضح کرتے ہیں کہ آل فرعون اپنے پیچھے کیا کچھ چھوڑ کر گئے تھے اور اللہ نے بنی اسرائیل کو اس کا وارث بنا دیا اور بنی اسرائیل کو داؤد علیہ السلام کے ذریعے وارث بنایا اور سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کا وارث بنا دیا جس سے تمام تر اسباب و وسائل سلیمان علیہ السلام کو بطور وراثت حاصل ہو گئے۔

**وَّفِرۡعَوۡنُ ذُوالۡاَوۡتَادِ** . ص ۱۲

اور فرعون ہے جسے الاوتاد حاصل تھے الاوتاد والا۔

**وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ.** الفجر ۱۰

اور فرعون الاوتاد یعنی پھانوں کی صلاحیت والا۔

اوتاد جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد "وتد" ہے اور اس کے معنی اردو میں پھانہ، فانہ، تکونہ وغیرہ کے ہیں اور انگلش میں اسے Wedge کہتے ہیں۔
اسے آپ تصویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

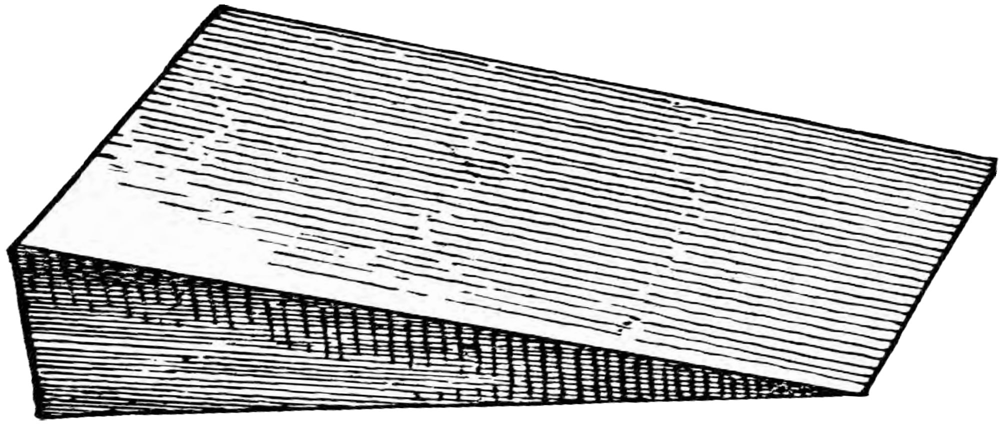

اگر اس کا رخ زمین کی طرف کیا جائے تو یہ گاڑھنے والی شئے بن جائے گی جیسے کہ تصویر میں دیکھا جاسکتا ہے۔

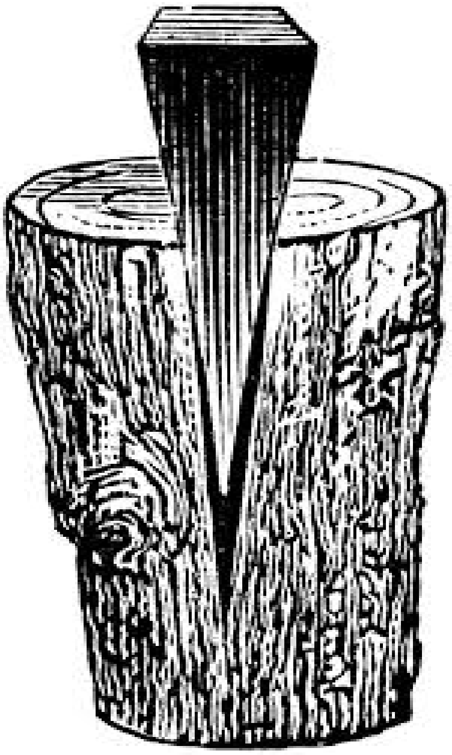

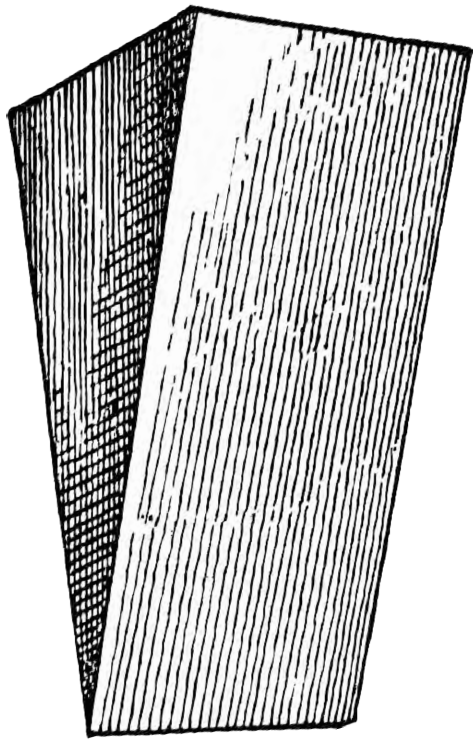

جو مضبوطی سے زمین میں گڑھ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر اسے کسی شئے پر رکھ کر اس میں گاڑھا جائے تو اس شئے کو یا سامنے والی کسی بھی شئے کو چیر پھاڑ دیتا ہے اور اگر اس کا رخ آسمان کی جانب کیا جائے تو یہ ایک پہاڑ کی شکل میں نظر آتا ہے۔

جیسے کہ آپ اس تصویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

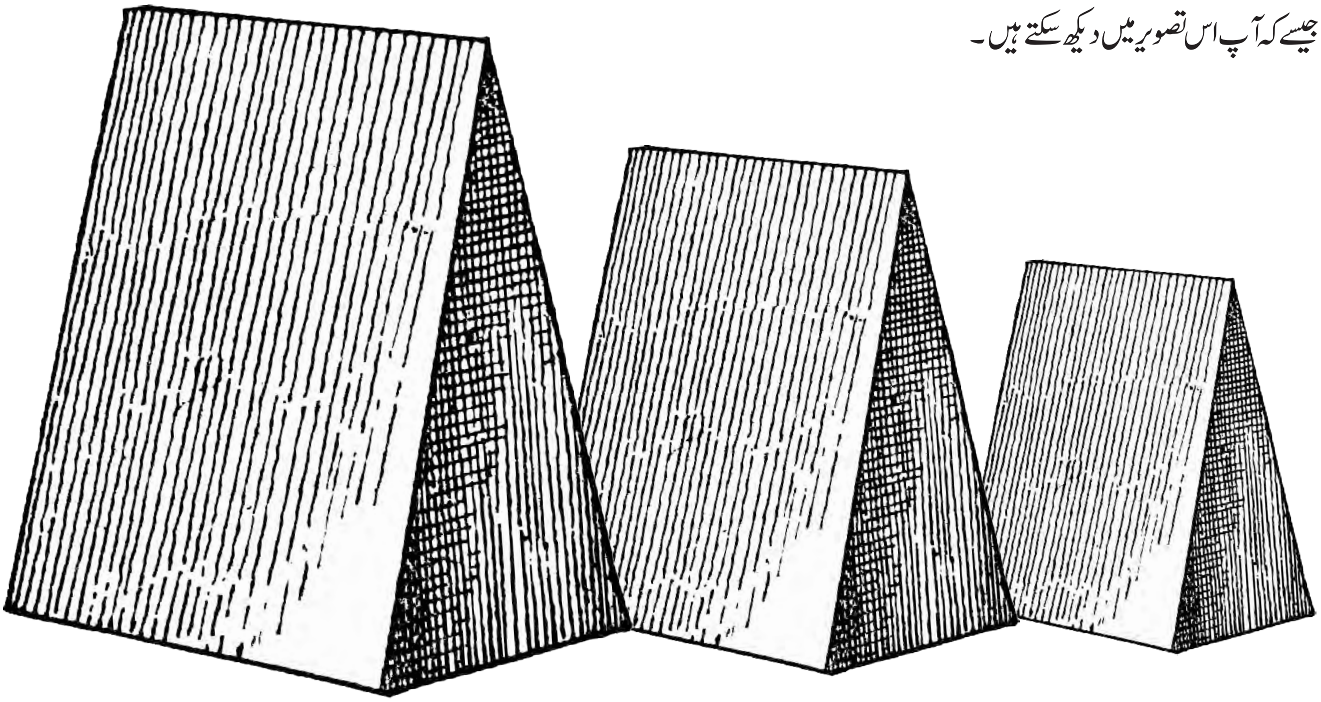

اور الحمد للہ اگر قرآن میں غور کیا جائے تو اللہ نے پہاڑوں کو بھی اوتاد کہا ہے۔

**وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا. النبا ۷**

اور پہاڑ الاوتاد یعنی پھانے۔

اور جب پہاڑوں کو دیکھیں تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقت میں پہاڑ پھانے ہی ہیں زمین میں پھانے کی طرح ہی مضبوطی سے گڑھے ہوئے ہیں ایسے کہ غیر متزلزل، اور اوپر کی جانب بھی بالکل پھانے کی طرح ہی نظر آتے ہیں جیسے کہ آپ آگے تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اللہ نے فرعون کو اوتا د والا کیوں کہا؟ کیا فرعون میں بھی وہی خصوصیات موجود تھیں جو پھانے اور پہاڑوں میں پائی جاتی ہیں؟ ان تمام سوالات کے جوابات اس وقت سامنے آتے ہیں جب ہمیں اس مقام پر انسان کے بنائے ہوئے اوتاد نظر آتے ہیں جہاں فرعون کی حکومت تھی یعنی ملک مصر میں۔ قرآن میں کئی مقامات پر اللہ نے بتا دیا کہ فرعون مصر پر حکومت کرتا تھا اور مصر میں فرعون کے آج بھی آثار موجود ہیں جن میں ایسے آثار جنہیں دیکھ کر انسان چونک جاتا ہے جنہیں اللہ نے قرآن میں اوتاد کہا۔ تصاویر میں دیکھئے۔

اللہ نے کتنا عظیم راز اپنے کلام میں کیسے کھول کر رکھا ہوا ہے کہ مصر میں موجود اوتاد جنہیں آج اہرام مصر کا نام دیا جاتا ہے اسی فرعون کے ہیں جسے غرق کر کے ہلاک کیا گیا اور جب ہم ان اوتاد یعنی پھانوں جنہیں اہرام مصر کا نام دیا جاتا ہے پر تحقیق کریں تو آج دنیا کے بڑے بڑے سائنسدان انہیں دنیا کے عجوبوں میں شمار کرتے ہیں اور یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ کیسے تعمیر کیے گئے۔ اتنے بڑے بڑے پتھروں کو کیسے اتنی غیر معمولی صفائی سے کاٹا گیا کہ اس طرح کاٹنا آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں بھی ناممکن ہے حالانکہ آج موجودہ انسان اپنی ترقی و جدیدیت کے حوالے سے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔

پھران پتھروں کو کیسے اٹھا کر اتنی بلندی پر باقاعدہ ریاضی کے پیچیدہ ترین علم کے مطابق رکھا گیا جو کہ آج بھی ناممکن ہے اور اس سے بھی غیر معمولی اور نہ سمجھ آنے والا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آس پاس دور دراز تک کہیں پہاڑوں کا نام ونشان نہیں اور الٹا اس کے برعکس وسیع ریگستان ہے تو یہ اتنی بڑی مقدار میں پتھر وہاں تک کہاں سے اور کیسے لائے گئے؟ اس کے علاوہ آپ خود بھی تحقیق کر سکتے ہیں کہ کتنے ہی لاتعداد سوالات پیدا ہوتے ہیں ان اہراموں کی تعمیر کو لے کر اور دنیا کے بڑے بڑے سائنسدان، علم رکھنے والے یہ تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں کہ یہ کام انسانوں کا ہو سکتا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ان کی تعمیر انسانوں کا کام نہیں بلکہ کسی اور مخلوق کا کام ہے جو ہماری زمین کے علاوہ کسی اور سیارے سے یہاں آئی جو ہم سے کئی گنا زیادہ غیر معمولی ٹیکنالوجی کی حامل ہے۔

جب قرآن نے روز روشن کی طرح واضح کر دیا کہ یہ اہرام یعنی یہ اوتاد فرعون کے ہیں تو اس میں کچھ شک نہیں رہتا کہ پھران کی تعمیر تو آل فرعون نے ہی کی اور پھر جب آج موجودہ جدید ٹیکنالوجی سے ان کی تعمیر ناممکن ہے اس سے کئی گنا بڑھ کر ٹیکنالوجی سے ہی تعمیر کیے جا سکتے ہیں تو پھر ہمیں یہ اندازہ لگانے میں مشکل نہیں رہتی کہ آل فرعون کتنی غیر معمولی ٹیکنالوجی کے حامل تھے تب ہی وہ ان کی تعمیر کر پائے۔

اور پھر یہ سب باتیں اس وقت مزید کھل کر واضح ہو جاتی ہیں جب ان اہراموں میں سے پتھروں پر نقش چونکا دینے والی اور حیران کن تصاویر ملتی ہیں۔

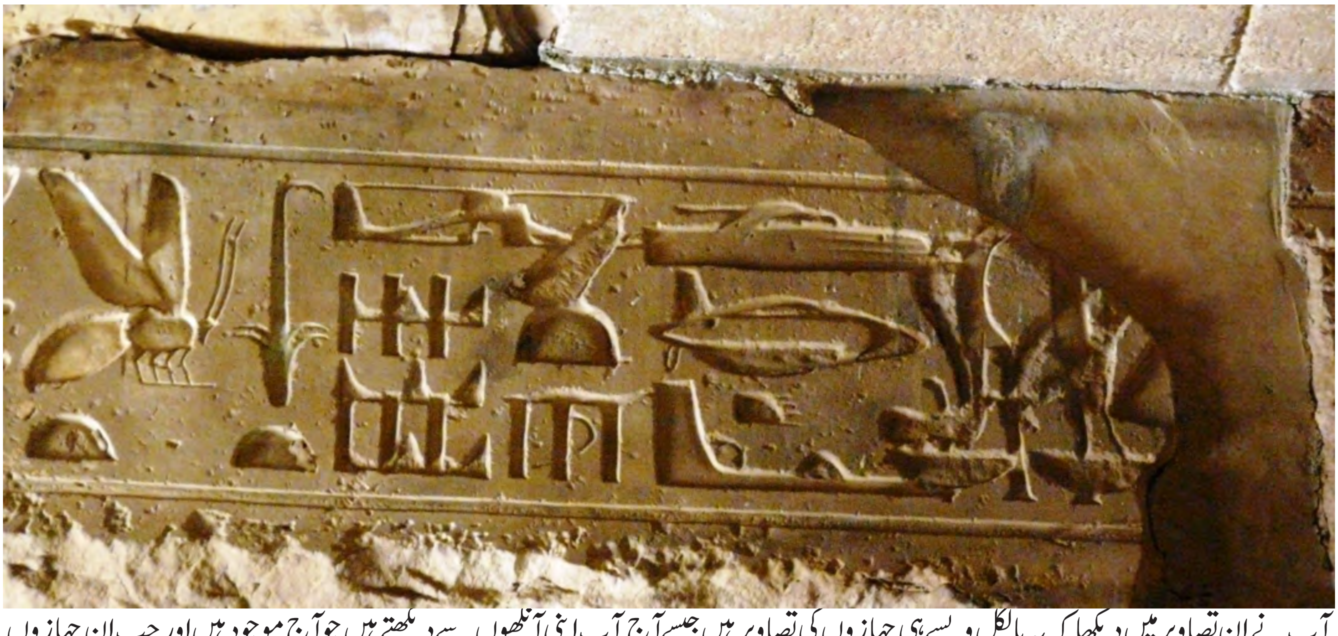

آپ نے ان تصاویر میں دیکھا کہ یہ بالکل ویسے ہی جہازوں کی تصاویر ہیں جیسے آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں جو آج موجود ہیں اور جب ان جہازوں کی تصاویر کا آج موجودہ دور کے جہازوں سے موازنہ کریں تو بالکل واضح ہوتا ہے کہ آل فرعون کے پاس جو یہ جہاز وغیرہ تھے اور آج کے جہاز یہ ایک ہی علم سے بنائے گئے ہیں اور یہ وہ بات تھی جو قرآن میں اللہ نے کہی کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے شیاطین تماثیل بناتے تھے جو ٹیکنالوجی پہلی قوموں کے پاس تھی اسی کی نقل یعنی بالکل اسی طرح کی بناتے تھے۔

بہر حال الکتاب تو کھول کھول کر بیان کر رہی ہے کہ آل فرعون کے پاس آج موجودہ جدید ٹیکنالوجی سے بڑھ کر کہیں آگے کی ٹیکنالوجی تھی فرعون بھی سفر ان جہازوں پر کرتا تھا جب آل فرعون کو اللہ نے غرق کیا تو اس کے بعد ان کے چھوڑے ہوئے باغات وغیرہ اور خزانوں کا وارث تو جلد ہی بنی اسرائیل کو بنا دیا لیکن ان کی چھوڑی ہوئی اس ٹیکنالوجی کا وارث اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو بنایا اور سلیمان علیہ السلام دنیا کی تاریخ میں واحد مومن تھے جنہوں نے اللہ کی زمین کے ایک ایک انچ کو فساد سے پاک کیا یہ سب اسباب اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو دیئے ہوئے تھے۔

جب داؤد کے بعد اس کے بیٹے سلیمان کو اقتدار منتقل ہوا یعنی سلیمان داود کا وارث بنا تو یہ تمام تر ٹیکنالوجی سلیمان کو بطور وراثت حاصل ہوگئی اس وقت سلیمان

کو اتنا علم نہیں تھا لیکن سلیمان خالص اللہ کا غلام تھا۔

سلیمان نے دیکھا کہ اسے جو کچھ وراثت میں ملا ہے یہ سب عوام کی خدمت کے لیے ہے اور یہی اس کی ذمہ داری ہے یوں سلیمان نے وراثت میں ملنے والی ٹیکنالوجی کو اپنے دو وزرا کی مشاورت پر عمل کرتے ہوئے عوام کی فلاح و بہبود کے نام پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔

جدید سفر کے ذرائع کی مارکیٹیں وجود میں آ گئیں، بیجوں میں جینیاتی تبدیلیاں کر کے زیادہ خوشنما اور کم وقت میں فصلیں اگائی جانے لگیں جس سے بیماریاں و فساد آہستہ آہستہ بڑھنے لگا، سلیمان کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ ان بیماریوں کے بڑھنے کی وجوہات کیا ہیں بلکہ وہ الٹا اپنے سائنسدانوں کو ان بیماریوں پر قابو پانے کے لیے ادویات کی تیاری میں لگائے رہے کہ وہ انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں یعنی وراثت میں ملنے والے تمام وسائل و اسباب کو انسانیت کی خدمت کے نام پر استعمال کیا جانے لگا لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ سلیمان کے اپنے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جو نامکمل اور بے جان دھڑ تھا۔

جب سلیمان کے اپنے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جو نامکمل اور بے جان دھڑ تھا تب سلیمان نے کہا کہ یہ اللہ کی خلق نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ کے لیے تو ہے ہی حمد اللہ ایسا خلق نہیں کرتا جس میں حمد نہ ہو جس میں خامیاں، خرابیاں اور نقائص ہوں، اللہ احسن الخالقین ہے اللہ جو بھی خلق کرتا ہے وہ احسن خلق کرتا ہے ایسا بہترین خلق کرتا ہے کہ جس سے بہتر اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا اس لیے جس میں اتنے بڑے بڑے عیوب ہوں خامیاں ہوں وہ اللہ کی خلق نہیں ہے اس کا ذمہ دار کوئی اور ہے اللہ کی خلق میں شرک کیا گیا جس وجہ سے ایسا بچہ پیدا ہوا تو حق کیا ہے اسے جاننے کے لیے سلیمان نے اس نامکمل اور بے جان دھڑ نما پیدا ہونے والے بچے پر تحقیقات کا حکم جاری کر دیا۔

جب تحقیقات کی گئیں کہ ایسا بچہ پیدا ہونے کی وجوہات کیا ہیں تو یہ بات سامنے آئی کہ جو کھاؤ گے وہی پروڈکٹ وجود میں آئے گی جو فصلیں اگائی جا رہی ہیں وہ انتہائی کم وقت میں زیادہ سے زیادہ اور خوشنما تو ہیں لیکن ان کا استعمال کرنے والوں کو فساد کا ہی سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ انسانی جسم کو جن عناصر کی ضرورت ہوتی ہے ان میں وہ تمام عناصر نہیں پائے جاتے اور ان کی مقدار و معیار بھی وہ نہیں ہوتا جو انسانی جسم کو درکار ہے۔ یعنی ساری کی ساری ذمہ داری حکومت پر عائد ہوئی۔

جیسے آج کوئی واقعہ ہوتا ہے اس کی حقیقت جاننے کے لیے تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جو تحقیقات کر کے اصل وجوہات اور اصل محرکات کو سامنے لاتی ہے بالکل ایسے ہی جب سلیمان کے اپنے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جو نامکمل اور بے جان تھا تو سلیمان نے یہ بات جاننے کے لیے کہ ایسا کیسے ہوا تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی اس کی مکمل تحقیقات کروائیں جب اس بچے پر تحقیقات کی گئیں تو اس کی ساری ذمہ داری حکومت پر عائد ہوئی حکومت کے سربراہ چونکہ سلیمان تھے اس لیے ساری ذمہ داری سلیمان کی کرسی پر پڑی کہ سلیمان جو کہ ریاست کا سربراہ ہے اس کی اجازت اور اس کے احکامات سے ہی بیجوں میں جینیاتی تبدیلیاں کی جا رہی ہیں حکومتی سرپرستی میں انسانیت کی خدمت کے نام پر یہ سب ہو رہا ہے حکومتی سرپرستی میں جینیاتی طور پر تبدیل شدہ بیجوں سے وجود میں آنے والی خوراک کے استعمال سے بیماریاں بڑھتی جا رہی ہیں فساد بڑھتا جا رہا ہے تو جب ساری ذمہ داری سلیمان کی کرسی پر پڑی تب سلیمان پر واضح ہوا کہ وہ فتنے کا شکار ہو چکا تھا جسے وہ ترقی اور انسانیت کی خدمت سمجھ کر اللہ کی غلامی سمجھ کر کر رہا تھا اصل میں تو یہ سب فساد فی الارض ہے یہ الدجّال ہے وہ اس کا ایک پہلو دیکھ رہا تھا دوسرا پہلو جو کہ اصل حقیقت ہے وہ تو اب اس کے سامنے آئی تو جیسے ہی سلیمان پر یہ فتنہ جو کہ فتنہ الدجّال تھا اس کی حقیقت واضح ہوئی اس فتنہ الدجّال کا باب لد سے قتل ہوا یعنی خالص اللہ کے عطا کردہ علم کی بنیاد پر اس فتنے کا دجل چاک ہوا تو سلیمان نے فوراً اللہ سے رجوع کیا جس کا ذکر اللہ نے اسی آیت میں کر دیا

وَلَقَدۡ فَتَنَّا سُلَيۡمٰنَ وَاَلۡقَيۡنَا عَلٰى كُرۡسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ. ص ۳۴

اور تحقیق کہ فتنہ میں ڈالا ہم نے سلیمان کو آزمایا ہم نے سلیمان کو اور ڈالا ہم نے اس کی کرسی پر ایک جسد پھر وہ فتنہ واضح ہونے پر حق واضح ہونے پر فوراً اللہ کی طرف پلٹا۔

قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ وَهَبۡ لِیۡ مُلۡكًا لَّا يَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ. ص ۳۵

قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ کہا تھا سلیمان نے اے میرے ربّ غفر کر میرے لیے یعنی اب تک جو کچھ بھی ملاوٹیں ہوئی چھیڑ چھاڑ ہوئی فطرت میں میری وجہ سے، ان ملاوٹوں کو نکال کر مخلوقات کو فطرت کو فساد سے پاک کرنا بھی میرے لیے کر دے کہ آج تک جو بھی فساد ہوا فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر کے اسے ملاوٹ زدہ کیا گیا

اسے ان ملاوٹوں سے پاک کرنے فساد کو روکنے کے لیے تاکہ دوبارہ ہر شئے خالص ہو جائے اپنی اصل حالت میں آجائے مجھے ہی یہ ذمہ داری دے وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّایَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اور مجھے ہر طرح سے آزما چکنے کے بعد جب کہ میں اس کا اہل ثابت ہو چکا ہوں ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی ایک کے لیے بھی نہ ہو اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ اس میں کچھ شک نہیں تُو، تُو ہی ہے جو ہر طرح سے آزما کر اس کا اہل ثابت ہو جانے کے بعد دے رہا ہے۔

اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے مثال کے طور پر آپ کسی ایسے کارخانے میں کام کرتے ہیں جس کے بارے میں معاشرے میں مشہور ہے کہ وہ ادویات بنا کر انسانیت کی خدمت کر رہا ہے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کارخانے میں ادویات نہیں بلکہ ادویات کے نام پر زہر تیار کر کے لوگوں کو کھلایا جا رہا ہے اور لوگ اس دھوکے کا شکار ہیں ہر کوئی اسے مسیحا ہی سمجھتا ہے۔

اب آپ سے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ آپ جس کارخانے میں کام کرتے ہیں وہاں ادویات نہیں بلکہ زہر بنا کر لوگوں کو کھلایا جا رہا ہے تو کیا آپ ساری دنیا کے برعکس اس بات کو مان لیں گے؟ نہیں آپ بالکل نہیں مانیں گے کیونکہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اور اپنے کانوں سے سن رہے ہیں کہ اکثریت کے نزدیک وہ کارخانہ ادویات بنا کر انسانیت کی خدمت کر رہا ہے اور اس کے مالکان تو انسانیت کے لیے مسیحا ہیں تو آپ اس کے بالکل برعکس بات کو کیسے مانیں گے؟ بلکہ آپ بھی اسے مسیحا ہی تسلیم کریں گے۔

لیکن کل کو ایسا ہوتا ہے کہ آپ کا اپنا بچہ بیمار ہوتا ہے آپ اسی کارخانے کی تیار شدہ دوائی اپنے بچے کو کھلاتے ہیں جس میں آپ کام کرتے ہیں جسے ساری دنیا مسیحا سمجھتی ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ کے بچے کی موت ہو جاتی، جب بچے کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے تو پوسٹ مارٹم میں بچے کی موت کی وجہ اس دوائی کو قرار دیا جاتا ہے کہ اگر بچے کو وہ دوائی نہ دی جاتی تو بچے کی موت نہ ہوتی تو اب آپ سے سوال ہے کہ ایسی صورت میں آپ کی سوچیں آپ کے جذبات آپ کے خیالات کیا ہوں گے؟

کیا اب بھی آپ اکثریت کی ہی زبان بولیں گے؟ یا پھر اب حق آپ پر اس قدر واضح ہو چکا کہ آپ کو کسی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں؟ اور جو آپ کے بچے کا قاتل ہو کیا آپ اسے ایسے ہی چھوڑ دیں گے معاف کر دیں گے؟ نہیں بلکہ اگر آپ کے پاس اس کارخانے کے مالکان سے بڑھ کر قوت ہو تو نہ صرف آپ مالکان سے پورا بدلہ لیں گے بلکہ کارخانے کو تباہ کر کے رکھ دیں گے اور اگر آپ کے پاس قوت نہ ہو لیکن کوئی آپ کے سامنے ایسا ہو جو آپ کو اتنی قوت دے سکے تو آپ کیا کریں گے آپ کیا چاہیں گے؟

آپ یہی چاہیں گے اور کہیں گے کہ اگر مجھے اتنی قوت دے دی جائے تو میں کارخانے اور اس کے مالکان کو صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا بالکل ایسے ہی جب تک سلیمان کے اپنے سر پر نہیں پڑی سلیمان پر حق واضح نہیں ہوا سلیمان کی سربراہی میں انسایت کی خدمت کے نام پر فساد ہوتا رہا جیسے آج ہو رہا ہے ہر کوئی موجودہ ایجادات اور سائنس کے دن بہ دن آگے بڑھنے کو ترقی اور انسانیت کی خدمت قرار دے رہا ہے لیکن جیسے ہی سلیمان کے اپنے سر پر پڑی اور سلیمان پر حقیقت واضح ہوئی الدجّال کا قتل ہو گیا تو سلیمان نے دیکھا کہ اس وقت پوری دنیا میں ترقی کے نام پر فساد ہو رہا ہے تو سلیمان نے اپنے ربّ سے دعا کی کہ اے میرے ربّ مجھے تُو نے فتنے میں ڈالا جو کہ اب مجھ پر واضح ہو چکا تو اگر تُو مجھے ایسا ملک دیتا ہے جو میرے بعد کسی ایک کے لیے بھی نہ ہو تو میں پوری زمین کو اس فتنہ الدجّال سے پاک کر دوں گا، مسیحاؤں، انسانیت کے خدمت گزاروں کے نام پر مفسدین کو ان کے کیے کی سزا دوں گا پوری زمین کو اس فتنے سے پاک کر دوں گا اور تُو تو مجھے آزما بھی چکا ہے اب جب کہ میں فتنے میں کامیاب ہو چکا ہوں اس ذمہ داری کا اہل ثابت ہو چکا ہوں تو مجھے ایسا ملک یعنی پوری زمین میں زمین کے مغرب و مشرق تک کا مکن دے اور اللہ نے سلیمان کی اس دعا کو قبول کرتے ہوئے القرنین یعنی دو مخصوص قرن زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار و اختیار دیا۔

اب آپ خود غور کریں کہ ذی القرنین یعنی وہ شخصیت جسے دو مخصوص قرن دیئے گئے جو کہ زمین کے مغرب و مشرق تک کا مکن ہے وہ کون ہے کیا وہ سلیمان کے علاوہ کوئی دوسرا ہے؟ نہیں بالکل نہیں وہ اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام تھے نہ کے سکندر اعظم یا سائرس ایرانی نامی مشرکین۔

آپ نے جان لیا کہ سلیمان علیہ السلام نے اپنے ربّ سے ایسا ملک مانگا جو اس کے بعد کسی ایک کے لیے بھی نہ ہو اور ایسا ملک جسے دیا گیا اسے قرآن میں ذی القرنین کہا گیا تو کیا ذی القرنین سلیمان کے علاوہ کوئی اور ہو سکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں بلکہ اس پہلو سے بھی یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ ذی

القرنین سلیمان علیہ السلام تھے۔

اب ذرا غور کریں سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے ایسا ملک اس لیے مانگا تا کہ وہ پوری زمین کو ترقی کے نام پر فساد ٹیکنالوجی یعنی فتنہ الدجّال سے پاک کر دے جس کے لیے ہر شئے سے اسباب کی ضرورت تھی تو ظاہر ہے سلیمان کو ہر شئے سے اسباب دیئے گئے لیکن جسے ہر شئے سے اسباب دیئے گئے قرآن اسے ذی القرنین کہہ رہا ہے تو پھر ذی القرنین کون ہوا؟ اس پہلو سے بھی بالکل واضح ہو گیا کہ ذی القرنین سلیمان علیہ السلام تھے۔

اب سلیمان کے پاس اس کو دیئے گئے اسباب کے ذریعے زمین میں ہونے والے فساد کی خبریں آتیں سلیمان نے ملک عظیم مانگا تھا جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سلیمان کے پاس زمین کے مغرب میں ہونے والے فساد کی خبریں بھی آئیں اور اسی طرح مشرق میں ہونے والے فساد کی خبریں بھی اور پھر سلیمان نے نہ صرف زمین کے مغرب جہاں خشکی ختم ہو جاتی ہے آگے سمندر ہی سمندر ہے وہاں تک کا سفر کیا وہاں زمین کو فساد سے پاک کیا مفسدین کو ان کے کیے کی سزا دی شیاطین کو قتل وقید کیا اور جو کچھ کرنا لازم تھا وہ کیا بلکہ بالکل اسی طرح زمین کے مشرق میں جہاں خشکی ختم ہو جاتی ہے اور آگے سمندر ہی سمندر ہے وہاں بھی کیا، تو اس کا قرآن میں ذکر آنا لازم ہے اور جب قرآن سے سوال کیا جائے تو قرآن میں سورۃ الکھف کے اس مقام پر ہی اس سب کا ذکر کیا جا رہا ہے اور جس نے زمین کے مغرب و مشرق کے سفر کیے وہاں مفسدین کو قتل وقید کیا اسے ذی القرنین کہا جا رہا ہے اب آپ خود فیصلہ کریں کے ذی القرنین کون ہے؟ کیا سلیمان کے علاوہ کوئی دوسرا ذی القرنین ہو سکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں۔

پھر سورۃ ص کی ان آیات میں دیکھیں

**فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّيۡحَ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ رُخَآءً حَيۡثُ اَصَابَ.** ص ۳۶

پس سخر کر دیا ہم نے یعنی اس کے اختیار میں دے دیا ہم نے ہوا کو جو اس کے امر سے بہتی تھی جو کہ اس کے تیز ترین سواری کے ذرائع تھے جہاں کہیں بھی اس کو جانا ہوتا تھا

**وَالشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ.** ص ۳۷

اور شیاطین کو اس کے اختیار میں دے دیا یعنی شیاطین پر اسے دسترس دے دی جو ہر طرح کی تعمیرات کرنے والے تھے مادی یا غیر مادی اور وہ تعمیرات بھی جو سمندروں میں پانیوں میں غوطہ زن ہو کر بنائی گئیں یا وہ شیاطین بھی اس کی دسترس میں دے دیئے جو پانیوں میں سمندروں میں غوطہ خوری کرنے والے تھے

**وَّاٰخَرِيۡنَ مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ.** ص ۳۸

اور دوسرے وہ شیاطین بھی اس کے اختیار میں دے دیئے ان دوسرے شیاطین پر بھی اسے دسترس دے دی جو ہتھکڑیوں، زنجیروں، جیلوں وغیرہ میں جکڑے گئے تھے

**هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ.** ص ۳۹

یہ ہماری عطا ہے جو ہم نے اسے عطا کیا پس وہ انہیں امان دے یعنی جب ان پر دسترس پائی تو ان کو ان کی چاہت کے مطابق رہا کر دے انہیں کوئی سزا نہ دے یا انہیں رہا نہ کرے ان سے جو چاہے کام لے جہاں چاہے ان کا استعمال کرے کسی بھی قسم کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔

سلیمان علیہ السلام کو جب فتنہ میں ڈالا اور انہوں نے فتنہ کو پہچان کر فوراً اللہ سے رجوع کیا اللہ کی امانت کے اہل ثابت ہوئے تو سلیمان علیہ السلام نے ایسا ملک مانگا جو اس کے بعد کسی ایک کو بھی نہ دیا جائے تو نہ صرف سلیمان کو ایسا ملک دیا گیا بلکہ اگلی آیات میں اللہ نے جو کچھ سلیمان کو عطا کیا اور جیسے عطا کیا اس کا ذکر کیا جیسے کہ سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کیا اور وہ اپنے تیز ترین سواری کے ذرائع سے جہاں چاہتے انتہائی تیز رفتاری سے سفر کرتے، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ سفر انہوں نے کہاں اور کیوں کیے؟ تو اگلی ہی آیات میں اس کا جواب بھی موجود ہے سلیمان کو ایسے ایسے ماہر شیاطین پر دسترس دی گئی جو ہر طرح کی مادی و غیر مادی تعمیرات کے ماہر تھے اور وہ بھی جو پانیوں میں سمندروں میں غوطہ خوری کی ماہر تھے اور وہ شیاطین بھی جنہیں سلیمان نے ہتھکڑیوں میں، جیلوں میں مضبوطی

سے جھکڑ کر قید کیا اور جب سلیمان نے ان لوگوں پر دسترس پائی تو اللہ نے کہا کہ انہیں امان دے یا ان سے کام لے انہیں قید کر سزا دے تجھ سے اس کا کوئی حساب نہیں لیا جانے والا۔

اس سے پہلی بات تو یہ ثابت ہو جاتی ہے کہ سلیمان نے تیز ترین فضائی سفر کے ذرائع سے جو سفر کیے ان کا مقصد زمین میں ہونے والے فساد کی جڑ مفسدین شیاطین جنہیں انسان سائنسدانوں کا نام دیتے ہیں یا وہ لوگ جو دنیا پر براہ راست اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان تک پہنچنے ان پر دسترس پانے کے لیے سفر کیے اور پھر جب انہیں قتل وقید کیا تو اس کا اختیار بھی اللہ نے سلیمان کو ہی دے دیا سلیمان جو چاہے ان کیساتھ کرے اور حیران کن طور پر اسی واقعے کو ایک دوسرے پہلو سے سورۃ الکھف میں سلیمان کی جگہ ذی القرنین کا لفظ استعمال کرتے ہوئے بیان کیا گیا۔

فَاَتۡبَعَ سَبَبًا. حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِیۡ عَیۡنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا قُلۡنَا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِیۡهِمۡ حُسۡنًا. قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا. وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ الۡحُسۡنٰی وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا یُسۡرًا. ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا. حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا. كَذٰلِكَ وَقَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَیۡهِ خُبۡرًا. ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا. حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا لَّا یَكَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا. الکھف ٨٥ تا ٩٣

وہ شخصیت جسے ذی القرنین کہا گیا اس کی پہچان کے لیے بتا دیا گیا کہ ذی القرنین وہ ہے جس کو نہ صرف زمین میں مکن دیا بلکہ ہر شئے سے اسباب دیئے ان اسباب میں سے سبب کے ذریعے جب اس کے پاس خبر آئی زمین کے مغرب کی طرف ہونے والے فساد کی تو اس نے اس کی اتباع کی یعنی اس کے پیچھے پڑا پھر جہاں پہنچا وہاں ایک ایسی قوم کو پایا جو مفسد قوم تھی یعنی زمین میں فساد کرنے والے لوگ اور جب ذی القرنین نے ان پر دسترس پالی تو اللہ نے کہا قُلۡنَا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِیۡهِمۡ حُسۡنًا اے ذی القرنین تجھے اختیار ہے کہ تو جو جی چاہے ان کیساتھ کر اگر تُو چاہے تو جوانہوں نے فساد کیا ان کے کیے کی انہیں سزا دے اور تُو چاہے تو ان کو سزا دینے کی بجائے ان میں حسن اخذ کر یعنی زمین میں ہونے والے فساد کی روک تھام کے لیے اگر یہ تیرے کام آسکتے ہیں تو ان سے وہ کام لے تجھ سے ان کے بارے میں کوئی حساب نہیں لیا جائے گا اور پھر جب وہ شخصیت جسے ذی القرنین کہا گیا وہ مشرق میں پہنچی اسباب کی اتباع میں تو وہاں بھی اس نے وہی کیا اور اللہ نے بھی وہی کہا۔

اب آپ خود غور کریں اللہ نے ایک ہی واقعے کو دو مختلف پہلوؤں سے قرآن میں بیان کیا ایک مقام پر نام کیساتھ ذکر کیا سلیمان اور دوسرے مقام پر سلیمان نام کی بجائے لفظ ذی القرنین کا استعمال کیا جس کے معنی وہ شخص جسے زمین کے دونوں مخصوص قرن حاصل ہوئے جو کہ زمین کے مغرب و مشرق تک مکن ہے۔

اس پہلو سے بھی یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ ذی القرنین کوئی اور نہیں بلکہ اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام تھے وہ سلیمان علیہ السلام ہی تھے جس نے مغرب و مشرق کے سفر کیے اور وہاں شیاطین جو کہ زمین میں فساد کے ذمہ دار تھے ان پر دسترس پائی تو اللہ نے انہیں ہر قسم کا اختیار دے دیا کہ انہیں سزا دے یا پھر اگر وہ زمین میں فساد ختم کرنے زمین کی اصلاح کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں تو ان سے کام لے اس سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا اس لیے ذی القرنین کوئی اور نہیں بلکہ سلیمان علیہ السلام تھے۔

پھر ذرا غور کریں جب ذی القرنین مغرب و مشرق میں بنائی جانے والی سدین یعنی دو رکاوٹوں کے درمیان پہنچا تو وہاں جس قوم یعنی لوگوں کو پایا ان کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا. ٩٢ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا لَّا یَكَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا. ٩٣ پھر اس نے اتباع کی اسے دیئے گئے اسباب میں سے ایک سبب کی یہاں تک کہ جب پہنچا مغرب اور مشرق والی دونوں رکاوٹوں کے درمیان یعنی پہلے اس نے مغرب کا سفر کیا وہاں مفسدین شیاطین کو قتل وقید کیا وہاں ایک سد قائم کی یاجوج اور ماجوج کو فساد سے روک دیا پھر مشرق کی طرف سفر کیا تو وہاں بھی وہی کیا وہاں بھی ایک سد قائم کی پھر ان سدین یعنی مغرب و مشرق والی دونوں رکاوٹوں کے درمیان پہنچا تو وہاں بھی نہ صرف دو رکاوٹیں پائیں بلکہ ان سے ہٹ کر ایک قوم کو بھی پایا ایسی قوم جو کسی ایک بھی بات کو سمجھنے کے قریب بھی نہ تھے لیکن اسکے باوجود وہ شخصیت جسے ذی القرنین کہا گیا اس نے نہ صرف ان کی ہر بات کو سمجھا بلکہ انہیں اپنی

ہر بات سمجھائی بھی۔

اب ذرا غور کریں اگر سکندر اعظم یونانی مشرک یا سائرس ایرانی مشرک ان دونوں میں سے کوئی بھی ذی القرنین تھا تو انہیں ایسی صلاحیت حاصل تھی کہ وہ کسی ایسی قوم سے بات چیت کر سکتے ان کا مسئلہ سمجھ سکتے اور انہیں اپنی ہر بات سمجھا سکتے جو لوگ کسی ایک بھی بات کو سمجھنے والے نہیں تھے؟

اگر اللہ سے سوال کریں کہ اے اللہ وہ کون سا شخص تھا جس کو ایسے اسباب بھی دیئے گئے تھے جن کے ذریعے وہ ان سے بھی با آسانی کلام کر سکتا تھا جو کوئی ایک بھی بات سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے تو اللہ نے اس سوال کا جواب بھی قرآن میں بالکل واضح دے دیا۔

حَتّیٰٓ اِذَآ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰٓاَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ.

فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنْ قَوْلِھَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ. النمل ۱۸، ۱۹

سورۃ النمل کی ان آیات میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ سلیمان علیہ السلام ہی وہ شخصیت تھے جنہیں انسان تو انسان بلکہ جانداروں یہاں تک کہ چیونٹیوں تک سے کلام کرنے کی صلاحیت دی گئی تھی سلیمان کو ایسے اسباب دیئے گئے تھے جن سے وہ ہر کسی سے کلام کر سکتے۔ جس سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ ذی القرنین کوئی اور نہیں بلکہ اللہ کے صالح نبی سلیمان علیہ السلام تھے جنہوں نے ایک ایسی قوم سے با آسانی کلام کیا جو کسی ایک بھی بات کو سمجھنے یا سمجھانے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔

اور اگر سورۃ النمل کی ان آیات کو سامنے رکھا جائے تو سلیمان علیہ السلام کا چیونٹیوں کا کلام سمجھنے کا ذکر کرنا آخر کس مقصد کے لیے قرآن میں بیان کیا گیا؟ اللہ کچھ بھی بغیر کسی مقصد کے نہیں کرتا وہ جو بھی کرتا ہے حق کیساتھ یعنی کسی نہ کسی مقصد کے لیے کرتا ہے اس کے ہر کام کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ تو ذرا غور کریں ایک شخص کا چیونٹیوں کی بات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھنے کا ذکر کرنا کس مقصد کے لیے بیان کیا گیا؟ سورۃ الکھف میں بیان کیے جانے والے ذی القرنین کے واقعے کی روشنی میں دیکھیں تو یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ اللہ نے ذی القرنین کو واضح کرنے کے لیے قرآن میں یہ آیات اتاریں لیکن یہاں اس پہلو سے بھی یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ ذی القرنین اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام تھے نہ کہ کوئی سکندر یا سائرس نامی مشرک۔

پھر ذرا غور کریں جب ذی القرنین سدین کے درمیان پہنچا اور وہاں دو چٹانوں کے درمیان درے کو بند کیا اس درے کو بند کرنے کے لیے بارہ کلومیٹر لمبی اور پانچ کلومیٹر بلند چوٹیوں پر مشتمل سد قائم کی۔ ایسی سد جو پوری ایک قوم کے بس کا کام نہیں تھا جو ذی القرنین نے کیا ذرا غور کریں کیا وہ سد بغیر اسباب کے بنائی جا سکتی تھی؟

اس کے لیے زبر الحدید یعنی خام صورت میں لوہا جو کہ پہاڑوں کو کاٹ کر پتھروں کی صورت میں حاصل ہوتا ہے وہ استعمال کیا گیا جو کہ لاکھوں کروڑوں ٹن وزن پر مشتمل تھا آخر وہ خام لوہا پہاڑوں سے کیسے حاصل کیا گیا؟ اس سے بارہ کلومیٹر لمبی اور پانچ کلومیٹر بلند آسمان کو چھوتی چوٹیاں کیسے بنائی گئیں؟ ان سب کے لیے تو نہ صرف ماہر تعمیرات جنہیں انجینئرز وغیرہ کہا جاتا ہے ان کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ انتہائی بھاری مشینری کی ضرورت ہوتی ہے آخر یہ سب اسباب کس کو دیئے گئے؟ کس کے اختیار میں ایسے ماہر انجینئرز تھے؟

پھر اس سد کی تعمیر کے لیے ہزاروں ٹن پگھلا ہوا تانبہ استعمال کیا گیا اتنی بڑی مقدار میں تانبہ پگھلانے کے لیے نہ صرف غیر معمولی بڑے بڑے دھاتوں کو پگھلانے والے برتن اور وسائل درکار ہیں بلکہ ان برتنوں میں غیر معمولی مقدار میں پگھلے ہوئے تانبے کو اٹھا کر ہزاروں میٹر بلند چوٹیوں پر انڈیلنے کے لیے ماہر لوگوں اور غیر معمولی تعمیراتی مشینوں کا ہونا لازم ہے تو یہ سب کس کو دیا گیا کس کے پاس ایسے وسائل تھے اور کس نے ان وسائل کا اس مقصد کے لیے استعمال کیا؟

جب اللہ سے یہ سوالات کیے جائیں تو اللہ قرآن میں ان سوالات کا یوں جواب دیتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ وَالطَّیْرَ وَاَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَا. سباء ۱۰

اور تحقیق کہ دیا ہم نے داؤد کو ہم سے فضل، اے پہاڑ واوّبی ہو جاؤ اس کے ساتھ اور اے فضا میں تیرنے والو تم بھی یعنی پہاڑ اور فضا میں تیرنے والے اس سے پہلے طاغوت کی غلامی کر رہے تھے لیکن وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ انسان کو چونکہ ان پر اختیار دیا گیا تو اللہ کی مرضی میں ہی پہاڑ اور فضا میں تیرنے والے اللہ کی بغاوت میں استعمال ہو رہے تھے مفسدین کے ہاتھوں تو جیسے ہی داؤد کو زمین پر اختیار دیا گیا پہاڑوں اور فضا میں تیرنے والوں پر داؤد کو اختیار دیا گیا تو اب پہاڑ اور فضا میں تیرنے والے جب داؤد کے ذریعے اللہ کی غلامی میں استعمال ہونگے ان سے زمین کی اصلاح کا کام لیا جائے گا تو یہ ان کا اوّبی ہونا ہے داؤد کیساتھ اور نرم کر دیا ہم نے اس کے لیے لوہا۔

داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کرنے سے مراد قطعاً یہ نہیں کہ جو کچھ آج تک پھیلا دیا گیا کہ داؤد علیہ السلام ہاتھ میں لوہا پکڑتے اور وہ موم کی طرح نرم ہو جاتا یہ ملاّؤں کی من گھڑت کہانیاں ہیں جن کا حقیقت کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔

اللہ نے قرآن ہی میں واضح کر دیا کہ داؤد کو علم دیا تھا اس علم کے ذریعے داؤد کے لیے لوہے کو نرم کر دیا یعنی داؤد علیہ السلام کو وہ علم دیا جس علم سے لوہے کو پگھلا کر اس سے جو چاہے بنایا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ داؤد کو زمین کی اصلاح کے لیے پہاڑوں سے بھی جو نکال کر استعمال کرنا چاہتے اس کی اجازت دی گئی داؤد پہاڑوں سے خام صورت میں لوہا نکال کر اسے پگھلا کر خالص کرتے اور پھر اس سے ہتھیار وغیرہ بناتے، اور بعد میں سلیمان کو داؤد کا وارث بنایا گیا جیسا کہ اس آیت میں واضح کر دیا گیا۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ .النمل ۱۶

یعنی جیسے پہاڑوں کو زمین کی اصلاح کے لیے جہاں بھی استعمال کرنے کی ضرورت پڑے داؤد کو اس کی اجازت دی گئی تھی بالکل ایسے ہی وہ فضل سلیمان کو بھی حاصل ہو گیا۔ یوں اس سوال کا جواب اللہ نے اس آیت میں ہی دے دیا کہ ذی القرنین نے جو دو چٹانوں کو خام لوہے سے بند کیا وہ خام لوہا پہاڑوں کی صورت میں سلیمان کو عطا کیا گیا اس لیے ذی القرنین کوئی اور نہیں بلکہ سلیمان علیہ السلام تھے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَىْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ. وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ . النمل ۱۶، ۱۷

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ. يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِىَ الشَّكُوْرُ . سباء ۱۲، ۱۳

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ. وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاص. وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَاد. هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ . ص ۳۶ تا ۳۹

اس وقت آپ کو سورۃ النمل، سورۃ سباء اور سوۃ ص کی آیات نظر آ رہی ہیں جن میں اللہ کا کہنا ہے کہ سلیمان کو داؤد کا وارث بنا دیا، سلیمان کو علم دیا گیا، سلیمان کو ہر شئے میں سے دیا گیا، سلیمان کے لیے اس کے لشکر اس کی فوجیں جن وانس سے اکٹھی کی گئیں، سلیمان کو ہواؤں میں سفر کرنے کے تیز ترین سواری کے اسباب بھی دیئے گئے، ہوا کو مسخر کر دیا گیا، ہر طرح کی تعمیرات کرنے والے ماہر سے ماہر شیاطین میسن سلیمان کے اختیار میں دے دیئے، سمندروں میں غوطہ خوری اور سمندروں میں کسی بھی طرح کے کام کرنے والے ماہرین دیئے گئے، سلیمان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا گیا یعنی بڑی مقدار میں تانبہ سلیمان نے کہیں ایسے پگھلا کر استعمال کیا جیسے کہ تانبے کا چشمہ جاری کر دیا گیا ہو، سلیمان کو، جن وانس سے ہر طرح کے ماہرین سائنسدان، انجینئر، تعمیراتی کاموں کے ماہر، ایجادات کرنے والے سب کے سب سلیمان کے لیے کام کرتے تھے، ہر طرح کا جدید ترین اسلحہ بناتے اور وہ سب کا سب بناتے جو پہلی ہلاک شدہ اقوام بنا چکی تھی جس کی بھی اللہ کے قانون میں زمین کی اصلاح کے لیے ضرورت ہوتی، لوہے، تانبے اور دھاتوں کو پگھلانے کے لیے اتنے بڑے بڑے برتن جن میں

دھاتیں لوہا و تانبہ وغیرہ پگھلایا جاتا جیسے کہ تالاب ہوں، پہاڑوں کی طرح بلند اور غیر متزلزل چوٹیاں بنانے کے لیے ایسی چوٹیاں جنہیں کوئی کھود نہ سکے، ڈھا نہ سکے، سوراخ وغیرہ نہ کر سکے بنانے کے لیے پگھلے ہوئے لوہے و تانبے وغیرہ کو اٹھانے اور انڈیلنے والے ایسے بڑے بڑے برتن کہ جنہیں پکڑنے اور انڈیلنے کے لیے کُنڈے لگے ہوں ان سے پہاڑوں کی طرح بلند و بانگ غیر متزلزل چوٹیاں بناتے سلیمان کے لیے اس کے حکم سے۔

**شَآء:** کہتے ہیں قانون کو۔ جو قانون وضع کر دیا یا بنا دیا اسی کے مطابق کرنا یا اسی کے مطابق ہونا۔

**مَّحَارِیْب:** جنگی ساز و سامان، اسلحہ، بارود اور ہتھیار وغیرہ۔

**تَمَاثِیْلَ:** نقالیں یعنی اگر کوئی شئے جو پہلے گزرے ہوؤں نے بنائی اسی طرح کی دوبارہ بنا دینا۔ جیسا کہ پہلی قوموں کے زمین پر جو آثار نظر آتے ہیں جو جو ٹیکنالوجی بھی پہلی قومیں بنا چکی تھیں اس میں سے جو بھی کہتے وہ بنا دیتے۔ پچھلی قوموں کے پاس کیا تھا اس کی آگے صراحت کیساتھ وضاحت آئے گی۔ جیسے ہم اسی لفظ کو قرآن کے درج ذیل مقام سے ہی سمجھ لیتے ہیں۔

فَارْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا. مریم ۱۷

پس بھیجا ہم نے اس کی طرف اپنی روح کو پس جو روح ہم نے بھیجی اس کی طرف وہ بالکل اس کی مثل ایک بشر بنایا گیا یعنی جیسے مریم طیب تھی بالکل ایسے ہی وہ بشر بھی طیب تھا۔

یہ مریم کی طرف جو اللہ نے اپنی روح بھیجی جو بالکل مریم کی مثل بشر تھا تو اس آیت میں لفظ مثل کو باآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس لیے کیونکہ تماثیل کا ترجمہ مورتیاں اور بت وغیرہ کر دیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے، نہ صرف غلط بلکہ یہ سلیمان علیہ السلام پر یہودیوں ہی کی طرح خود کو مسلمان کہلوانے والوں کا بھی بہت بڑا بہتان ہے کہ سلیمان علیہ السلام بت بنواتے تھے۔ مثل کہتے ہیں نقل کو جسے کاپی بھی کہتے ہیں یعنی ایک شئے کی طرح کی ایک دوسری شئے۔ یعنی ایک شئے جو پہلے سے موجود ہو یا موجود تھی تو بالکل اسی کی طرح دوسری بنائی جانے والی شئے کو مثل کہتے ہیں۔

گزشتہ اقوام کو جو حاصل تھا جس کی تماثیل بنائی گئیں انہیں تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

**جِفَانٍ کَالْجَوَابِ:** لوہے، تانبے، سلور وغیرہ سمیت دھاتوں کو پگھلانے کے لیے بڑے بڑے برتن ’’کٹھیالیاں‘‘ جیسے کہ تالاب ہوں۔ جب ان سے لوہا یا تانبہ پگھلا کر نکالا جائے تو اتنی مقدار میں نکلے کہ جیسے کوئی چشمہ جاری ہو گیا ہو۔

**قُــدُوْرٍ رّٰسِیٰت:** پگھلے ہوئے لوہے وتانبے وغیرہ کو اٹھانے اور انڈیلنے والے ایسے بڑے بڑے برتن کہ جنہیں پکڑنے اور انڈیلنے کے لیے کنڈے لگے ہوں پہاڑوں کی طرح بلند اور غیر متزلزل جنہیں کوئی کھود نہ سکے، ڈھا نہ سکے، سوراخ وغیرہ نہ کر سکے ایسی چوٹیاں بنانے کے لیے۔

ذرا غور کریں اس سب کے سب کی ضرورت تو ذی القرنین کو تھی لیکن یہ سب دیا گیا سلیمان کو تو ذی القرنین کون ہوا؟ جواب بالکل واضح ہے کہ ظاہر ہے اگر دیا گیا سلیمان کو اور استعمال ذی القرنین نے کیا یعنی اس شخص نے جسے دو مخصوص قرن حاصل تھے یعنی زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار و اختیار حاصل تھا تو وہ داؤد کا بیٹا سلیمان تھا نہ کہ کوئی اور اس لیے ذی القرنین کوئی اور نہیں بلکہ سلیمان تھا۔

آپ خود غور کریں کہ ان سب کا استعمال ذی القرنین نے کیا لیکن دیا گیا سلیمان کو تو ذی القرنین کون ہوا؟

ایسے ماہرین تعمیرات اور تعمیراتی اسباب یعنی مشینیں وغیرہ تو ذی القرنین کے پاس ہونے چاہیے تھے کیونکہ استعمال تو ذی القرنین نے ان سب کا کیا لیکن دیئے گئے سلیمان کو تو ذی القرنین کون ہوا؟ ظاہر ہے سلیمان ہی ذی القرنین تھا۔

غیر معمولی مقدار میں تانبے کو پگھلا کر ذی القرنین نے استعمال کیا سد کی تعمیر میں لیکن غیر معمولی مقدار میں تانبہ دیا گیا سلیمان کو، اسے پگھلانے کے لیے تالابوں کی مانند کنڈے لگے برتن جن سے ان تالابوں نما برتنوں میں پگھلے ہوئے تانبے کو نہ صرف پگھلایا جا سکے اور پگھلایا بلکہ اٹھایا جا سکے اور اٹھایا اور جس قوت یعنی مشینوں سے اٹھایا گیا یہ سب کیا سلیمان نے تو ذی القرنین کون ہوا؟ ظاہر ہے ذی القرنین تو سلیمان اللہ کا نبی ہی تھا نہ کہ کوئی اور۔

پھر بارہ کلومیٹر لمبی اور پانچ کلومیٹر بلند چوٹیاں بنائیں ذی القرنین نے دو چٹانوں کو درمیان سے بند کرنے کے لیے لیکن ان چوٹیوں کو بنانے کا تمام تر ساز و سامان اور ماہرین دیئے گئے سلیمان کو جنہوں نے سلیمان کے حکم سے ایسی بلند و بانگ اور غیر متزلزل چوٹیاں بنائیں جنہیں کوئی توڑ نہ سکے ہلا نہ سکے کھود نہ سکے ان میں سوراخ نہ کر سکے اور یہ بنائیں زمین میں اصلاح کی غرض سے فساد کا رستہ روکنے کی غرض سے تو پھر آپ خود غور کریں کہ ذی القرنین کون ہوا؟ کیا ذی القرنین سلیمان کے علاوہ کوئی تھا ہے اور ہو سکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں۔

زمین کے مغرب و مشرق میں زمین کی اصلاح کے لیے مفسدین کا رستہ روکنے ان سے جنگ کرنے کے لیے سفر کیے ذی القرنین نے جس کے لیے نہ صرف سفری اسباب کی ضرورت تھی بلکہ اللہ کے دشمنوں سے مقابلے کے لیے انتہائی جدید اور قوت کا حامل اسلحہ ذی القرنین کو درکار تھا لیکن ایسا اسلحہ بنانے کے ماہرین دیئے گئے سلیمان کو ایسا اسلحہ وہ بناتے سلیمان کے لیے یعنی اسلحہ دیا گیا سلیمان کو اور استعمال کرنے والے کو ذی القرنین کہا جا رہا ہے تو کیا یہ دو الگ الگ شخصیات کا ذکر کیا جا رہا ہے یا پھر ایک ہی شخصیت کا ذکر کیا جا رہا ہے ایک مقام پر اس کا نام کیساتھ ذکر کیا جا رہا ہے اور دوسرے مقام پر اس کے اسم یعنی اسے جو

خاص صلاحیت یا خاصیت حاصل تھی اس سے اس کا ذکر کیا جا رہا ہے، یوں اس پہلو سے بھی آپ پر یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی گئی کہ ذی القرنین سلیمان علیہ السلام تھے نہ کہ کوئی اور۔

تماثیل یعنی وہ جو گزشتہ ہلاک شدہ اقوام بنا چکی تھیں بالکل انہی کی مثل کی ضرورت پڑی ذی القرنین کو جیسے کہ آپ دیکھتے ہیں مصر میں آج بھی آل فرعون کے غیر متزلزل چوٹیوں کی صورت میں آثار موجود ہیں جنہیں آج اس جدید دور میں بھی معجزات اور عجائب تسلیم کیا جاتا ہے، قوم نوح پر جو طوفان آیا اس میں لہریں پہاڑوں کی مانند کئی کئی کلومیٹر بلند تھیں جس کی وجہ یہ تھی کہ قوم نوح اتنی بلندی پر پہنچ چکی تھی ان کی عمارتیں پہاڑوں کی مانند کئی کئی کلومیٹر بلند تھیں ان عمارتوں کو بنانے کے لیے غیر معمولی قوت کی حامل مشینیں تھی اور ان سب کی تماثیل کی ضرورت تو ذی القرنین کو پیش آئی، آل فرعون کی مثل چوٹیاں تعمیر کرنے کی ضرورت تب پیش آئی جب ذی القرنین سدین کے درمیان پہنچا وہاں دو چٹانوں کو درمیان سے بند کرنا تھا انہیں بند کرنے کے لیے قوم نوح کی تماثیل کی ضرورت تھی اور ان آیات میں اللہ کا کہنا ہے کہ جن کو سلیمان نے قید کیا ہوا تھا شیاطین جن وانس کو وہ سلیمان کے لیے جو اللہ کے قانون میں ہوتا تماثیل بناتے یعنی بالکل ویسا ہی سب بناتے جیسا ہلاک شدہ اقوام بنا چکی تھیں تو آپ خود غور کریں کہ پھر ذی القرنین کون ہوا؟ کیا سلیمان کے علاوہ کوئی ذی القرنین ہوسکتا ہے؟

آپ قرآن اٹھا کر دیکھیں تو پورے قرآن میں صرف اور صرف دو ہی مقامات پر غیر معمولی مقدار میں پگھلے ہوئے تانبے کا ذکر کیا گیا ان میں سے ایک مقام پر اس کے استعمال کا ذکر کیا گیا اور استعمال کرنے والے کو ذی القرنین کہا گیا اور دوسرے مقام پر اس کا ذکر کیا گیا جسے وہ اتنی غیر معمولی مقدار میں تانبہ دیا گیا جس نے وہ غیر معمولی مقدار میں تانبہ پگھلایا اور وہ سلیمان علیہ السلام تھے اب آپ خود غور کریں کہ کیا ذی القرنین اور سلیمان دو الگ الگ شخصیات تھیں یا پھر ایک ہی شخصیت سلیمان علیہ السلام، وہ سلیمان ہی تھے جنہیں دوسرے مقام پر ذی القرنین کہا گیا یعنی سلیمان وہ شخصیت تھی جسے دو مخصوص قرن حاصل تھے اور دو مخصوص قرن زمین کے مغرب اور مشرق تھے یعنی سلیمان ہی وہ شخصیت تھی جسے زمین کے مغرب و مشرق تک کا اقتدار دیا گیا مکن دیا گیا۔

اب دنیا کی کوئی طاقت حق کا رد نہیں کر سکتی کہ ذی القرنین داؤد کے بیٹے سلیمان علیہ السلام تھے۔

ایک اور پہلو سے حق آپ کے سامنے کھول کر واضح کر دیتے ہیں

اللہ کا قرآن میں کہنا ہے کہ سلیمان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے قرآن میں سلیمان کے لیے تانبے کا چشمہ بہانے کا ذکر تو کیا لیکن کیا اللہ قرآن میں اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ سلیمان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ کیوں جاری کر دیا یعنی سلیمان کو غیر معمولی مقدار میں تانبہ کس مقصد کے لیے دیا گیا سلیمان نے اس کو پگھلا کر کب، کہاں اور کیوں استعمال کیا؟

جب قرآن میں دیکھا جائے تو پورے قرآن میں کہیں بھی سلیمان کے نام کے ساتھ کہیں بھی اس تانبے کے استعمال یا اس تانبے کے دیئے جانے کے مقصد کا ذکر نہیں کیا گیا جو کہ بہت بڑے سوالات ہیں کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ نے سلیمان کے لیے تانبے کا چشمہ بہانے کا ذکر کیا تو آخر کیوں؟ یہ بتانے کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے تھی؟ تانبے کا چشمہ کیوں بہایا گیا سلیمان کے لیے؟ آخر سلیمان کو اس کی ضرورت کب کہاں اور کیوں پیش آئی؟ اتنی بڑی مقدار میں تانبے کا استعمال کہاں کیا گیا؟

آپ پورے کا پورا قرآن چھان لیں آپ کو کہیں بھی سلیمان کا نام استعمال کرتے ہوئے سلیمان کی طرف سے تانبے کے استعمال کا ذکر نہیں ملے گا اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ قرآن ان سوالات کے جوابات دینے سے قاصر ہے قرآن خاموش ہے تو قرآن اپنے ہی دعوے میں غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن میں ہر سوال کا جواب موجود ہے قرآن ہر بات کو بیان کرتا ہے اور نہ صرف بیان کرتا ہے بلکہ ہر پہلو سے سامنے رکھتا ہے اور وہ بھی مثلوں سے۔ اس لیے اگر قرآن ان سوالات کے جوابات نہیں دیتا تو اس کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن اپنے ہی دعوے میں جھوٹا ہے جو کہ ناممکن ہے قرآن اپنے ہی دعوے میں غلط ہو ایسا ممکن ہی نہیں۔

قرآن نے اگر ان سوالات پر خاموش ہی رہنا تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن نے بلا وجہ ایسی بات ہی کیوں کی؟ اگر قرآن کے پاس ان سوالات کے

جوابات ہی نہ تھے تو قرآن نے خود ہی ان سوالات کو جنم کیوں دیا؟ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرآن میں سلیمان کو تانبے کے دیئے جانے کا ذکر کرنا بے معنی بے مقصد ہو جاتا ہے جس کا مطلب اللہ نے اس قرآن کو اس قرآن کی آیات کو بالحق نہیں اتارا جو کہ بالکل ناممکن ہے۔

نہ تو قرآن بغیر حق اتارا گیا، نہ ہی قرآن کوئی بے مقصد بات کرتا ہے، نہ ہی قرآن کوئی ایسا سوال کھڑا کرتا ہے جس کا وہ جواب ہی نہ دے اور نہ ہی کوئی ایک بھی ایسا سوال ہے جس کا جواب قرآن میں موجود نہ ہو، اگر کوئی ایسا کہتا، سوچتا یا سمجھتا ہے تو اس میں قصور اللہ کا نہیں قصور قرآن کا نہیں بلکہ قصور اس کا اپنا ہے کہ وہ اس معیار پر ہی پورا نہیں اتر رہا جس معیار پر پورا اترنے سے ہی قرآن اپنے راز کھولتا ہے وہ اللہ کے طے کردہ اس قانون پر ہی پورا نہیں اتر رہا جس پر پورا اترنے سے ہی قرآن کھلتا ہے قرآن ہر سوال کا جواب دیتا ہے قرآن راہنمائی کرتا ہے اس لیے قصور اللہ کا نہیں، قصور قرآن کا نہیں بلکہ قصور ایسا کہنے والے کا اپنا ہے۔

آپ پیچھے یہ بات جان چکے کہ اللہ نے نہ صرف ہر اس بات کو ہر اس مسئلے یا معاملے کو قرآن میں بیان کر دیا جو انسانوں کو پیش آنا تھا اور پھر کسی ایک بھی بات، معاملے یا مسئلے کو قرآن میں ایک ہی پہلو سے ایک ہی مقام پر بیان نہیں کیا بلکہ ہر بات کو ہر معاملے یا مسئلے کو ہر پہلو سے ایک سے زائد مقامات پر قرآن میں بیان کیا اس لیے قرآن میں اللہ نے ایک مقام پر یہ بتایا کہ سلیمان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا تو اسی قرآن میں کسی دوسرے مقام پر سلیمان ہی کی طرف سے اس تانبے کو کب کہاں اور کیوں استعمال کیا گیا اس پر بھی تفصیل کیساتھ بات کی۔ اور جب اللہ سے یہ سوالات کیے جائیں تو اللہ ان سوالات کے جوابات سورت الکہف میں ذی القرنین کے موضوع پر بات کرتے ہوئے دیتا ہے۔

جس کے لیے تانبے کا چشمہ بہایا ایک مقام پر اس کا نام بتا دیا تو دوسرے مقام پر اس کے اسم سے اس کا ذکر کرتے ہوئے اس تانبے کے استعمال کی تفصیلات بھی بیان کر دیں جس سے یہ بات مزید کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ ذی القرنین کوئی اور نہیں بلکہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام تھے۔

اس کے علاوہ بھی اگر آپ غور کریں تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ پورے قرآن میں ایک جگہ پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہانے کا ذکر کیا گیا تو دوسری جگہ اس تانبے کے استعمال کا ذکر کیا گیا جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جب تانبہ سلیمان کو دیا گیا تو ظاہر ہے استعمال بھی سلیمان نے ہی کیا یوں ذی القرنین کوئی اور نہیں بلکہ سلیمان علیہ السلام ہیں۔

آپ پر ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو چکا کہ ذی القرنین سلیمان علیہ السلام تھے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذی القرنین سلیمان علیہ السلام تو اس قرآن کے نزول سے پہلے ہی گزر چکے تو کیا قرآن میں یہ محض ذی القرنین سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا جس کا قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کے لوگوں کیساتھ کوئی تعلق نہیں؟

کیونکہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ اس کا قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کے لوگوں کیساتھ کوئی تعلق نہیں محض گزرے ہوؤں کا ذکر کیا جا رہا ہے تو اس کا مطلب قرآن میں اساطیر الاولین ہیں یعنی یہ پہلوں کی سطریں ہیں قصے کہانیاں ہیں اس سے بڑھ کر کچھ نہیں اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی حق ہے یا پھر حق اس کے بالکل برعکس کچھ اور ہے؟

اس قرآن میں قرآن کے نزول سے پہلے جو گزر چکے ان کا قرآن میں ذکر کیا جانا انتہائی اہمیت کا حامل ہے اس سوال کا جواب جاننے کے لیے اللہ سے ہی رجوع کرتے ہیں اور اللہ اس سوال کا جواب قرآن میں یوں دیتا ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ. الزمر ۲۳

اللہ نے اتاری احسن الحدیثِ یعنی اللہ نے جو اتارا تھا وہ اپنے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی ایسی بہترین تاریخ ہے جس سے بہتر کوئی تاریخ نہیں ہو سکتی۔

حدیث کہتے ہیں تاریخ کو اور حدیث کی ''ث'' کے نیچے زیر کا استعمال اسے مستقبل کا صیغہ بنا دیتی ہے جس سے الحدیثِ کے معنی بنتے ہیں یہ قرآن اپنے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی تاریخ ہے یعنی اس قرآن میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جو کچھ بھی ہونا تھا وہ سب کا سب بیان کیا گیا ہے۔

لیکن جب قرآن میں دیکھا جائے تو اس قرآن میں مستقبل کی بجائے زیادہ تر بات ماضی کی کی گئی یعنی وہ جو اس قرآن کے نزول سے پہلے گزر چکے ان کا ذکر کیا گیا جس سے یہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن احسن الحدیثِ ہے یعنی یہ قرآن اپنے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی احسن تاریخ ہے بہترین تاریخ جس سے بہتر کوئی تاریخ نہیں۔ قرآن کا یہ دعویٰ اس لیے غلط ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن خود کو نزول سے لیکر الساعت کے قیام کی تاریخ بتا رہا ہے لیکن اس میں تاریخ تو اس کے نزول سے پہلے گزر جانے والوں کی بیان کی گئی جیسے نوح اور اس کی قوم کا ذکر، قوم عاد کا ذکر، قوم ثمود کا ذکر، قوم لوط کا ذکر، قوم شعیب کا ذکر، آل فرعون کا ذکر، امت بنی اسرائیل کا ذکر اور ان رسولوں کا ذکر جو ماضی کا قصہ بن چکے۔

اب جبکہ قرآن خود یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ قرآن اپنے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی تاریخ ہے تو پھر قرآن غلط نہیں ہو سکتا بلکہ وہ غلط ہے جو یہ سمجھ رہا ہے کہ قرآن میں مستقبل کی بجائے ماضی کی تاریخ بیان کی گئی کیونکہ قرآن یہ بھی واضح کر دیتا ہے کہ اس قرآن میں اساطیر الاولین نہیں بلکہ مثلیں بیان کی گئیں اس قرآن میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا اس قرآن میں نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی تاریخ بیان کی گئی اور مثلوں سے بیان کی گئی، وہ جو سلف ہو چکے ان کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ ذکر تو قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جو کچھ بھی ہونا تھا اس کا کیا گیا لیکن مثلوں سے جس کا ذکر اللہ نے قرآن میں مختلف مقامات پر بھی کر دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیت میں اسی بات کو دیکھ سکتے ہیں۔

**فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّمَثَلاً لِّلۡاٰخِرِيۡنَ.** الزخرف ۵۶

پس کر دیا ہم نے انہیں سلفاً یعنی ایک ایک کو گزرے ہوئے کر دیا جو دنیا میں آئے تھے اب گزرے ہوئے ہو چکے اور جنہیں ایک ایک کو گزرے ہوئے کر دیا انہیں مثل کر دیا الآخرین یعنی بعد والوں کے لیے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن کو سلفاً کر دیا یعنی جو بھی دنیا میں آئے ان میں ایک ایک کو گزرا ہوا کر دیا؟ آیت کے آخر میں لفظ الآخرین آیا ہے جو کہ الاولین کی ضد ہے جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ الاولین کو سلفاً کر دیا اس کے علاوہ بھی اگر آپ سورت الزخرف کی اس آیت سے پچھلی آیات کو دیکھیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ پیچھے الاولین کا ہی ذکر کیا جا رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر اور دوٹوک الفاظ میں واضح کر دی کہ اس قرآن کے نزول سے پہلے جو بھی دنیا میں آیا خواہ وہ کوئی رسول تھا، امت تھی یا قوم ایک ایک کو گزرے ہوا کر دیا۔ اس قرآن کے نزول سے پہلے جو بھی دنیا میں آیا جو الاولین تھے ان کو گزرے ہوئے کر دیا اور نہ صرف گزرے ہوئے کر دیا بلکہ انہیں مثل کر دیا لآخرین یعنی بعد والوں کے لیے۔

یہ وہ وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر یہ بات بار بار واضح کی اور ہر پہلو سے واضح کی کہ اس قرآن میں ہر شئے کو مثلوں سے بیان کر دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں

**وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا.** الاسراء ۸۹

اور تحقیق کہ یعنی تم اپنی طرف سے پوری تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو جو کہا جا رہا ہے وہی تمہارے سامنے آئے گا کیونکہ یہی قدر میں کیا گیا جس کے خلاف یا برعکس کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہم ہر پہلو سے ہر لحاظ سے پھیر پھیر کر سامنے لے آئے بیان کر دیا لوگوں کے لیے اس قرآن میں تمام کا تمام مثلوں سے، پس انکار کر دیا لوگوں کی اکثریت نے مگر اس لیے کہ جو کچھ بھی انہیں دیا گیا وہ اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہتے جس مقصد کے لیے انہیں دیا گیا وہ اپنی خواہشات کی اتباع کرنا چاہتے ہیں اس لیے لوگوں کی اکثریت نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ اس قرآن میں نہ صرف ہر بات موجود ہے ہر سوال کا جواب موجود ہے بلکہ ایک سے زائد مقامات پر ہر پہلو سے پھیر پھیر کر بات کی گئی مثلوں سے۔

**وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ اَكۡثَرَ شَىۡءٍ جَدَلاً.** الکھف ۵۴

اور تحقیق کہ یعنی تم کو سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں دیں اور جو سنتے اور دیکھتے ہوا سے سمجھنے کی صلاحیتیں دیں اس لیے دیں کہ ان کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرو کہ اپنی پوری تحقیق کرو، اپنے گھوڑے دوڑا لو جو کہا جا رہا ہے وہی تمہارے سامنے آئے گا جو کہ قدر میں کر دیا گیا جس کے خلاف یا برعکس کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہم ہر پہلو سے ہر لحاظ سے پھیر پھیر کر سامنے لے آئے بیان کر دیا لوگوں کے لیے اس قرآن میں تمام کا تمام مثلوں سے یعنی اس قرآن میں ماضی میں پیش آنے والے

واقعات میں سے صرف ان کا ذکر کیا جو ہو بہو اسی طرح اس قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک پیش آنا تھے انسانوں کے ہر سوال کا جواب ہر پہلو سے ہر لحاظ سے پھیر پھیر کر اس قرآن میں بیان کر دیا، قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک انسانوں کو جب جب جو جو جیسے جیسے راہنمائی درکار تھی سب کا سب اس قرآن میں ہر پہلو سے پھیر پھیر کر تمہارے سامنے لے آئے مثلوں سے اور تھا انسان اکثریت معاملات میں جھگڑا کرنے والا سو جھگڑا ہی کیا یعنی قرآن کی بات تسلیم کرنے کی بجائے اپنی خواہشات واپنے خود ساختہ الٰھوں کی باتوں کو قرآن پر ترجیح دے رہے ہیں۔ جب بھی قرآن نے کسی معاملے میں راہنمائی کی تو اپنی بے بنیاد و باطل اور بے ہودہ دلیلوں کو قرآن پر پیش کرتے ہیں اور قرآن کے مد مقابل اور اشیاء کو لا کھڑا کرتے ہیں اپنے ملّاؤں کو اپنے آباؤ اجداد سے جو حاصل ہوا اسے قرآن کے مقابلے پر لا کھڑا کرتے ہیں وہ بات تسلیم ہی نہیں کرتے جو قرآن میں کہی جا رہی ہے۔

ان آیات نے یہ بات بھی واضح کردی کہ قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک لوگوں کو جو جو معاملات بھی پیش آنے تھے ان کے ہر سوال کا جواب اسی قرآن میں بیان کر دیا نہ صرف بیان کر دیا بلکہ پھیر پھیر کر ہر پہلو سے مثلوں کیساتھ بیان کر دیا یعنی اس قرآن میں اس قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جو کچھ بھی ہونا تھا یا ہونا ہے اس سب کی تاریخ پہلے ہی لکھ دی اور مثلوں سے لکھی گئی اس قرآن کی صورت میں۔

مطلب یہ کہ آپ اس قرآن میں دیکھتے ہیں بار بار جگہ جگہ وہ لوگ جو گزر چکے ان کا ذکر آتا ہے بہت سے واقعات کا ذکر آتا ہے جو ماضی میں ہو چکے جس وجہ سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ قرآن گزرے ہوؤں کے قصے سنا رہا ہے گزرے ہوؤں کی بات کر رہا ہے لیکن وہ گزرے ہوؤں کی بات نہیں ہو رہی ان کا ذکر نہیں کیا جا رہا بلکہ وہ سب کی سب مثلیں ہیں مثلوں سے قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی تاریخ ہے۔ ماضی میں جو کچھ بھی ہوا اس میں سے وہ اور ایسے بیان کیا جو آگے مستقبل میں ہونے والے واقعات کا احاطہ کرے یعنی اس قرآن میں اس قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی تاریخ اس طرح مثلوں سے لکھی گئی کہ جس سے نہ صرف ماضی کی تاریخ بھی آجاتی ہے بلکہ مستقبل میں کیا کچھ ہونا ہے اس سب کی تاریخ بھی بن جاتی ہے۔

جہاں امت بنی اسرائیل کا ذکر کیا جا رہا ہے تو اگر اس سے مراد یہ لے لیا جائے کہ یہاں بنی اسرائیل کا ذکر کیا جا رہا ہے تو پھر بنی اسرائیل تو گزر چکے ماضی کا قصہ بن چکے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن بنی اسرائیل کی کہانی سنا رہا ہے قرآن میں الاولین کی سطریں ہیں یوں قرآن میں بنی اسرائیل سے متعلق جو کچھ بھی آیا ہے وہ محض چند سطروں کے علاوہ کچھ نہیں جنہیں عربی میں اساطیر الاولین کہا جائے گا لیکن قرآن خود یہ کہہ رہا ہے کہ اساطیر الاولین نہیں بلکہ مثلیں ہیں مطلب اصل میں ذکر بنی اسرائیل کا نہیں کیا گیا اصل میں ذکر موجود امت کا کیا جا رہا ہے لیکن مثل سے۔ اس کے بہت سے فائدے ہو جاتے ہیں ایک تو یہ کہ اس طرح نہ صرف اصل مقصد مستقبل کی تاریخ بن گئی دوسرا بنی اسرائیل یعنی ماضی کی تاریخ بھی لکھی گئی تیسرا یہ کہ قرآن جو بار بار غور و فکر کا کہتا ہے جو غور و فکر نہیں کریں گے وہ اسی کے ذریعے گمراہی کا شکار ہوں گے وہ یہی سمجھیں گے کہ یہ بنی اسرائیل کا ذکر کیا جا رہا ہے جو گزر چکے الاولین ان کا ذکر کیا جا رہا ہے یعنی یہ اساطیر الاولین ہیں اور جو غور و فکر کریں گے وہ اس سے ہدایت پائیں گے ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہ اساطیر الاولین نہیں بلکہ مثلیں ہیں جہاں گزشتہ لوگوں کا ذکر کیا گیا اصل میں وہاں ان کا ذکر نہیں بلکہ موجودہ لوگوں کا ذکر ہے موجودہ لوگوں کی تاریخ لکھی گئی ہے۔

اللہ نے اس قرآن میں حق اس قدر واضح کر دیا لیکن افسوس کہ حق اس قدر واضح ہو جانے کے باوجود بھی آج تک خود کو قرآن کے اہل اور مسلمان کہلوانے والے یہی کہتے سمجھتے لکھتے اور سناتے آئے کہ اس قرآن میں اساطیر الاولین ہیں یعنی اس قرآن میں اس کے نزول سے پہلے کے لوگوں کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہوا ہے وہ سب ان کے قصے وکہانیاں سنائی جا رہی ہیں جن کا قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کے لوگوں کیساتھ کوئی تعلق نہیں اور اسی بات کو اللہ نے آج سے چودہ صدیاں قبل ہی اس قرآن میں بھی آیات کی صورت میں اتار دیا تھا یہ تاریخ لکھ دی تھی جیسا کہ درج ذیل آیات آپ کے سامنے ہیں۔

اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ. القلم ۱۵ ، المطففین ۱۳

جب تلاوہ کی گئیں اس پر ہماری آیات یعنی آج سے چودہ صدیاں قبل آج کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ انسان جو آگے مستقبل میں آئے گا اس پر جب ہماری آیات پوری ترتیب سے ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کی گئیں جب انسان پر اللہ کے بھیجے ہوئے اللہ کے رسول کی طرف سے اللہ کی آیات کی تلاوہ کی گئی اللہ کی آیات کو بیّن کیا گیا کھول کھول کر واضح کیا گیا تو آگے سے انسان نے ردعمل کا اظہار کیا قَالَ کہا یعنی آگے سے انسان نے اس ردعمل کا اظہار کیا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اساطیر ہیں الاولین کی یعنی یہ جو بھی قرآن میں گزشتہ لوگوں کے بارے میں آیات آئی ہیں یہ تو الاولین کی سطریں ہیں اس سے بڑھ کر کچھ نہیں یہ ہمارا

ذکر نہیں ہے ان کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

پیچھے آپ پر واضح کیا جا چکا کہ اساطیر الاولین اس طرح ثابت ہوتی ہیں جب یہ کہا جائے کہ یہ تو گزشتہ لوگوں کی بات کی جا رہی ہے جس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور یہی موجودہ انسانوں کا کہنا ہے وہ جو قرآن پر ایمان رکھنے کے دعویدار ہیں اور مزید کیا کہتے ہیں یہ بھی اللہ نے قرآن میں واضح کر دیا۔

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۔ النمل ۶۸

تحقیق کہ یعنی تم اپنی تحقیق کر لو تمہارے سامنے یہی بات آئے گی وعدہ ہے ہمارا یہ ہم اور ہمارے آباؤاجداد اس سے پہلے نہیں ہے یہ مگر اساطیر الاولین۔ یعنی یہ ہمارا وعدہ ہے تم اپنی تحقیق کر لو تمہارے سامنے یہی آئے گا ہم یعنی موجودہ وہ لوگ جو قرآن کی ترجمانی کے دعویدار ہیں جو علماء و مفسر ہیں اور جو ہمارے آباؤ اجداد یعنی وہ جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیریں لکھیں تمہیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ملے گی کہ یہ جو کچھ بھی ہے یہ ان کی سطریں ہیں جو گزر چکے یہ الاولین کی سطریں ہیں یعنی محض ان لوگوں کی بات ہو رہی ہے ان کے قصے و کہانیاں ہیں جو قرآن کے نزول سے پہلے گزر چکے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ النحل ۲۴

اور جب کہا گیا ان کو کیا ہے جو اتارا تھا تمہارے ربّ نے آگے سے جواب دے رہے ہیں اساطیر ہیں الاولین کی۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۔ الانفال ۳۱

اور جب ہمارا بھیجا ہوا رسول تلاوہ کر رہا ہے ان پر ہماری آیات یعنی ہماری آیات کو کھول کھول کر واضح کر رہا ہے تو آگے سے ان کا ردعمل یہ ہے تحقیق سن چکے ہم اگر ہمارا قانون ہوتا یعنی اگر یہی دین ہوتا ہمارے نزدیک تو ہم اس کے لیے بالکل ایسے ہی کہتے یعنی ہمارے نزدیک یہ دین نہیں ہے اگر ہم بھی اسے دین سمجھتے جسے تُو دین کہہ رہا ہے تو ہم بھی یہی سب کہتے جو تُو کہہ رہا ہے کہ یہ مثلیں ہیں، نہیں ہے یہ مگر اساطیر الاولین ہیں۔ یعنی یہ قرآن میں جو کچھ بھی گزشتہ لوگوں کے بارے میں آیا ہے اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں یہ دین نہیں ہے یہ تو الاولین کی سطریں ہیں ان کی حیثیت قصے و کہانیوں سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں، یہ ان کا ذکر کیا جا رہا ہے جو گزر چکے ہیں۔

آپ ہر لحاظ سے بالکل واضح طور پر یہ جان چکے ہیں کہ اس قرآن میں اساطیر الاولین نہیں بلکہ مثلیں ہیں۔ جہاں قوم نوح کا ذکر کیا جا رہا ہے تو وہ اصل میں قوم نوح نہیں بلکہ موجود قوم یعنی جو لوگ دنیا میں آباد ہیں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے کیونکہ قوم نوح تو الاولین میں سے تھی الاولین کو ہم نے سلف کر دیا اور نہ صرف سلف کر دیا بلکہ مثل کر دیا الآخرین کے لیے اس لیے جہاں قوم نوح کے الفاظ آئے ہیں تو وہاں اصل میں ذکر ان کی مثل موجودہ قوم کا ہے اسی طرح قرآن میں جہاں جہاں الاولین کا ذکر آیا ہے تو وہاں اصل میں ان کا ذکر نہیں قوم عاد، ثمود، قوم لوط، قوم شعیب یا آل فرعون کا ذکر نہیں بلکہ وہ تو تمہاری ہی تاریخ بیان کر دی گئی مگر مثلوں سے۔ اسی طرح جہاں جہاں امت بنی سرائیل کا ذکر آتا ہے تو وہاں اصل میں ذکر بنی اسرائیل کا نہیں بلکہ بنی اسرائیل کو تو سلف یعنی گزرے ہوئے کر دیا اور انہیں نہ صرف گزرے ہوئے کر دیا بلکہ مثل کر دیا بعد والوں کے لیے۔ تو ذرا غور کریں امت بنی اسرائیل تو سلف ہو چکی و ران کی مثل کون سی امت ہوئی جو ان کے بعد والی ہے؟

جن کو سلف یعنی گزرے ہوئے کر دیا گیا ان کو صرف گزرے ہوئے ہی نہیں بلکہ مثل کر دیا گیا بعد والوں کے لیے یعنی جو بھی اس قرآن کے نزول سے پہلے اس دنیا میں آئے وہ نہ صرف گزرے ہوئے ہو گئے بلکہ انہیں مثل کر دیا گیا اس قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کے لوگوں کے لیے اس لیے جہاں بھی قرآن میں گزشتہ ہلاک شدہ لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے وہ اصل میں ان کا ذکر نہیں بلکہ قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی تاریخ بیان کی جا رہی ہے مگر مثلوں سے۔

اصل میں ذکر گزرے ہوؤں کا نہیں بلکہ بعد والوں کا کیا گیا جیسے کہ جہاں بھی قوم نوح کا ذکر آتا ہے تو وہ قوم نوح کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے اصل میں وہ موجودہ قوم کا ذکر کیا جا رہا ہے قوم نوح کی مثل سے۔ وہ اصل میں ذکر موجودہ قوم کا ہے اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی یہ کہے کہ وہاں قوم نوح کا ہی ذکر کیا جا رہا ہے اس کا موجودہ قوم سے کوئی تعلق نہیں تو اس کا مطلب وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ قرآن میں مثلیں نہیں بلکہ اساطیر الاولین ہیں۔ ایسے ہی جہاں امت بنی اسرائیل کا ذکر کیا گیا وہاں اصل میں ذکر امت بنی اسرائیل کا نہیں بلکہ امت بنی اسرائیل تو سلف ہو چکی اصل میں ذکر سلف کی مثل اس موجودہ امت کا کیا جا رہا ہے سلف کی

مثل سے۔

اسی بات کو ایک دوسرے پہلو سے بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ اس قرآن میں تمام کی تمام آیات ہیں آیات لفظ آیت کی جمع ہے اور آیت لفظ ضد ہے بیّن کی۔ بیّن کہتے ہیں شئے کا ہر لحاظ سے ہر پہلو سے واضح ہونا اس کا رائی برابر بھی پوشیدہ نہ ہونا اور اس کے برعکس آیت کہتے ہیں پوری کی پوری شئے کا چھپا ہوا ہونا اور اس کا چھوٹا سا حصہ چھوٹا سا پہلو سامنے ہونا جو آیت کہلائے گا جس میں غور کرنے یعنی جس کی گہرائی میں جانے سے وہ کیا تھا جو چھپا دیا گیا وہ کھل کر سامنے آ جائے یعنی آیت کہتے ہیں جو سامنے نظر آ رہا ہے وہ اصل حقیقت نہیں بلکہ اصل حقیقت آپ پر اس وقت تک واضح نہیں ہوگی جب تک کہ آپ اس میں غور نہیں کرتے اس کی گہرائی میں نہیں جاتے جو سامنے نظر آ رہا ہے، جو سامنے نظر آ رہا ہے جو کہ آیت ہے وہ اصل حقیقت پر پڑا ہوا پردہ ہے جب تک اس پردے کے پیچھے نہیں جھانکا جائے گا حقیقت آپ کے سامنے نہیں آئے گی، جو سامنے نظر آ رہا ہے وہ اصل شئے اصل وجود کا چھوٹا سا حصہ ہے اور باقی سارا وجود چھپا دیا گیا۔

اسے آپ ایک چھوٹی سی مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں مثلاً آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں آپ کو سورج زمین کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا ہے زمین روٹی کی طرح گول اور چپٹی نظر آتی ہے یہ جو آپ اپنی آنکھوں سے سامنے دیکھ رہے ہیں یہ بیّن نہیں یعنی یہ کھلم کھلا اصل حقیقت نہیں بلکہ آیت ہے اصل حقیقت پر پڑا ہوا پردہ ہے اصل حقیقت کیا ہے اس وقت تک سامنے نہیں آئے گی جب تک کہ آپ آیت میں یعنی جو سامنے نظر آ رہا ہے اس میں غور و فکر نہیں کرتے اس کی گہرائی میں نہیں جاتے اس پردے کے پیچھے نہیں جھانکتے۔ اور اصل حقیقت کیا ہے یہ آج پوری دنیا پر واضح ہو چکی کہ سورج کے زمین کے گرد گھومنے سے نہیں بلکہ زمین کے سورج کے گرد اپنے ہی محور پر گھومنے سے رات اور دن آ جا رہے ہیں

اب اگر کوئی اسے ہی اصل حقیقت کہے یا مان لے جو آنکھوں سے نظر آ رہا ہے تو کیا وہ اپنی بات اپنے دعوے میں سچا ہوگا؟ اور حق اس قدر کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی وہ اپنی باطل و بے بنیاد بات پر ڈٹا رہے تو اس کی دماغی حالت کیا ہوگی بالکل واضح ہے کہ ایسا کرنے والا کوئی بے وقوف جاہل و پاگل ہی ہو سکتا ہے۔

بالکل اسی طرح اس قرآن میں آیات اتاری گئی ہیں اس قرآن میں آیات ہیں جس کا مطلب کہ اس قرآن میں جو سامنے نظر آ رہا ہے وہ اصل حقیقت نہیں بلکہ اصل حقیقت اس وقت تک سامنے نہیں آئے گی جب تک کہ آیات میں غور نہیں کیا جائے گا یہ جو سامنے ہے آیات کی صورت میں یہ اصل حقیقت پر پڑا ہوا پردہ ہے جب تک اس پردے کے پیچھے نہیں جھانکا جائے گا اصل حقیقت تب تک سامنے نہیں آ سکتی اور اگر کوئی آیات کو ہی بیّنات یعنی اصل حقیقت سمجھے یا کہے تو وہ کوئی پاگل، بے وقوف اور جاہل تو ہو سکتا ہے عقلمند نہیں، وہ اپنی بات اپنے دعوے میں باطل و بے بنیاد اور جھوٹا تو ہو سکتا ہے مگر سچا نہیں۔

اس لیے جہاں بھی قرآن میں گزشتہ لوگوں کا ذکر کیا گیا وہ اصل حقیقت نہیں بلکہ اصل حقیقت اس وقت تک سامنے نہیں آئے گی جب تک کہ آپ انہیں آیات تسلیم کرتے ہوئے ان میں غور نہ کریں اسے پردہ تسلیم کرتے ہوئے اس پردے کے پیچھے نہ جھانک لیں۔

جہاں قوم نوح کا ذکر ہے تو قوم نوح آیت ہے جب اس میں غور کیا جائے اسے بیّن کیا جائے تو قوم نوح کی بجائے اصل میں ذکر وہاں اس موجودہ قوم کا کیا جا رہا ہے، اسی طرح جہاں امت بنی اسرائیل کا ذکر کیا جا رہا ہے تو وہ اصل میں امت بنی اسرائیل کا ذکر نہیں بلکہ بنی اسرائیل کو تو آیت بنا دیا گیا بنی اسرائیل آیت ہے جب اسے بیّن کیا جائے گا تو اصل حقیقت سامنے آئے گی موجودہ امت کی صورت میں۔

اب جب یہ حقیقت آپ پر واضح ہو چکی تو اب آپ یہ بھی جان لیں جو کہ اب تک خود ہی واضح ہو جانا چاہیے کہ قرآن میں ذی القرنین کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ اصل میں ذی القرنین سلیمان کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ وہ مثلوں کیساتھ قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جو ہونا تھا آج سے چودہ صدیاں قبل ہی اس کی تاریخ اتار دی گئی تھی۔

تاریخ کہتے ہیں حادثے کے وقوع پذیر ہو جانے کو یعنی کچھ ہوا تو اس کے بعد اس کے بارے میں جو لکھا جائے کہ وہ کب کہاں کیوں کیسے ہوا تاریخ کہلاتی ہے۔

کوئی بھی تاریخ دان اس وقت تک تاریخ نہیں لکھ سکتا جب تک کہ واقعہ وقوع پذیر نہیں ہو جاتا قرآن اللہ کی اتاری ہوئی تاریخ ہے اور اللہ کے لیے ماضی حال مستقبل کچھ بھی پوشیدہ نہیں اس لیے اللہ نے انسانوں کے نزدیک اس کی تاریخ اتار دی جو مستقبل میں ہونا تھا۔

قرآن میں ذی القرنین سلیمان علیہ السلام کا ذکر کیا جانا کہ اسے پوری زمین میں مکن دیا گیا اُس وقت علاقائی حکومتوں کیساتھ ساتھ عالمی حکومت بھی قائم تھی جو کہ سلیمان علیہ السلام کی تھی یعنی پوری دنیا میں علاقائی حکومتوں کو سلیمان علیہ السلام کنٹرول کرتے تھے پوری دنیا کی حکومتیں سلیمان علیہ السلام کے تابع تھیں تو ایسے ہی قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام کے دوران وقت آنا تھا جب ایسا ہونا تھا یعنی قرآن کے نزول کے بعد جب الساعت بالکل سر پر آ جانا تھی تب دنیا کو گلوبل ویلج بن جانا تھا، دنیا کو ایک عالمی گاؤں کی حیثیت اختیار کر جانا تھی علاقائی حکومتیں ہونے کے باوجود ان کو ایک عالمی حکومت کے ماتحت آنا تھا۔

ذی القرنین سلیمان کے پاس تیز ترین فضائی سفر کے اسباب ہوتے ہیں جن سے زمین کے مغرب ومشرق کے سفر کیے جاتے ہیں یعنی قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کے دوران قرب قیام الساعت ایسا وقت آنا تھا جب انسانوں کو ایسے اسباب حاصل ہو جانا تھے جن سے وہ ہوا میں انتہائی تیز رفتاری سے زمین کے مغرب ومشرق کے سفر کریں گے۔

ذی القرنین کا ایسے لوگوں سے کلام کرنا جو کسی ایک بھی بات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس کے باوجود ذی القرنین سلیمان علیہ السلام نے اسباب کے ذریعے ان سے بات چیت کی۔ یہ قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک ہونا تھا کہ انسانوں کو ایسے اسباب حاصل ہو جانا تھے جن سے آپس میں ایسی ایسی قوموں سے کلام کرنا تھا کہ جن کا ایک لفظ بھی سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔

تماثیل بنانا تھیں یعنی وہ جو گزشتہ ہلاک شدہ اقوام نے خلق کیا تھا بالکل وہی قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کے دوران قرب قیام الساعت خلق کیا جانا تھا۔

بلند و بانگ رواسیات خلق کرنا تھیں یعنی بلند و بانگ چوٹیاں جو کہ عمارتیں ہیں وہ خلق کرنا تھیں، انتہائی تباہ کن اسلحے خلق کرنا تھے طرح طرح کے اسباب خلق کرنا تھے جو گزشتہ ہلاک شدہ اقوام نے خلق کیا تھا۔

ذی القرنین نے مغرب کا سفر کیا وہاں پہنچا جہاں خشکی ختم اور آگے سمندر رہی سمندر جہاں سے سورج گرم پانیوں میں ڈوبتا ہوا نظر آتا ہے وہاں جو قوم تھی وہ دنیا میں فساد کی جڑ تھی یعنی قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کے دوران قرب قیام الساعت جب زمین میں فساد عظیم ہونا تھا ایسے اسباب وجود میں آ جانا تھے ترقی کے نام پر فساد عظیم ہونا تھا تب مغرب میں جہاں خشکی ختم اور وہاں سے سورج گرم پانیوں میں ڈوبتا نظر آتا ہے وہاں جو قوم ہونا تھی اس قوم نے زمین میں فساد کی بنیاد فساد کی جڑ ہونا تھا اور ذرا غور کریں کیا آج ایسا ہوا؟ اور کیا واقعتاً ایسے خطے میں ایسی قوم آباد ہے جو زمین میں فساد کی جڑ ہے فساد کی بنیاد ہے جہاں کے شیاطین آسمانوں و زمین میں فساد عظیم کر رہے ہیں؟ جب غور کریں تو ہاں بالکل وہ خطہ آج موجود ہے جسے دنیا امریکہ کا نام دیتی ہے اور امریکی قوم ہے جو دنیا میں فساد کی جڑ ہے فساد کی بنیاد ہے۔

اسی طرح ذی القرنین کے مشرق کے سفر کا ذکر کیا گیا وہاں ایسی قوم جب سورج طلوع ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسی قوم پر طلوع ہوتا ہے اس کے بعد باقی اقوام پر طلوع ہوتا ہے اس قوم نے زمین میں فساد عظیم بپا کرنا تھا اور آج وہ قوم موجود ہیں جسے چینی و جاپانی قوم کہا جاتا ہے یہی وہ قوم ہے مشرق کی جانب کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسی قوم پر طلوع ہوتا ہے اس کے بعد باقی اقوام پر طلوع ہوتا ہے۔

اسی طرح تیسرا سفر جو مغرب ومشرق کے درمیان تھا وہاں جو خطہ ہے اس خطے میں قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کے دوران قرب قیام الساعت ایسی قوم نے آنا تھا جس نے زمین میں تباہی مچانا تھی فساد کرنا تھا اور وہ خطہ یورپ و روس کا خطہ بنتا ہے اور آج بالکل یہ قوم بھی فساد کر رہی ہے پوری دنیا کے وسائل لوٹ رہی ہے۔

مغرب ومشرق اور ان کے درمیان میں جن اقوام کا ذکر کیا گیا یہ موجودہ دور کی تاریخ بیان کی گئی تھی مثلوں سے، قرآن کے نزول کے بعد جب اعظم فتنے یعنی الدجّال کا ظہور ہونا تھا تو اس کے پیچھے تین اقوام کو ہونا تھا ان میں سے ایک دنیا کے مغرب میں آباد امریکی قوم اور دوسری دنیا کے مشرق میں آباد چینی و جاپانی قوم، اور تیسری ان دونوں کے وسط میں آباد روسی و یورپی قوم، یہ عظیم راز آج سے چودہ صدیاں قبل ہی بیان کر دئے گئے تھے۔

اس وقت جو لوگ یہ سب کر رہے ہیں تھے ان کو یاجوج اور ماجوج کہا گیا تو قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جب ایسا ہونا تھا تو ایسا کرنے والوں

کو قرآن نے یاجوج اور ماجوج کہا۔ یہ عظیم نبا آج سے چودہ صدیاں قبل ہی دے دی گئیں لیکن کسی کو اس قرآن میں کچھ نظر نہ آیا۔

اور اب آپ کو آسانی سے اس بات کی بھی سمجھ آ جائے گی کہ محمد علیہ السلام نے سورۃ الکھف کو بار بار الدجّال کے ساتھ کیوں جوڑا۔ کیونکہ سورۃ الکھف میں الدجّال اور اس وقت جب الدجّال موجود ہونا تھا اس کی مکمل راہنمائی موجود ہے ذرا غور کریں کیا آج دنیا میں یہی سب نہیں ہو رہا؟ کیا آج دنیا مختلف ممالک میں تقسیم ہونے کے باوجود ایک زبان و ثقافت میں نہیں ڈھل چکی؟ قومیں ایک دوسرے کی زبان کا ایک لفظ بھی سمجھنے کی صلاحیت نہ ہونے کے باوجود اسباب کیساتھ روانی سے ایک دوسرے سے کلام نہیں کر رہیں؟ دنیا ایک عالمی گاؤں کی صورت اختیار نہیں کر چکی؟ کیا آج اسباب کے ذریعے دنیا کی کسی بھی قوم سے گفتگو کرنا ممکن نہیں ہو چکا؟ یہاں تک کہ نہ صرف ممکن بلکہ انتہائی آسانی کیساتھ ان لوگوں کیساتھ بات چیت کی جا سکتی ہے جن کیساتھ ان اسباب سے قبل بات کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

کیا آج دنیا کے مغرب و مشرق تک کا انتہائی تیز رفتار، پرسکون اور آرام دہ ہوائی سفر ممکن نہیں ہو چکا؟ کیا آج بڑے پیمانے پر لوہا، تانبہ اور طرح طرح کی اشیاء کو زمین اور پہاڑوں سے نہیں نکالا جا رہا؟ دھاتوں کو بڑے پیمانے پر پگھلا کر ان سے اسلحہ وغیرہ نہیں بنایا جا رہا؟ کیا آج تقریباً ہر طرح کے اسباب وجود میں نہیں آ چکے؟ کیا آج اسی طرح زمین میں فساد نہیں کیا جا رہا جیسے ذی القرنین سلیمان علیہ السلام کے وقت کیا جا رہا تھا؟ کیا جیسے اس وقت ہر کوئی اس الدجّال کے فتنے کا شکار تھا سوائے اس کے جس کی خالص اللہ نے اپنی طرف سے راہنمائی کی اور اکثریت فتنہ الدجّال کا شکار ہو کر اسے ترقی و خوشحالی کا نام دے رہی تھی انسانیت کی خدمت قرار دے رہی تھی آج بھی یہ وہی سب نہیں ہو رہا؟ آج بھی پوری دنیا کے انسان اس فتنہ الدجّال کا شکار نہیں ہو چکے؟ فساد کو ترقی اور انسانیت کی خدمت کا نام نہیں دیا جا رہا؟ جیسے اس وقت جینیاتی تبدیلیوں سے فصلیں اگائی جا رہی تھیں کیا آج نہیں اگائی جا رہیں؟ جیسے اس وقت ان جینیاتی تبدیل شدہ فصلوں کے استعمال سے بیماریاں اور بچے مفلوج پیدا ہو رہے تھے کیا آج بھی ویسا ہی نہیں ہو رہا؟ بیماریاں دن بہ دن بڑھتی ہی چلی نہیں جا رہی ہیں اور بچے پیدا ہی مفلوج نہیں ہو رہے ہیں؟

ذی القرنین نے دو قوموں کے درمیان لوہے و تانبے سے سد بنا کر ایک دوسرے کی طرف جانے پر روک لگا دی یعنی مضبوط بارڈر تعمیر کر دیا اور یہ اللہ نے تاریخ بیان کر دی تھی آج کی۔ ذرا غور کریں کیا آج پوری دنیا میں بارڈر تعمیر کر کے قوموں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کر دیا گیا؟ اور حیران کن طور پر آج پوری دنیا میں جو بارڈروں کی مضبوطی ہے وہ اسی لوہے و تانبے کی وجہ سے نہیں ہے؟ کیا آج پوری دنیا میں لوہے و تانبے سے مضبوط بارڈر سرحدیں نہیں کھڑی کی جا چکی ہیں لوہے سے بننے والے اسلحے بندوقوں اور تانبے سے وجود میں آنے والی گولیوں سے لیس فوجیں سرحدوں پر مضبوط رکاوٹیں نہیں ہیں؟

اللہ نے آج سے چودہ صدیاں قبل ہی آج کی ساری تاریخ بیان کر دی تھی جسے قصے و کہانیاں بنا دیا گیا۔

اب ذرا غور کریں کہ قرآن میں سورۃ الکھف کی ان آیات کو اتارنے کا مقصد کیا تھا؟ کیا یہ ذی القرنین اور ان قوموں کی کہانی سنائی جا رہی ہے یعنی قرآن میں اساطیر الاولین ہیں یا پھر قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جو کچھ بھی ہونا تھا اس کی مثلوں سے تاریخ بیان کر دی گئی تھی؟ اور آپ یہ بات بارہا جان چکے ہیں کہ قرآن میں اساطیر الاولین نہیں بلکہ مثلیں بیان کی گئیں۔ قرآن میں آیات ہیں بیّنات نہیں یعنی سورۃ الکھف کی آیات میں جو سامنے نظر آ رہا ہے وہ اصل حقیقت نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت تو اس کے پردے میں چھپا دی گئی۔ اصل میں ذی القرنین اور ان گزشتہ اقوام کا ذکر کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ اصل میں تو ذی القرنین اور ان قوموں کی مثلوں سے دنیا میں آباد موجودہ قوموں کا ذکر کیا گیا آج کی تاریخ اتاری گئی تھی۔

ذی القرنین اور وہ قومیں تو سلف ہو چکی اور جنہیں سلف کر دیا گیا انہیں مثل کر دیا گیا بعد والوں کے لیے۔ تو یہاں سلف کے پردے میں اصل ذکر مثل کا ہو رہا ہے جو کہ قرآن کے نزول کے بعد آج اس وقت دنیا میں آباد موجودہ لوگ ہیں۔ ان آیات میں عظیم نبا دی گئی تھیں کہ جیسے ذی القرنین کو زمین میں حکومت دی گئی بالکل اسی طرح جن سے خطاب کیا جا رہا ہے یعنی موجودہ انسانوں نے بھی ایک عالمی حکومت کی صورت اختیار کر جانا تھی دنیا کو گلوبل ویلج یعنی عالمی گاؤں بن جانا تھا۔

جیسے اس وقت بھی پوری دنیا مختلف ممالک میں تقسیم تھی لیکن پوری دنیا میں ذی القرنین علیہ السلام کے ماتحت عالمی حکومت قائم ہوئی بالکل اسی طرح آج ہونا تھا۔ جیسے اس وقت ایسے لوگ جو کوئی بھی بات سمجھنے یا سمجھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اس کے باوجود ان کیساتھ بات چیت کرنا انتہائی آسان تھا بالکل یہی

آج ہونا تھا جس کی ان آیات میں نبا دے دی گئی پہلے ہی۔

جن لوگوں نے ایسا کرنا تھا وہ یاجوج اور ماجوج ہیں اور اس فساد کو جو ترقی وخوشحالی کا نام دینا تھا یہ فتنہ الدجّال ہے اب آپ خود غور کریں کیا آج یہ سب موجود نہیں؟ کیا آج فتنہ الدجّال موجود نہیں؟ پوری دنیا میں دھندناتا نہیں پھر رہا؟ اور کیا آج ایسا کرنے والے یعنی فتنہ الدجّال کے خالق انسان یاجوج اور ماجوج موجود نہیں؟ حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ پر واضح کر دیا گیا اس کے باوجود اگر کوئی حق سے اعراض کرتا ہے تو ایسا کرنے والا دنیا وآخرت میں اپنے لیے شدید ہلاکت کا ہی سودا کرے گا۔

# طلوع الشمس من مغربها

## طلوع ہو رہا ہے سورج اس کے مغرب سے

**طلوع الشمس من مغربها** کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو گا اس کی حقیقت کیا ہے اسے تفصیل کیساتھ آپ پر ہر لحاظ سے کھول کر واضح کیا جائے گا لیکن اس سے پہلے یہ بات ذہن میں ہونا ضروری ہے کہ آج تک اس حوالے سے جو عقیدہ ونظریہ عام ہے جو تقریباً ہر خاص وعام کے دماغ میں ہے وہ کیا ہے؟ آج تک یہ بات پورے زور وشور سے عام کی گئی کہ **طلوع الشمس من مغربها** سے مراد یہ ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ اچانک سورج مغرب سے طلوع ہو گا یعنی جیسے اس وقت آپ سورج کو ایک طرف سے دوسری طرف سفر کرتا دیکھ رہے ہیں جب وہ وقت آئے گا تو اس کے برعکس سورج الٹا سفر کرتا دکھائی دینا شروع کر دے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقت یہی ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا واقعتاً ایسا ہی ہو گا؟ اگر ایسا ہو گا تو پھر اتنے اہم واقعہ کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیوں نہ کیا؟ کیونکہ اللہ کا قرآن میں متعدد مقامات پر قول ہے کہ اللہ نے اس قرآن میں ہر بات کو ہر پہلو سے نہ صرف پھیر پھیر کر بیان کر دیا بلکہ مثلوں سے بیان کر دیا یعنی جیسا ہونا تھا بالکل ویسا ہی پہلے جو ہو چکا ان واقعات کی شکل میں بیان کر دیا جیسا کہ آپ ان آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

لَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا. الاسراء ۸۹

تحقیق کہ ہم نے ہر طرف سے پھیر پھیر کر بیان کر دیا اس قرآن میں تمام کا تمام مثلوں سے لوگوں کے لیے یعنی یہ بات طے شدہ ہے تم اپنے گھوڑے دوڑا لو تم اپنی تحقیق کر لو تمہارے سامنے یہی بات آئے گی یہ ہم نے قدر میں کر دیا کہ ہم نے اس قرآن میں ماضی میں پیش آنے والے واقعات میں سے صرف ان کا ذکر کیا جو ہو بہو اسی طرح قرآن کے نزول سے الساعت کے قیام تک پیش آئیں گے یا پیش آنا تھے قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جو کچھ بھی ہونا ہے جو کچھ بھی تمہیں راہنمائی درکار تھی جو کچھ بھی تمہارے درمیان ہے جو ہونا ہے یا ہو رہا ہے ہم نے وہ سب کا سب تمام کا تمام مثلوں سے بیان کر دیا اس قرآن میں ہر پہلو سے تمہارے سامنے لے آئے۔ پس انکار کیا لوگوں کی اکثریت نے مگر ناشکری۔ یعنی لوگوں کی اکثریت نے اس بات کا انکار کر دیا کہ اللہ نے اس قرآن میں ہمارے لیے مکمل راہنمائی رکھی ہے اللہ نے قرآن میں سب کچھ مثلوں سے بیان کیا ہے بلکہ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس قرآن میں اللہ نے سب کچھ بیان نہیں کیا اللہ قرآن میں ایک کام کا حکم تو دیتا ہے مگر اس کا طریقہ اس نے قرآن میں بیان ہی نہیں کیا اس طرح قرآن میں سب کچھ بیان نہیں کیا گیا اور اللہ نے آگے اس بات کا بھی جواب دے دیا کہ آخر لوگوں کی اکثریت کے اس انکار کی وجہ کیا ہے؟ لوگوں کے اس انکار کی وجہ سوائے کفورا کے کچھ نہیں یعنی جو کچھ بھی انسانوں کو دیا گیا وہ اسے ان مقاصد کے لیے استعمال ہی نہیں کرنا چاہتے جن مقاصد کے لیے انہیں جو کچھ بھی دیا گیا یہ اپنی خواہشات کی اتباع کو ترک کرنا ہی نہیں چاہتے یہ اس سب کا جو کچھ بھی انہیں دیا گیا اس کا استعمال اپنی خواہشات کی اتباع میں کرتے ہیں کر رہے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں اس وجہ سے یہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ نے سب کچھ قرآن میں بیان کر دیا اگر یہ اس بات کو تسلیم کر لیں گے تو انہیں اپنی خواہشات کو ترک کرنا پڑے گا جو کچھ بھی یہ بغیر علم کے کر رہے ہیں انہیں یہ سب ترک کرنا پڑے گا اور یہی یہ نہیں چاہتے اس لیے یہ انکار کرتے ہیں۔ یہ اللہ کی دی ہوئی اشیاء، مال واولاد اور صلاحیتوں سمیت جو کچھ بھی

دیا ان کو اللہ کے بتائے ہوئے مقصد کے حصول میں استعمال کرنے کی بجائے اپنی من مانیاں کرنا چاہتے ہیں اللہ نے جو کچھ بھی انہیں دیا اسے اپنی مرضی کیمطابق استعمال کرنا چاہتے ہیں خواہ وہ مال ہو دولت ہو، ذہانت ہو، کوئی عہدہ مرتبہ ہو یا کچھ بھی ہو۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا. الکهف ۵۴

اس آیت کے شروع میں بھی وہی بات کی گئی کے اس قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جو کچھ بھی ہونا ہے لوگوں کو جو جو بھی راہنمائی درکار ہے تمام کا تمام مثلوں سے ہر پہلو سے پھیر پھیر کر سامنے لے آئے اس قرآن میں اور آگے ایک اور حقیقت جو کہ قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی تاریخ تھی اسے بھی واضح کر دیا کہ وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا اور یہ بات تو طے شدہ ہے کہ انسان جو کہ خود اپنی ہی ذات کو مکمل طور پر بھولا ہوا ہے زیادہ سے زیادہ اشیاء میں جدل کیا یعنی جب جب جیسے جیسے قرآن سے راہنمائی کی جاتی ہے تو قرآن کی بات کسی بھی صورت ماننے کو تیار ہی نہیں اس کے برعکس چلتا ہے جب قرآن سے حق اس پر واضح کیا جاتا ہے تو انسان آگے سے اپنے بے ہودہ قسم کی دلائل دینا شروع ہو جاتا ہے وہ جھگڑا کرنا شروع ہو جاتا ہے گالم گلوچ کرتا ہے منہ سے جھاگ نکالنا شروع ہو جاتا ہے اپنے آباؤ اجداد اور اپنے بڑوں کو جن کے پیچھے اندھوں کی طرح چلتا ہے انہیں قرآن کے مدمقابل لا کھڑا کرتا ہے قرآن کے علاوہ جو کچھ انہوں نے گھڑ رکھا ہے اسے قرآن کے مقابلے پر لا کھڑا کرتا ہے وہ قرآن کی بات ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا یوں اپنی خواہشات کی اتباع ہی کرتا ہے جو کچھ بھی اس قرآن کے علاوہ ہے اس کے پیچھے چلتا ہے اسی کی طرف راہنمائی کے لیے دوڑتا ہے قرآن کے قریب بھی نہیں آتا۔ جب قرآن کی بات کی جاتی ہے تو دشمنی پر اتر آتا ہے طرح طرح کے فتوے لگاتا ہے برا بھلا کہتا ہے کسی بھی صورت یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ قرآن میں مکمل راہنمائی موجود ہے وہ سب کا سب موجود ہے جو کچھ بھی اس قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک ہونا تھا، یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ اس قرآن میں اس کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک پیش آنے والے واقعے کا پہلے ہی اس قرآن میں ذکر کر دیا گیا پہلے ہی اس قرآن میں اس کی مثلوں سے تاریخ اتار دی گئی۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا. الاسراء ۴۱

اور تحقیق کہ یعنی یہ قدر میں کیا جا چکا تم اپنے گھوڑے دوڑا لو اپنی پوری تحقیق کر لو ہم جو بات کر رہے ہیں یہ جو بات کی جا رہی ہے یہ پوری ناپ تول کر بات کر رہے ہیں اس میں رائی برابر بھی نقص، کمی، کجی یا کوتاہی نہیں جو کہہ رہے ہیں ایسا ہی ہے اور یہی تمہارے سامنے آئے گا ہم ہر لحاظ سے ہر پہلو سے پھیر پھیر کر تمہارے سامنے لے آئے مثلوں سے اس قرآن میں اس کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جو کچھ بھی ہونا ہے، قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک پیش آنے والے چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کی تاریخ ہے اسے اتارا ہے تمہیں یاد دلانے کے لیے یعنی جیسے جیسے جو جو واقعہ پیش آتا ہے تو اس قرآن میں اس کی تاریخ پر مبنی آیات تمہیں یاد دلا رہی ہیں کہ یہ وہ واقعہ تھا یہ تھا وہ جس کی آج سے چودہ صدیاں قبل ہی اس قرآن میں ان آیات کی صورت میں تاریخ اتار دی تھی یوں یہ قرآن جب جب جیسے جیسے جو بھی واقعہ ہو رہا ہے اس کو یاد دلا رہا ہے اس کے باوجود انسان کا رویہ کیا ہے لوگوں کا معاملہ کیا ہے اس کا بھی آگے ذکر کر دیا گیا وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا اور جب جب جیسے جیسے کوئی واقعہ پیش آ رہا ہے جو کچھ بھی ہو رہا ہے تو قرآن کی آیات جو اس کی تاریخ پر مبنی ہیں ان کے ذریعے انہیں یاد دلایا جا رہا ہے کہ یہ تھا وہ واقعہ جس کی آج سے چودہ صدیاں قبل ان آیات کی صورت میں تاریخ اتار دی تھی تو اس وقت جو موجود ہیں یعنی جن لوگوں کو یاد دلایا جا رہا ہے بجائے اس کے کہ ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو بلکہ کچھ بھی نہیں بڑھ رہا سوائے قرآن سے اور حق سے دور بھاگنے کے سو قرآن سے دور سے دور ہی بھاگ رہے ہیں۔

یہ کوئی عام اور معمولی بات نہیں ہے کہ یہ قرآن اپنے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی تاریخ ہے اور اس قرآن کا معاملہ یہ ہے کہ جس جس واقعہ کی یہ تاریخ ہے جب تک کہ وہ واقعہ رونما نہیں ہو جاتا تب تک قرآن کی اس واقعہ سے متعلق آیات نہیں کھلتیں، کھل کر واضح نہیں ہوتی بلکہ تب تک وہ آیات کی آیات ہی رہتی ہیں خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کر لے اور جیسے ہی وہ واقعہ پیش آتا ہے تو قرآن کی اس واقعہ کی تاریخ پر مبنی آیات یاد دلا دیتی ہیں کہ یہ تھا وہ واقعہ جس کی آج سے چودہ صدیاں قبل ان آیات کی صورت میں تاریخ اتار دی تھی یوں وہ آیات بھی بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہیں۔

قرآن میں ایسی کئی مزید آیات بھی ہیں جن میں اللہ نے کھول کھول کر واضح کر دیا کہ اللہ نے اس قرآن میں نہ صرف وہ سب کچھ پھیر پھیر کر بیان کر دیا جو قرآن

کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک انسانوں کو پیش آنا تھا جس حوالے سے بھی راہنمائی درکار تھی بلکہ تمام کا تمام مثلوں سے بیان کر دیا یعنی اگر قرآن میں کسی گزشتہ قوم کا ذکر کیا جا رہا ہے تو وہ کسی گزشتہ قوم کی کہانی نہیں سنائی جا رہی بلکہ عین اسی طرح کا معاملہ تمہارے ساتھ بھی پیش آنا تھا تو تب تمہیں کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا اس کی راہنمائی کے لیے ہم نے وہ واقعہ بیان کر دیا یوں اس قرآن میں تمام کا تمام مثلوں سے اس کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جو کچھ بھی ہونا ہے وہ سب کا سب بیان کر دیا۔

اب جب قرآن میں اللہ کا دعویٰ یہ ہے تو پھر ذرا غور کریں سورج کا اس کے مغرب سے طلوع ہونا کیا یہ کوئی چھوٹا واقعہ ہے؟ کیا یہ معمولی واقعہ ہے؟ اور کیا ایسا ممکن ہے کہ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آنا ہو تو قرآن اس غیر معمولی واقعہ پر خاموش رہتا اس کی تاریخ نہ ہوتی اس قرآن میں؟ قرآن میں ایسا واقعہ ضرور مذکور ہونا چاہیے اگر **طلوع الشمس من مغربها** کا مطلب یہ تھا کہ جیسے اس وقت سورج کو ایک طرف سے دوسری طرف سفر کرتا دیکھا جا رہا ہے یہ اس کے برعکس الٹا سفر کرنا شروع کر دے گا یا الٹا سفر کرتا دکھائی دے گا تو پھر اتنا غیر معمولی اور اہم واقعہ اللہ کو اس قرآن میں ضرور بیان کرنا چاہیے تھا اور اگر نہیں بیان کیا گیا تو پھر کیوں نہ بیان کیا گیا؟ اور اگر بیان کیا تو کس طرح بیان کیا؟

حقیقت کیا ہے اسے ہر پہلو سے کھول کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور حقیقت جاننے کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا ہوگا کہ محمد علیہ السلام نے کب، کیوں، کیسے اور کس موقع پر ایسی بات کہی جس سے مراد یہ لے لیا گیا کہ سورج الٹا سفر کرنا شروع کر دے گا۔

**قال رسول الله ﷺ أول الآيات طلوع الشمس من مغربها.** طبرانی، کنزل العمال

رسول اللہ ﷺ نے کہا: سب سے پہلی آیات ہیں سورج طلوع ہو رہا ہے اپنے ہی مغرب سے یعنی جہاں سے غروب ہو رہا ہے وہیں سے طلوع ہو رہا ہے۔ جس وقت محمد رسول اللہ علیہ السلام نے یہ کہا تھا تو تب کسی کہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ سورج جہاں غروب ہو رہا ہے وہیں سے طلوع بھی ہو رہا ہے تو اللہ کی جن آیات نے آنا تھا انسان پر کھلنا تھا ان میں سے پہلی آیات میں اس آیت کا کھلنا تھا کہ سورج جہاں سے غروب ہو رہا ہے وہیں سے طلوع بھی ہو رہا ہے۔ محمد علیہ السلام کا اپنی وفات سے قبل نبوت کے آخری سالوں میں یہ معمول تھا کہ اکثر اوقات مستقبل کے حوالے سے راہنمائی کرتے رہتے اور مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کا تفصیل کیساتھ ذکر کرتے۔ حسب معمول ایک دن محمد علیہ السلام مسجد نبوی میں بیٹھے تھے اور سامنے کثیر تعداد میں لوگ موجود تھے مغرب کا وقت تھا محمد علیہ السلام سامنے موجود لوگوں کو سورج کے متعلق کچھ بتانے والے تھے اسی ضمن میں ان سے سوال کیا کہ کیا تم جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے تو سامنے سے جواب آیا کہ اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں اسی دوران ابوذر بھی مسجد میں داخل ہوئے تو یہی سوال محمد علیہ السلام نے ابوذر سے کیا کہ اے ابوذر کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے تو ابوذر نے بھی وہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو علم ہے۔ اس موقع پر محمد علیہ السلام نے جو کہا وہ روایت درج ذیل ہے۔

**عن ابی ذر قال دخلت المسجد ورسول الله صلی الله علیه وسلم جالس فلماغابت الشمس قال: یا با ذر هل تدری این تذهب هذه. قال قلت الله ورسوله اعلم، قال فانها تذهب فتستاذن فی السجود فیوذن لها و کانها قد قیل لها ارجعی من حیث جئت فتطلع من مغربها. قال ثم قر فی قراء ة عبد الله و ذلک مستقرلها.** مسلم

ابوذر سے روایت ہے انہوں نے کہا میں مسجد میں داخل ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے پس جب سورج غائب ہوا، رسول اللہ ﷺ نے کہا اے ابوذر کیا تم جانتے ہو یہ کہاں غائب ہوتا ہے یعنی کون سا مقام اس پر غالب آجاتا ہے جس سے سورج کی چمک دمک ختم ہو جاتی ہے سورج غائب ہو جاتا ہے۔ ابوذر نے کہا کہا گیا اللہ اور اس کے رسول سے بڑھ کر کسے علم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا پس اس میں کچھ شک نہیں زمین کا جو مقام اس پر غالب آجاتا ہے یعنی جہاں یہ سورج غائب ہوتا ہے پس سجود کی یعنی دوبارہ ویسا ہی کرنے کی اجازت چاہتا ہے پس اس کو اجازت دی جا رہی ہے اور بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے ہو رہا ہے تحقیق کہا جائے گا اس کو رجوع کر جہاں سے آیا ہے پس جہاں سے آیا وہیں اس کا رجوع کرنا اس کا طلوع ہونا ہے اس کے غروب کے مقام سے یعنی جہاں سے غروب ہو رہا ہے وہیں سے طلوع ہو رہا ہوگا۔ ابوذر نے کہا پھر قرا کیا رسول اللہ علیہ السلام نے عبداللہ کی قرأت سے وذلک مستقرلھا یعنی سورج کے لیے جو طے کر دیا گیا وہ وہی کر رہا ہے اور جب تک کہ اس کی اجل مسمیٰ یعنی خاتمے کا وقت نہیں آجاتا تب تک ایسا ہی کرتا رہے گا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی

نہیں کرے گا۔

آگے چل کر اس روایت پر بھی تفصیل سے بات کریں گے لیکن محمد علیہ السلام اس کے بعد اپنے گھر چلے گئے جب بعد میں محمد علیہ السلام وہاں سے اپنے گھر کی طرف چلے تو ساتھ ہی عبداللہ بن عباس بھی چل دیئے اور گھر میں داخل ہوتے ہی عبداللہ بن عباس نے محمد علیہ السلام سے جو سوال کیا اور پھر محمد علیہ السلام نے کیا جواب دیا وہ درج ذیل روایت کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔

**عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ان رسول الله ﷺ سئل : هذه المغارب من این تغرب؟ وهذه المطالع من این تطلع؟ فقال ﷺ: هی علی رسلها لا تبرح ولا تزول، تغرب عن قوم وتطلع علی قوم، وتغرب عن قوم وتطلع، فقوم یقولون غربت، وقوم یقولون طلعت.** مسند امام ابو اسحاق الهمدانی

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: سورج کے جو غروب ہونے کے مقام ہیں کہاں غروب ہوتا ہے؟ اور اس کے جو طلوع ہونے کے مقام ہیں کہاں سے طلوع ہوتا ہے؟ پس جواب دیا رسول اللہ ﷺ نے اسے یعنی زمین کو اس پر یعنی سورج پر بھیجا جاتا ہے زمین کو سورج پر پھیرا جاتا ہے، سورج نہ ہی اوپر جاتا ہے اور نہ ہی نیچے آتا ہے، نہ ہی زمین سے دور جاتا ہے، نہ روانہ ہوتا ہے نہ تھکتا ہے، نہ رکتا ہے نہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف جاتا ہے جہاں غروب ہوتا ہے ایک قوم سے وہیں سے ایک قوم پر طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے ایک قوم سے اور وہیں سے طلوع ہوتا ہے پس قوم یعنی لوگ کہتے ہیں غروب ہو گیا اور قوم یعنی لوگ کہتے ہیں طلوع ہو گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے خود دیکھ لیا کہ محمد علیہ السلام نے مسجد نبوی میں ایک بڑے مجمعے کے سامنے جو بات بیان کی اس میں غور نہ کرنے پر یہ تاثر ملتا ہے کہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے جس سے طلوع اور غروب ہو رہا ہے لیکن عین اسی وقت جب اس مجمعے سے الگ ہو کر اپنے گھر میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن عباس نے سوال کیا کہ سورج کے طلوع ہونے کے مقامات اور غروب ہونے کے مقامات کہاں ہیں تو محمد علیہ السلام نے بالکل واضح الفاظ میں کہا کہ سورج کی بجائے زمین کو سورج پر گھمایا جاتا ہے جس سے طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ سورج نہ ہی اوپر چڑھتا ہے نہ ہی نیچے جاتا ہے سورج نہ ہی زمین سے دور جاتا ہے، نہ ہی ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف سفر کرتا ہے نہ ہی تھکتا ہے جہاں سے غروب ہوتا ہے تو وہی ایک دوسری قوم پر طلوع ہو رہا ہوتا ہے جہاں سے طلوع ہو رہا ہوتا ہے وہیں سے ایک دوسری قوم پر غروب ہو رہا ہوتا ہے یہ دنیا کے لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں سورج طلوع ہو رہا ہے سورج غروب ہو رہا ہے۔ یعنی آپ بالکل واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی موقع پر محمد علیہ السلام نے بظاہر دو متضاد باتیں بیان کیں لیکن کیا واقعتاً یہ متضاد باتیں تھیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر ان کے متضاد ہونے کا تاثر کیوں ملتا ہے؟ اور پھر جو بات بالکل کھلم کھلے الفاظ میں اندر صرف عبداللہ بن عباس سے کہی وہی بات اس سے پہلے باہر مجمعے کے سامنے کیوں نہ کہی؟ باہر جو بات کہی اس سے سورج کے زمین کے گرد گھومنے کا تاثر کیوں ملتا ہے؟

ان سب سوالات کے جوابات اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ بات نہ جان لی جائے کہ اس وقت دنیا میں اور بالخصوص عرب میں سورج کے طلوع وغروب کے حوالے سے کیا نظریہ پایا جاتا تھا۔

محمد رسول اللہ کو جب بعث کیا گیا تو اس وقت پوری دنیا کے اکثر لوگوں کا سورج اور زمین کے حوالے سے ایک ہی نظریہ تھا اور وہ یہ کہ زمین روٹی کی طرح گول اور چپٹی ہے خشکی اس کے وسط یعنی درمیان میں ہے اس کے گرد پانی اور پانی کے گرد زمین کے کنارے ہیں ان کناروں پر پہاڑوں کی باڑ ہے جن پر آسمان اس طرح ٹکا ہوا ہے جیسے کوئی گنبد ہوتا ہے بالکل اسی طرح پہاڑوں پر پڑا ہوا ہے یعنی زمین کے گرد پہاڑ وہ ستون ہیں جن پر آسمان کے کنارے ٹکے ہوئے ہیں اور سورج آسمان کے اندر مشرق سے مغرب کی طرف سفر کرتا ہے۔

سات اوپر تلے روٹیوں کی مانند زمینیں ہیں جن پر سات آسمان ہیں آسمانوں کے اوپر عین سر پر ایک تخت ہے جس پر اللہ بیٹھا ہوا نظام چلا رہا ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو عین اللہ کے تخت کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے اور اسے اجازت مل جاتی ہے یوں وہ دوسرے دن پھر وہیں سے طلوع ہوتا ہے اور یہ کہ زمین حرکت کر رہی ہے یہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا جیسا کہ آگے تصویر میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔

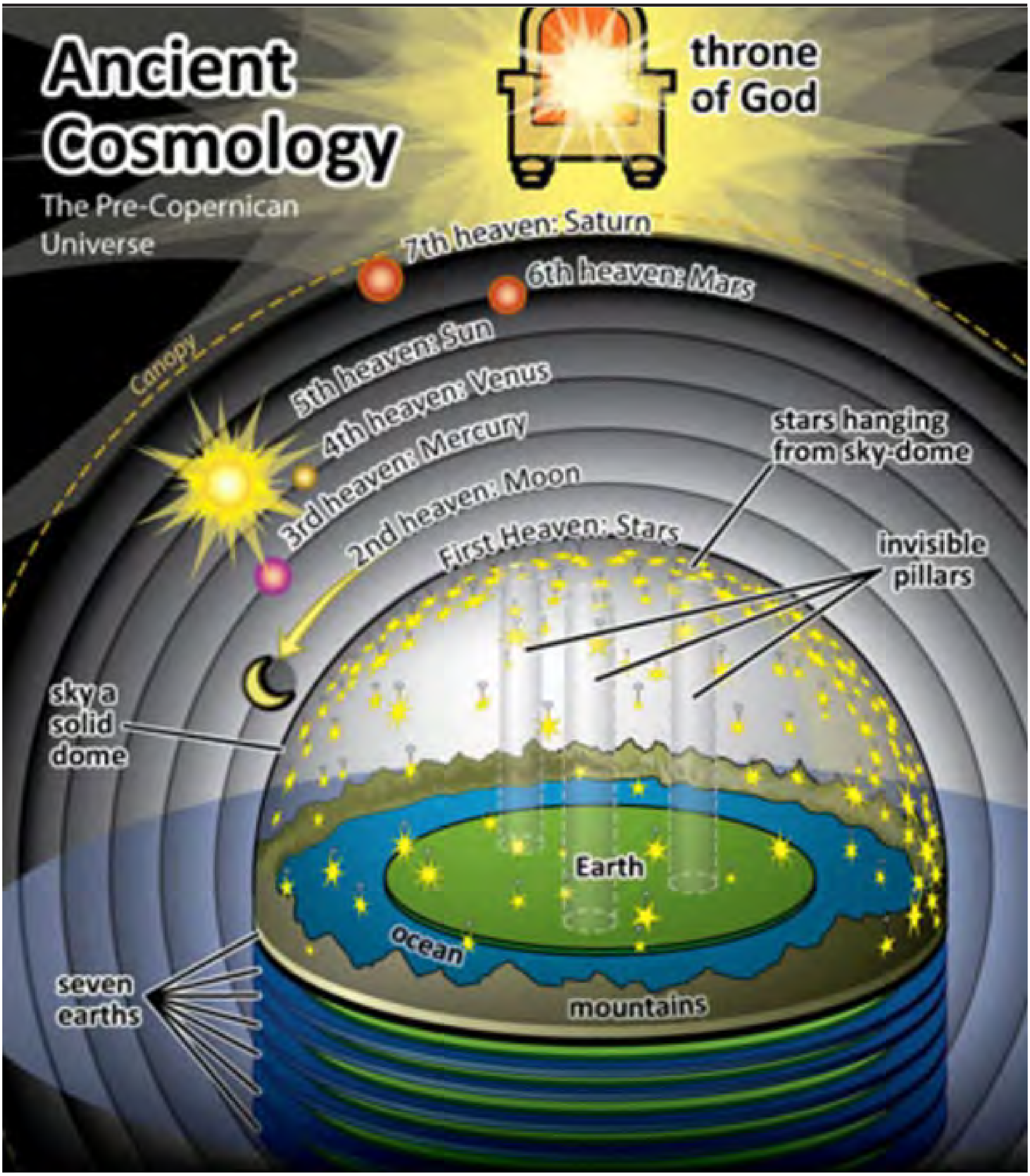
Ancient Cosmology
The Pre-Copernican Universe
throne of God
7th heaven: Saturn
6th heaven: Mars
5th heaven: Sun
4th heaven: Venus
3rd heaven: Mercury
2nd heaven: Moon
First Heaven: Stars
Canopy
stars hanging from sky-dome
invisible pillars
sky a solid dome
Earth
ocean
mountains
seven earths

سورج کے حوالے سے نظریہ تھا کہ سورج زمین کے مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہو جاتا ہے اور ایسا بیک وقت پوری دنیا کے لوگوں پر ہوتا ہے یعنی جب سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے تو اس وقت پوری دنیا کے باشندے سورج کو غروب ہوتا دیکھ رہے ہوتے ہیں اور پھر ایک ہی وقت میں پوری دنیا کے لوگوں پر طلوع ہوتا ہے یعنی سورج کا طلوع کا بھی ایک مقام ہے اور غروب ہونے کا بھی ایک ہی مقام ہے۔ یوں رات بھر سورج غروب ہی رہتا ہے عین سر پر اوپر خلا میں ایک تخت ہے جو کہ اللہ کا عرش ہے اور اس تخت پر بیٹھا اللہ یہ نظام چلا رہا ہے جیسا کہ پیچھے تصاویر اس پورے عقیدے و نظریہ کی وضاحت کر رہی ہیں جن سے آپ با آسانی اس عقیدے و نظریے کو سمجھ سکتے ہیں۔

اس وقت محمد علیہ السلام نے یہ کہا کہ جب یہ آیت آئے گی کہ سورج اس کے مغرب سے طلوع ہو رہا ہے تب کسی نفس کو ایمان لانا نفع نہ دے گا الا یہ کہ وہ اصلاح کرنے والے اعمال نہ کر لے ایمان میں خیر نہ کما لے یعنی اگر یہ بات اس وقت کہی جاتی کہ سورج نہیں بلکہ زمین گھوم رہی ہے تو شاید ہی کوئی ایسا ہوتا جو اس بات پر ایمان لے آتا یعنی اس بات کو تسلیم کر لیتا اور پھر ایک وقت ایسا آئے گا جب یہی بات دنیا والوں کو بتائی جائے گی تو سب ایمان لے آئیں گے یعنی سب

اس بات کو تسلیم کرلیں گے کہ سورج نہیں بلکہ زمین کے سورج کے گرد گھومنے سے رات اور دن آجا رہے ہیں۔

آج سے کچھ دہائیاں پہلے جب انسان پر یہ راز کھلا کہ زمین چپٹی نہیں بلکہ گیند کی مانند گول ہے ایک گولہ ہے اور سورج زمین کے گرد نہیں بلکہ زمین سورج کے گرد اپنے ہی محور پر گردش کر رہی ہے جس کی وجہ سے رات اور دن آتے جاتے ہیں اور پھر ایسا نہیں ہے کہ سورج رات بھر غروب رہتا ہے بلکہ سورج تو ہر لمحہ دنیا پر کہیں نہ کہیں طلوع ہی رہتا ہے سورج غروب ہوتا ہی نہیں۔ اس سے پہلے پوری دنیا کے لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ سورج مغرب میں جہاں اسے وہ اپنی آنکھوں سے غروب ہوتا دیکھ رہے ہوتے تھے وہاں غروب ہو جاتا ہے لیکن جب آج سے کچھ عرصہ پہلے یہ راز کھلا ہے تو پتہ چلا کہ جہاں ہم سورج کو غروب ہوتا دیکھ رہے ہوتے ہیں اسی مقام سے اسی وقت مغرب سے دنیا کے کئی خطوں پر طلوع ہو رہا ہوتا ہے اور آج دنیا کے سب لوگ ہی اس بات پر ایمان لے آئے یعنی سب نے ہی اس بات کو تسلیم کرلیا۔

یعنی کہ محمد علیہ السلام اگر اس وقت یہ کہتے کہ زمین گیند کی طرح گول ہے اور سورج زمین کے مشرق سے مغرب کی طرف آتا جاتا نہیں بلکہ سورج تو ایک ہی مقام پر اپنے ہی محور پر گھوم رہا ہے اور ہر لحاظ سے گھومتا گھومتا آگے کو سفر کر رہا ہے نہ کہ زمین کے گرد اور زمین اس کے گرد اپنے ہی محور پر گھوم رہی ہے جس کی وجہ سے دن رات ہوتے ہیں تو اکثریت ایمان لانے کی بجائے تکذیب کر دیتی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سورج سفر نہیں کر رہا حالانکہ ہم اپنی آنکھوں سے سورج کو آتا جاتا دیکھ رہے ہیں اور اگر زمین اتنی غیر معمولی رفتار سے گھوم رہی ہوتی تو زمین پر کچھ ہلتا جلتا اور اس کے کچھ اثرات تو واضح ہوتے اس لیے یہ بات غلط اور ایسا ناممکن ہے یوں اکثریت ایمان لانے کی بجائے کفر کر دیتی۔ اسی کے پیش نظر محمد علیہ السلام نے صرف علم ہی نہیں بلکہ اس علم کو پوری حکمت کیساتھ استعمال کیا۔ ایسے الفاظ استعمال کیے جو کہ انتہائی غیر معمولی ہیں اگر تھوڑا سا بھی غور کریں تو یہ حیران کر دینے والی انتہائی غیر معمولی بات ہے۔

محمد علیہ السلام نے بات ایسے کی کہ گویا وہ حقیقت کے برعکس ہے یعنی کہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے جو کہ جھوٹ تھا لیکن محمد علیہ السلام کے الفاظ نہ صرف بالکل حق پر مبنی تھے بلکہ بہت ہی پیچیدہ ترین بھی، گہرائی میں جا کر سمجھے بغیر یہی لگتا ہے کہ محمد علیہ السلام نے یہ کہا کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا یعنی زمین الٹا گھومنا شروع کردے گی۔

محمد رسول اللہ علیہ السلام گیارہ سال تک دعوت دیتے رہے اس عرصے میں محمد علیہ السلام کی دعوت نہ صرف پورے خطہ عرب میں پہنچ چکی تھی بلکہ ہند، فارس و روم تک بھی دعوت پہنچ گئی تو اس دعوت کے نتیجے میں گیارہ سال کے بڑے عرصے میں صرف اور صرف کم و بیش اسی کے قریب لوگ ایمان لائے یعنی اسی کے آس پاس ایسے لوگ تھے جنہوں نے محمد علیہ السلام کی دعوت کو دل سے تسلیم کیا اور اکثریت نے یہی کہا کہ یہ محمد ایک نیا دین لے آیا ہے جس کا نہ ہم نے نہ ہی ہمارے آباؤ اجداد نے کسی سے سنا تھا اس لیے ہم تو ہرگز اس کی دعوت کو نہیں ماننے والے، ہم اپنے آباؤ اجداد سے جو نسل در نسل چلتا آیا اسے کسی بھی صورت ترک نہیں کرنے والے یوں اکثریت نے کفر کیا محمد علیہ السلام کی باتوں کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس کے برعکس جب تلوار اٹھائی تو اکثریت اسلام لانے یعنی سرنڈر کرنے پر مجبور ہوگئی۔ اکثریت ان لوگوں کی تھی جو ایمان نہیں بلکہ ڈنڈے کے خوف سے اسلام لائے تھے یعنی وہ محمد علیہ السلام کی دعوت کو حق تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ وہ تلوار کے ڈر سے اپنی جان بچانے کے لیے سرنڈر کیے ہوئے تھے ان میں ایک بڑی تعداد منافقین کی تھی جو آئے روز محمد علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی افواہیں اڑاتے رہتے تھے وہ محمد علیہ السلام کو مجنون اور پاگل کہتے تھے وہ محمد علیہ السلام کے خلاف کوئی بھی ہاتھ آیا موقع ضائع نہیں کرتے تھے۔ جب محمد رسول اللہ علیہ السلام مسجد نبوی میں موجود تھے اور سامنے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی ان میں منافقین بھی موجود تھے جن کا مقصد صرف اور صرف یہی ہوتا تھا کہ محمد سے کوئی ایسی بات ملے جس سے اسے بدنام کیا جا سکے اس کے خلاف سازشیں کی جا سکیں اور اسے نقصان پہنچایا جائے ان منافقین کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اس وقت عام لوگوں کے سامنے سورج کے طلوع و غروب کے حوالے سے ایسی بات کہی جس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ سورج سفر کر رہا ہے حالانکہ محمد علیہ السلام کے الفاظ کی گہرائی میں جایا جائے تو بالکل واضح یہ بات سامنے آئے گی کہ محمد علیہ السلام نے ایسا ہرگز نہیں کہا تھا کہ سورج سفر کر رہا ہے ہاں البتہ یہ تاثر ضرور ملتا ہے۔ اب اگر اس وقت محمد علیہ السلام دوٹوک الفاظ میں وہی کہہ دیتے جو بعد میں اندر عبداللہ بن عباس کو بتایا تو نہ صرف منافقین کے ہاتھ محمد علیہ السلام کو بدنام کرنے کے لیے ہتھیار آجاتا بلکہ اکثریت اس بات کو ماننے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیتی کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ سورج نہیں بلکہ زمین گھوم رہی ہے حالانکہ ہم تو اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ سورج گھوم رہا ہے سورج طلوع اور غروب ہو رہا ہے۔ یہ وجہ تھی جو اس وقت محمد علیہ السلام نے انتہائی حکمت

کیساتھ کام لیا۔

یہاں تک یہ بات بھی بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ جب محمد علیہ السلام کو حقیقت کا علم تھا کہ سورج کی بجائے زمین کے سورج پر گھمائے جانے سے طلوع اور غروب ہو رہا ہے، سورج تو غروب ہوتا ہی نہیں وہ تو ہر وقت ایک ہی حالت میں موجود ہے وہ طلوع و غروب نہیں ہوتا بلکہ ایسا نظر آتا ہے تو پھر محمد علیہ السلام یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب سورج الٹا سفر کرنا شروع کر دے گا؟

ناقابل تردید حقیقت یہ ہے کہ نہ تو محمد علیہ السلام نے ایسا کہا اور نہ ہی کہیں پر آپ کو کہیں پر بھی عربی متن میں محمد علیہ السلام کے ایسے الفاظ ملیں گے ہاں البتہ تراجم و تفاسیر کے نام پر آپ کو بہت ساری خرافات محمد علیہ السلام سے منسوب ملیں گی جنہیں آج تک اکثریت محمد علیہ السلام کے الفاظ ہی سمجھتی رہی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ محمد نے اسی وقت یہ بات واضح کر دی تھی کہ جہاں سورج غروب ہوتا ہوا نظر آ رہا ہوتا ہے سورج غروب نہیں ہوتا بلکہ وہ وہیں سے ایک دوسری قوم یعنی اور لوگوں پر طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ جہاں سے طلوع ہو رہا ہے وہیں سے ایک دوسری قوم پر غروب بھی ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ بات اگر اس وقت لوگوں کو بتا دی جاتی تو جو اس سے پہلے ایمان لا چکے تھے ان کے علاوہ کوئی بھی اس بات پر ایمان نہ لاتا۔ لیکن جب انسانوں کی تکذیب کے سبب اللہ کی آیات آئیں گی تو ان میں جو سب سے پہلی آیات ہیں ان میں ایک یہ آیت آئے گی یہ آیت بیّن ہو گی کھل کر واضح ہو گی کہ سورج اس کے مغرب سے طلوع ہو رہا ہے تو سب ایمان لے آئیں گے یعنی سب اس بات کو تسلیم کر لیں گے کہ ہاں سورج نہیں بلکہ زمین کے گھومنے سے رات اور دن ہو رہے ہیں اور جو آج تک ہم اپنی آنکھوں سے سورج کو گھومتا دیکھتے آ رہے ہیں یہ غلط ہے سورج نہ ہی طلوع ہوتا ہے اور نہ ہی غروب ہوتا ہے بلکہ سورج جہاں طلوع ہوتا نظر آتا ہے وہیں سے وہ دوسری قوم یعنی اور لوگوں پر غروب ہوتا نظر آ رہا ہوتا ہے اور جہاں سے ہم پر غروب ہوتا دیکھ رہے ہوتے ہیں وہیں سے وہ دوسرے لوگوں پر طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔

یہاں پر محمد رسول اللہ علیہ السلام کے الفاظ کو بغور دیکھیں **طلوع الشمس من مغربھا** طلوع ہو رہا ہے سورج اس کے مغرب سے۔ یعنی عربی میں بالکل واضح یہ لکھا ہوا ہے کہ سورج طلوع ہو رہا ہے نہ کہ یہ کہا گیا کہ سورج طلوع ہو گا۔ آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ طلوع ہو رہا ہے لیکن تب کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ سورج جہاں غروب ہوتا ہے وہیں سے وہ طلوع بھی ہو رہا ہے اس وجہ سے اکثریت نے یہی سمجھا کہ سورج جہاں غروب ہوتا ہے وہاں سے طلوع ہو گا۔ حقیقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور اگر اس وقت لوگوں کو یہ بتا دیا جاتا تو سوائے چند کے کوئی بھی اس بات کو نہ مانتا۔

اور یہی محمد علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب دنیا والوں پر یہ بات کھل جائے گی کہ طلوع ہو رہا ہے سورج وہیں سے جہاں سے وہ غروب ہوتا نظر آ رہا ہے تو تب اس وقت سب لوگ مان جائیں گے اس بات کو تسلیم کر لیں گے جو اگر آج کہی جائے تو کوئی بھی نہیں مانے گا سوائے ان کے جو پہلے سے ایمان لا چکے۔

اب ذرا غور کریں کہ جب تک یہ راز دنیا پر نہیں کھلا تھا کہ دنیا گیند کی طرح گول ہے، رات اور دن سورج کے زمین کے گرد گھومنے کی وجہ سے نہیں ہو رہے جیسا کہ آنکھوں سے نظر آتا ہے بلکہ زمین کے سورج کے گرد اپنے ہی محور پر گھومنے سے رات اور دن ہو رہے ہیں جب تک یہ راز نہیں کھلا تھا تو تب اگر کسی کو کہا جاتا کہ سورج زمین کے گرد نہیں بلکہ اس کے برعکس زمین اپنے ہی محور پر سورج کے گرد گھوم رہی ہے تو کیا وہ مان جاتا؟

کیا وہ یہ نہ کہتا کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ سورج گھوم رہا ہے سورج طلوع ہوتا ہے سورج سفر کرتا ہے سورج ڈھلتا ہے سورج غروب ہوتا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ سورج نہیں بلکہ زمین گھوم رہی ہے تم تو کوئی پاگل ہو اور اگر زمین گھوم رہی ہے تو پھر زمین پر کچھ بھی ہل کیوں نہیں رہا؟ یعنی بالکل واضح ہے کہ کوئی بھی نہ مانتا اور تب اگر اسے یہ کہا جاتا کہ جب تمہارے لیے یہ آیت آیت نہیں رہے گی یعنی یہ حقیقت ایسے کھل جائے گی کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ سورج جہاں غروب ہوتا ہے وہیں سے طلوع ہو رہا ہے تو تب تم مان جاؤ گے تو کیا اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تب سورج الٹا گھومنا شروع کر دے گا؟

اصل بات تو یہ ہے کہ اس وقت محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ اگر آج یہ آیت لوگوں پر بیّن کر دی جائے تو کوئی اس آیت پر ایمان نہیں لائے گا یعنی کوئی بھی نہیں مانے گا کہ سورج جہاں ڈوبتا نظر آ رہا ہے وہیں سے وہ طلوع بھی ہو رہا ہے لیکن جب یہ آیت آیت نہیں رہے گی جب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب یہ اس بات کو مان لیں گے کہ ہاں سورج جہاں ڈوبتا نظر آ رہا ہے وہیں سے طلوع ہو رہا ہے۔

یہ تھی حقیقت نہ کہ سورج نے الٹا سفر شروع کرنا تھا اور نہ ہی ایسا اللہ کے قانون میں ہے۔

آپ غور کریں آج جو لوگ اپنے آباؤ اجداد کے پجاری ہیں جو لوگ اندھوں کی طرح اپنے ملاّؤں کے پیچھے چل رہے ہیں اپنے آباؤ اجداد سے جو منتقل ہوا اسی

کے پیچھے چل رہے ہیں اور جو لوگ سائنس کے پجاری ہیں جسے سائنس تسلیم کرے اسے مانیں گے اور جسے سائنس تسلیم نہ کرے اسے نہیں مانیں گے تو ایسے لوگوں کو آج سے چودہ صدیاں قبل کہا جاتا یا جب تک یہ راز نہیں کھلا تھا تب کہا جاتا کہ زمین چپٹی نہیں بلکہ گیند کی طرح گول ہے اور سورج زمین کے گرد نہیں بلکہ زمین سورج کے گرد اپنے ہی محور پر گھوم رہی ہے جس سے رات اور دن ہو رہے ہیں تو کیا یہ سب لوگ مان جاتے؟ سوائے غور وفکر کرنے والوں کے؟ تو جواب بالکل واضح ہے کہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کوئی بھی نہ مانتا۔ ملّاؤں سمیت سائنس کے پجاریوں کا اس وقت یہی کہنا ہوتا کہ یہ بات تو ہمارے مشاہدے کے خلاف ہے، ہمارے عقائد ونظریات کے خلاف ہے ہم نے آج تک ایسا کسی سے نہیں سنا اس لیے ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لیے ہم نہیں مانیں گے کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے سورج کو طلوع ہوتا اوپر چڑھتا آگے سفر کرتا ڈھلتا اور غروب ہوتا دیکھ رہے ہیں اور تم کہتے ہو نہیں بلکہ زمین کے گھومنے سے ایسا ہو رہا ہے۔

بالکل ایسے ہی جیسے آج یہی لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ سورج نہیں بلکہ زمین کے گھومنے سے رات اور دن ہو رہے ہیں اور اگر آج اس کے برعکس ان کو کہا جائے تو یہ کسی بھی صورت نہیں مانیں گے ان کا جواب یہی ہوگا کہ جب ہم حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو تمہاری بات کو کیسے سچ مان لیا جائے اس لیے ایسا ممکن ہی نہیں کہ تمہاری بات کو سچ تسلیم کرلیا جائے۔

یہ تھی سورج کے جہاں ڈوبتا نظر آتا ہے وہاں سے طلوع ہونے کی حقیقت۔

اب آتے ہیں واپس دوبارہ اس روایت کی طرف کہ کیا کسی روایت میں ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محمد علیہ السلام نے کہا ہو کہ سورج الٹا سفر کرنا شروع کردے گا؟ تو یہ اٹل حقیقت ہے کہ کسی ایک بھی روایت میں ایسا کوئی ایک بھی لفظ تک نہیں ہے کہ جس میں ایسی کوئی بات موجود ہو کہ محمد علیہ السلام نے ایسا کہا ہو کہ سورج الٹا سفر کرنا شروع کردے گا بلکہ حقیقت تو اس کے بالکل برعکس ہے محمد علیہ السلام نے کیا کہا تھا اس کو اس روایت سے بالکل واضح کرتے ہیں۔

**عن ابی ذر قال دخلت المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس فلماغابت الشمس قال: یا با ذر ھل تدری این تذھب ھذہ. قال قلت اللہ ورسولہ اعلم، قال فانھا تذھب فتستاذن فی السجود فیوذن لھا و کانھا قد قیل لھا ارجعی من حیث جئت فتطلع من مغربھا. قال ثم قر فی قراء ۃ عبد اللہ و ذلک مستقرلھا.** مسلم

ابوذر سے روایت ہے انہوں نے کہا میں مسجد میں داخل ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے پس جب سورج غائب ہوا، رسول اللہ ﷺ نے کہا اے ابوذر کیا تم جانتے ہو یہ کہاں غائب ہوتا ہے یعنی کون سا مقام اس پر غالب آجاتا ہے جس سے سورج کی چمک دھمک ختم ہوجاتی ہے سورج غائب ہوجاتا ہے۔ ابوذر نے کہا کہا گیا اللہ اور اس کے رسول سے بڑھ کر کسے علم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا پس اس میں کچھ شک نہیں زمین کا جو مقام اس پر غالب آجاتا ہے یعنی جہاں یہ سورج غائب ہوتا ہے پس سجود کی یعنی دوبارہ ویسا ہی کرنے کی اجازت چاہتا ہے پس اس کو اجازت دی جارہی ہے اور بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے ہو رہا ہے تحقیق کہا جائے گا اس کو رجوع کر جہاں سے آیا ہے پس جہاں سے آیا وہیں اس کا رجوع کرنا اس کا طلوع ہونا ہے اس کے ڈوبنے کے مقام سے یعنی جہاں سے غروب ہو رہا ہے وہیں سے طلوع ہو رہا ہوگا۔ ابوذر نے کہا پھر قرا کیا رسول اللہ علیہ السلام نے عبداللہ کی قرأت سے وذلک مستقرلھا یعنی سورج کے لیے جو طے کردیا گیا وہ وہی کر رہا ہے اور جب تک کہ اس کی اجل مسمیٰ یعنی خاتمے کا وقت نہیں آجاتا تب تک ایسا ہی کرتا رہے گا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی نہیں کرے گا۔

اس روایت میں آپ بالکل واضح الفاظ میں دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے پہلے یہ بات واضح کی کہ اس وقت سورج کیا کر رہا ہے اور آج پوری دنیا کے انسان جانتے ہیں کہ سورج کیا کر رہا ہے آج ہر کوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے اور اس روایت میں تو محمد علیہ السلام نے بالکل واضح یہ کہا کہ فانھا تذھب اس میں کچھ شک نہیں زمین کا جو مقام سورج پر غالب آجاتا ہے زمین کا وہ مقام جس کے سامنے تمہارے لیے سورج کی چمک دھمک ماند پڑ جاتی ہے سورج چھپ جاتا ہے۔ بالکل دوٹوک الفاظ میں کہا گیا کہ سورج سفر کرتا ہوا ڈوبتا نہیں ہے بلکہ زمین کا کچھ حصہ ہے جو سورج کے سامنے آجاتا ہے جس وجہ سے سورج لوگوں کی نظروں سے چھپ جاتا ہے محمد علیہ السلام نے کہا یہ سلسلہ چلتا رہے گا سورج اسی طرح سجدے میں ہی رہے گا اور بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے ابھی ہو رہا ہے کب ایسے ہی ہوگا جیسے ابھی ہو رہا ہے جب سورج کو کہا جائے گا رجوع کر جہاں سے آیا ہے پس جہاں سے آیا وہیں اس کا رجوع کرنا اس کا طلوع

ہونا ہے اس کے ڈوبنے کے مقام سے یعنی جہاں سے غروب ہو رہا ہوگا وہیں سے طلوع ہو رہا ہوگا۔

ایک ہی بات کو دو طرح سے ایسے بیان کیا گیا کہ غور کرنے والا ہی اس نکتے کو پکڑ سکتا ہے کہ ایک ہی بات کہی جا رہی ہے اور جو غور نہیں کرے گا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ ایک ہی بات ہے بالکل ایسے ہی جیسے ہم آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

ایک موٹر سائیکل جو ایک سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ رہی ہے کہ اچانک اس کی بیک لائٹ اتر کر زمین پر گر جاتی ہے اس کے باوجود وہ کبھی بند ہوتی ہے اور کبھی بجھتی ہے۔

اب آپ سے سوال ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ جب آپ سے پوچھا جائے گا تو آپ بات پر غور کرنے کی بجائے جو خاکہ پہلے سے آپ کے دماغ میں موجود ہے اسی پر سوچنا شروع کر دیں گے کہ بیک لائٹ گر پڑی موٹر سائیکل چلی گئی اس کے باوجود بیک لائٹ سڑک پر پڑی آن آف ہو رہی ہے جل بجھ رہی ہے۔ آپ اب کہیں گے کہ ہو سکتا ہے اس کے ساتھ کوئی بیڑی لگی ہو۔ اس طرح آپ وجوہات سوچنا شروع کر دیں گے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے لیکن آپ سوال میں جو بات آپ سے کی گئی اس میں غور نہیں کریں گے۔

سوال میں یہ تو کہیں نہیں کہا گیا کہ لائٹ جل اور بجھ رہی ہے بلکہ سوال میں تو کہا گیا کہ کبھی بند ہوتی ہے اور کبھی بجھتی ہے۔ بند ہونا اور بجھنا ایک ہی تو بات ہے لیکن جب آپ نے سوال میں جو بات کی جا رہی ہے اس میں غور نہیں کیا تو اس وجہ سے آپ نے یہی سمجھا کہ کبھی جل رہی ہے اور کبھی بجھ رہی ہے۔ بالکل ایسے ہی محمد علیہ السلام نے ایک ہی بات کہی تھی بالکل واضح کہا تھا کہ جیسے آج سورج کر رہا ہے جو اس کی حقیقت ہے جسے آج ہر کوئی جان چکا ہے تو جو آج سورج کر رہا ہے تب بھی بالکل ایسے ہی کر رہا ہوگا اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا جب سورج جہاں ڈوبتا نظر آتا ہے وہیں سے طلوع ہو رہا ہوگا تو اکثریت نے وہی سمجھا جو کہ پہلے سے ان کے دماغوں میں تھا ان کا چونکہ ماننا یہ تھا کہ سورج سفر کر رہا ہے اس لیے انہوں نے یہی سمجھا کہ تب سورج ایسے ہی الٹا سفر کرتا دکھائی دے گا اس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ سورج نہیں بلکہ زمین اپنے ہی محور پر گھوم رہی ہے جس سے رات اور دن آ جا رہے ہیں۔

پیچھے جو مثال بیان کی گئی کہ اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ موٹر سائیکل ایک سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی ہے اور اس کے بیک لائٹ ٹوٹ کر سڑک پر گر جاتی ہے اس کے باوجود وہ کبھی بند ہوتی ہے کبھی بجھتی ہے۔ آپ کسی سے بھی یہ سوال کریں تو آپ کو بہت ہی کم لوگ ایسے ملیں گے کہ جو اس سوال کا جواب دے پائیں اگر ان کو پہلے سے اس کا علم نہیں ہوگا تو کیونکہ جب یہ سوال کیا جائے گا تو سوائے غور وفکر کرنے والے چند لوگوں کے باقی سب ہی سوال میں کی جانے والی بات میں غور کرنے کی بجائے اس بارے میں پہلے سے جو نظریہ ان کے ذہن میں ہوگا وہی خاکہ ان کے ذہن میں آئے گا۔ ان کو یہی لگے گا کہ آپ کہہ رہے ہیں وہ کبھی جل رہی ہے اور کبھی بجھ رہی ہے جس وجہ سے وہ اس کی طرح طرح سے تاویلیں کرنا شروع کر دیں گے حالانکہ آپ نے تو سوال میں ایسا کہا ہی نہیں کہ کبھی جل رہی ہے اور کبھی بجھ رہی ہے بلکہ آپ نے کہا کبھی بند ہو رہی ہے اور کبھی بجھ رہی ہے۔ بند ہونا اور بجھنا ایک ہی تو بات ہے۔ بالکل عین اسی طرح آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بارے میں کہا تھا۔

اس وقت بھی سورج جہاں غروب ہوتا تھا یعنی جہاں انسانوں کو ڈوبتا ہوا نظر آ رہا ہوتا تھا عین اسی وقت اسی مقام سے وہ طلوع بھی ہو رہا ہوتا تھا اور آج بھی بالکل وہی ہو رہا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اس وقت انسان سمجھتے تھے کہ سورج ڈوب جاتا ہے پھر وہ کئی گھنٹے چھپے رہنے کے بعد دوسری سمت سے طلوع ہوتا ہے۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ جہاں اسے ڈوبتا دیکھ رہے ہیں وہیں اسے وہ ایک دوسری قوم کو عین اسی وقت طلوع ہوتا نظر آ رہا ہوتا ہے اور اس کے برعکس آج یہ راز ہر کسی پر کھل چکا ہے۔ محمد علیہ السلام کے الفاظ کے عین مطابق سورج اس وقت یعنی چودہ صدیاں قبل جو کر رہا تھا آج چودہ صدیاں بعد اس وقت بھی اس نے ویسے ہی کرنا تھا اس نے جہاں غروب ہوتا ہے وہیں سے طلوع ہو رہا ہونا تھا۔ لیکن خود کو علماء کہلوانے والے انسانیت کی راہنمائی کے دعویداروں نے اپنے بے بنیاد خود ساختہ باطل عقائد ونظریات کو محمد علیہ السلام سے منسوب کر کے انسانیت کو آج تک خوب گمراہ کیا۔

آپ خود غور کریں کہ اگر سورج کا اس کے مغرب سے طلوع ہونے کا مطلب یہ ہوتا کہ سورج الٹا سفر شروع کر دے گا تو اس کے لیے سب سے پہلے یہ بات ثابت ہونی چاہیے کہ زمین نہیں بلکہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے جیسے وہ آنکھوں سے نظر آتا ہے اور جو نظریہ اس راز کے کھلنے سے پہلے عام تھا کہ زمین روٹی

کی طرح چپٹی ہے اس کے درمیان میں خشکی اس کے گرد سمندر اور سمندر کے اطراف زمین کے کناروں پر پہاڑوں کی باڑ ہے جو نہ صرف سمندروں کو روکے ہوئے ہے بلکہ گنبد نما آسمان اس پر ٹکا ہوا ہے۔ سورج ایک مخصوص متعین مقام سے طلوع ہوتا ہے اور پھر سفر کرتا ہوا ایک مخصوص متعین مقام پر جا کر ڈوب جاتا ہے یوں طلوع اور غروب پوری دنیا کے لوگوں پر بیک وقت ہوتا ہے یعنی جب طلوع ہوتا ہے تو پوری دنیا کے لوگوں پر طلوع ہو رہا ہوتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو پوری دنیا کے لوگوں پر غروب ہو رہا ہوتا ہے۔

اگر سورج کا اس کے مغرب سے طلوع ہونے سے مراد یہ مان لیا جائے کہ جیسے سورج ایک سمت سے دوسری سمت سفر کرتا دکھائی دیتا ہے اس کے الٹ سفر کرتا دکھائی دے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ لوگوں کا سورج و زمین کے حوالے سے نظریہ سچ تھا۔

لیکن کیا حقیقت یہی ہے؟ نہیں بلکہ آج پوری دنیا پر حقیقت کھل چکی کہ زمین روٹی کی طرح چپٹی نہیں بلکہ گیند کی طرح گول ہے اور سورج زمین کے گرد سفر نہیں کر رہا بلکہ زمین اپنے ہی محور پر سورج کے گرد گھوم رہی ہے جس وجہ سے رات اور دن آ جا رہے ہیں۔

اور پھر دوسری بات کہ سورج کا مقام طلوع اور مقام غروب یہ مخصوص دو مقامات ہونا ضروری ہیں اور اس کے لیے پھر زمین کا روٹی کی طرح چپٹا ہونا بھی ضروری ہے تب ہی جا کر ایسا سوچا جا سکتا ہے لیکن کیا حقیقت یہی ہے؟

نہیں بالکل نہیں۔ جب حقیقت یہ نہیں تو پھر ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ کیسے سورج الٹا سفر کرنا شروع کر سکتا ہے؟

پھر آج ہر کوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ سورج تو ڈوبتا ہی نہیں بلکہ سورج تو ہر لمحے طلوع ہی رہتا ہے لیکن انسانوں کے نزدیک سورج ہر لمحے زمین کے ہر مقام سے غروب بھی ہو رہا ہے اور وہیں سے طلوع بھی ہو رہا ہے مثلاً اس وقت اگر آپ کے ہاں طلوع ہو رہا ہے تو عین یہی مقام ایک دوسری قوم کے لیے مقام غروب ہے۔ اگر اس وقت سورج آپ کے سر پر ہے تو عین اسی وقت یہی مقام کسی ایک قوم کے لیے مقام غروب اور کسی دوسری قوم کے لیے مقام طلوع ہے۔ کسی قوم کے لیے صبح کا وقت تو کسی قوم کے لیے عصر کا وقت ہے یعنی سورج تو ہر لمحے کسی قوم پر طلوع تو کسی قوم پر غروب ہو رہا ہے تو پھر یہ بات تو بالکل بے بنیاد ہو جاتی کہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونے کا مطلب سورج کا الٹا سفر کرنا ہے۔

پھر ایسے لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ نہیں سورج الٹا سفر کرے گا جب حقیقت کھل کر واضح ہو گئی کہ رات اور دن تو سورج کی بجائے زمین کے گھومنے کی وجہ سے آ جا رہے ہیں تو ان لوگوں نے ایک نیا فارمولا ایجاد کر لیا کہ زمین الٹا گھومنا شروع کر دے گی جس وجہ سے سورج مغرب سے طلوع ہوتا دکھائی دے گا۔ بجائے یہ کہ یہ لوگ حقیقت کھل جانے کے بعد اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی اصلاح کر لیتے اندھوں کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے پیچھے چلنے سے باز آ جاتے اور غور و فکر کرتے بلکہ یہ لوگ الٹا مزید اپنی گمراہی پر ڈٹ گئے اور اصلاح کا زبردستی دروازہ ہی بند کر دیا۔

ان لوگوں نے کائنات کو کھیل سمجھ لیا اور زمین کو کسی کے ہاتھ میں کھیلنے والی ایک گیند سمجھ لیا کہ جو جیسے چاہے اسے گھماتا پھرے۔

کائنات میں تمام کے تمام ستارے و سیارے ایک دوسرے کی مقناطیسی قوت کی وجہ سے نہ صرف خلا میں معلق ہیں بلکہ گولائی میں گھومتے گھومتے تیر رہے ہیں۔

کوئی ایک بھی سیارہ ایک رائی برابر بھی نہ تو اپنی رفتار بدل سکتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے مدار سے ہٹ سکتا ہے۔ تبدیلی ممکن ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ کوئی بھی ستارہ و سیارہ یا زمین الٹا گھوم سکتی ہے تو کسی ایک بھی ستارے و سیارے کی ایک چھوٹی سے تبدیلی کی وجہ سے کل کائنات دیکھتے ہی دیکھتے دھماکوں سے تباہ برباد ہو جائے۔

زمین چاہ کر بھی اپنی رفتار میں کمی یا زیادتی نہیں کر سکتی اگر کوئی سائنسدان ایسا دعویٰ کرتا ہے کہ انسان زمین کی حرکت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں تو یہ کائنات کی تاریخ کا سب سے بڑا بلنڈر اور سب سے بڑا جھوٹ ہو گا ایسی بات یا تو کوئی تاریخ انسان کا سب سے بڑا جاہل ہی کر سکتا ہے جس کے پاس علم کی رائی بھی نہ ہو یا پھر کوئی پاگل بے وقوف ہی کر سکتا ہے۔

کائنات میں تمام کے تمام ستارے و سیارے ایک دوسرے کی مقناطیسی کشش کی وجہ سے نہ صرف خلا میں معلق ہیں بلکہ گردش کر رہے ہیں ان میں کہیں بھی کوئی تبدیلی واقع ہونا ناممکن ہے کسی ایک بھی سیارے کی رفتار میں تبدیلی کا مطلب ہے کل کائنات کے نظام میں تبدیلی کا واقع ہونا اور کائنات تبدیلی کی متحمل ہے ہی نہیں ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے میں یہ کہنا کہ زمین الٹا گھومنا شروع کر دے گی جس وجہ سے سورج الٹا سفر کرتا دکھائی دے گا یہ ایسی جاہلانہ بات ہے جو

دین الاسلام کو اہل علم دنیا کی نظر میں مذاق بنا کر رکھ دیتی ہے۔ ایسی بے بنیاد جاہلانہ باتوں کی وجہ سے جو محمد علیہ السلام سے منسوب کی جاتی ہیں محمد علیہ السلام کا مذاق اڑانے پر دنیا کو ابھارتی ہیں اور اس کی اصل وجہ اور اس کے ذمہ دار بذات خود وہی لوگ ہیں جو امت محمد ہونے کے دعویدار ہیں اور بے بنیاد جاہلانہ اور فضول قسم کے اپنے خود ساختہ عقائد و نظریات کو محمد علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں۔

اگر ایک لمحے کے لیے یہ بات مان بھی لی جائے چلو مان لیا کہ زمین الٹا گھومنا شروع کر دے گی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کب تک چلے گا؟ اگر ایسا ہو جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے لمحوں کے اندر کل کائنات تباہ ہو جائے گی حالانکہ روایات میں تو سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کو الساعت کی پہلی آیات میں سے کہا گیا ہے۔ یاجوج اور ماجوج، الدجال، الدابۃ الارض، الدخانِ، النار وغیرہ تو سب اس کے بعد ظہور پذیر ہونا تھا اور اگر زمین الٹا گھومے تو پھر کیا یہ سب ہونا ممکن ہے؟ نہیں بالکل نہیں ان میں سے کچھ بھی ممکن نہیں رہتا۔

مثال کے طور پر جیسے ایک گاڑی ہے کیا ایسا ممکن ہے کہ گاڑی انتہائی تیز رفتاری سے چل رہی ہو اور انجن میں کوئی ایک گراری الٹا گھومنا شروع کر دے؟ چار میں سے ایک ٹائر الٹا گھومنا شروع کر دے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ ذرا غور تو کریں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسا ممکن ہی نہیں دوسری بات کہ اگر بالفرض مان لیا جائے جو کہ ناممکن ہے لیکن اس کے باوجود ایک لمحے کے لیے تصور کریں کہ گاڑی انتہائی تیز رفتاری سے چل رہی ہو اور اچانک انجن کا ایک پرزہ الٹا گھومنا شروع کر دے تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ اچانک پوری گاڑی دھماکے سے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

چاروں میں سے ایک ٹائر اچانک الٹا گھومنا شروع کر دے تو اچانک پوری گاڑی دھماکے سے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

بالکل ایسے ہی اگر یہ بات مان لی جائے کہ زمین الٹا گھومنا شروع کر دے گی تو کل کائنات سورج، چاند، ستارے و سیارے سب کچھ اچانک دھماکے سے تباہ ہو جائے گا۔

اب آتے ہیں قرآن کی طرف۔ ہم نے پیچھے کہا تھا کہ اگر سورج کا اس کے مغرب سے طلوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سورج الٹا سفر کرتا دکھائی دینا شروع کر دے گا تو یہ انتہائی غیر معمولی واقعہ ہے اور پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قرآن میں اللہ اتنے اہم واقعہ کا ذکر نہ کرے؟ اتنے اہم واقعہ کی تاریخ قرآن میں مذکور نہ ہو؟ اور اگر قرآن میں ایسا نہیں ملتا تو پھر اس کا مطلب ہے کہ حقیقت وہ نہیں جو آج تک لوگوں میں پھیلا دی گئی بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس کچھ اور ہے اور حقیقت کیا ہے اس کو قرآن الحکیم سے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

آپ قرآن کے شروع میں پڑھتے ہیں جو کہ پہلی ہی سورۃ، سورۃ الفاتحہ کی پہلی ہی آیت کے پہلے الفاظ ہیں الحمد للہ۔

جس کے معنی ہیں اللہ کے لیے ہے ہی حمد۔ اور حمد صرف اور صرف اس میں ہوتی ہے جو شئے ہر لحاظ سے مکمل پرفیکٹ اور بے عیب ہو جس میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی، کجی یا کوتاہی نہ ہو جس میں عیب کا تصور بھی نہ کیا جاسکے۔ اور اس کے برعکس جس میں عیب ہو، کمی، کجی یا کوتاہی ہو یہاں تک کہ رائی برابر بھی کوئی نقص یا عیب وغیرہ ہو تو اس میں حمد نہیں ہوتی۔

الحمد للہ، اللہ کے لیے ہے ہی حمد یعنی اللہ جو بھی کام کرتا ہے وہ بالکل مکمل پرفیکٹ کرتا ہے اللہ جو بھی خلق کرتا جو بھی کام کرتا ہے اس میں عیب کا تصور تک بھی نہیں کیا جاسکتا وہ ہر لحاظ سے مکمل اور بے عیب ہوتی ہے۔ اور جس میں عیب ہو وہ کام اللہ کا کام نہیں ہوسکتا اللہ ایسا نہیں کرتا۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر زمین الٹا گھومنا شروع کر دے تو کیا اس میں حمد ہے؟

زمین اگر الٹا گھومنا شروع کر دے تو اس میں حمد کہاں ہے؟ اس میں تو عیوب ہیں اس سے تو کل کائنات تباہ ہو جائے گی تو جس میں حمد نہیں وہ اللہ کیسے کر سکتا ہے؟

اس لیے نہ تو ایسا ممکن ہے اور نہ ہی اللہ کے قانون میں ایسا ہے کہ زمین کبھی الٹا گھومنا شروع کر دے گی۔

پھر آپ سورۃ فاطر کی اس آیت میں دیکھیں اللہ کیا کہہ رہا ہے یہ سورت فاطر کی پہلی ہی آیت ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. فاطر ۱

اللہ کے لیے ہے ہی حمد فاطر رہیں گے آسمان اور زمین یعنی جب تک آسمان اور زمین فاطر رہیں گے جیسا ان کو بنا دیا جیسے ہر خلق کو اس کے مقام پر قائم کر دیا جب تک تمام کا تمام ویسا ہی رہے گا تو اللہ کے لیے ہے ہی حمد یعنی ان میں کچھ بھی خرابی نہیں ہو گی اور اگر ان میں کچھ بھی فاطر نہ رہا کہیں بھی فطرت میں تبدیلی کی گئی تو حمد نہیں رہے گی جو کہ اللہ کا کام نہیں ہو گا۔

الحمد للہ، اللہ کے لیے ہے ہی حمد۔ یہاں تک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں اللہ کے لیے ہے ہی حمد تو آگے اس کا جواب آ جاتا ہے کیونکہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو فاطر کیا ہے۔

فاطر کیا ہے؟ لفظ فاطر کے معنی کیا ہیں؟

فاطر کی ضد فرط ہے۔ اگر کسی لفظ، کسی بات یا کسی شئے کی سمجھ نہ آئے تو اس کی ضد کو جان لینا چاہیے اس لفظ، بات یا شئے کی خود بخود سمجھ آ جائے گی ایسے ہی لفظ فاطر کی ضد ہے فرط۔ ف ر ط، فرط: فرط کہتے ہیں جب بھی کوئی کام کرنا کچھ خلق کرنا یا جو بھی کرنا تو کہیں کوئی بھول چوک ہو جانا، کوئی کمی یا کجی رہ جانا، کوتاہی ہو جانا، کام کا نامکمل ہونا بعد میں غلطی کے سامنے آنے پر اس کی تصحیح کرنا پڑے اور اس کے برعکس فاطر کہتے ہیں جو بھی کام کرنا جو بھی خلق کرنا اسے ہر لحاظ سے مکمل پرفیکٹ خلق کرنا کہیں کوئی غلطی نہیں ہوئی کوئی کجی کمی یا کوتاہی نہیں ہوئی کوئی بھول چوک نہیں ہوئی جو بھی کیا جو بھی خلق کیا وہ بالکل مکمل اور بے عیب خلق کیا اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔

تو سوال یہ تھا کہ کیوں ہے اللہ کے لیے حمد تو اسی کا اللہ نے آگے جواب بھی دے دیا کیونکہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو فاطر کیا ہے انہیں مکمل پرفیکٹ خلق کیا ہے ان کو خلق کرتے وقت کچھ بھول نہیں گیا تھا کوئی بھول چوک نہیں ہوئی کوئی کمی یا کجی نہیں چھوڑی، کوئی خرابی نہیں ہونے دی۔ ان کو ہر لحاظ سے مکمل اور بالکل بے عیب خلق کیا اس لیے اللہ کے لیے حمد ہے اور جب تک فاطر رہیں گے یعنی جیسا اللہ نے خلق کر دیا ویسا ہی سب رہے گا تب تک اللہ کے لیے حمد ہے اور اگر ان میں کوئی بھی تبدیلی کی جاتی ہے تو حمد نہیں رہے گی جس کا ذمہ دار اللہ نہیں بلکہ وہ ہو گا جو شریک بنے گا یعنی جو تبدیلی کرے گا۔ جو جیسا اللہ نے خلق کر دیا اس میں کسی بھی قسم کی کسی تبدیلی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی تبدیلی ممکن ہے ورنہ اللہ کے لیے حمد نہیں ہو گی اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کے لیے حمد نہ ہو اللہ تو سبحان ہے اللہ پاک ہے اس سے کہ اس کی خلق میں کچھ ایسا ہو جس سے اس کے لیے حمد نہ ہو، وہ اپنی خلق میں تبدیلی نہیں کرتا اور تب تک اللہ کے لیے حمد ہے جب تک کہ آسمانوں و زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے وہ فاطر رہے گا یعنی بالکل ویسا ہی رہے گا جیسا اللہ نے خلق کر دیا جس جس کو جس جس مقام پر قائم کر دیا جب تک تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہیں گے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کریں گی تب تک اللہ کے لیے حمد ہے۔

اب آپ خود غور کریں کہ کیا اللہ آسمانوں و زمین کو انفطر کر دے گا جس سے اس کے لیے حمد ہی نہ ہو وہ سبحان ہی نہ رہے؟ یعنی وہ خود ہی زمین کو فاطر کی بجائے انفطر کر دے گا کہ زمین کے گھومنے کی جو سمت اس نے طے کی اسی کے خلاف کر دے گا؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

بالکل نہیں اللہ کبھی ایسا نہیں کرنے والا اور نہ ہی ایسا کبھی ہونے والا ہے۔

آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو فاطر کیا ہے اور جب تک یہ فاطر رہیں گے تب تک اللہ کے لیے حمد ہے یعنی اللہ نے آسمانوں و زمین کو جیسا خلق کیا جب تک وہ بالکل ویسے رہیں گے تب تک اللہ کے لیے حمد ہے۔

اب آپ سے سوال ہے کہ کیا اللہ ان میں کوئی تبدیلی کرے گا؟ ان کو انفطر کرے گا جس سے اللہ کے لیے حمد نہ ہو؟ کیا اللہ نے جیسے پہلے خلق کیا کچھ غلطی ہو گئی تھی جو وہ تبدیلی کرے گا؟ اس غلطی کی بعد میں تبدیلی سے تصحیح کرے گا؟ کیا اللہ سے پہلے غلطی سے زمین کی سمت کا غلط تعین ہو گیا تھا جو اللہ زمین کے گھومنے کی سمت تبدیل کرے گا؟ ان تمام سوالات کے جوابات بھی اللہ نے قرآن میں بیان کر دیئے جیسا کہ درج ذیل آیت آپ کے سامنے ہے۔

لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ. الروم ۳۰

نہیں ہے تبدیلی اللہ کی خلق کے لیے۔

اللہ نے جو جیسا خلق کر دیا اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ اللہ کی خلق کے لیے تبدیلی ہے ہی نہیں۔ جب اللہ کی خلق کے لیے تبدیلی ہے ہی

نہیں اللہ نے جو جیسا خلق کیا اس میں تبدیلی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اللہ کی خلق تبدیلی کی متحمل ہے ہی نہیں اور اگر تبدیلی کی جائے گی تو وہ تبدیل ہونے کی بجائے خراب ہو کر تباہ و برباد ہو جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ اپنے ہی قانون کے خلاف کرے گا ایک طرف اللہ کہہ رہا ہے کہ اللہ کی خلق کے لیے تبدیلی ہے ہی نہیں اور دوسری طرف اللہ زمین کے گھومنے کی سمت بدل دے گا؟

ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟ اللہ ایسا کیوں کرے گا؟ اللہ اپنے قول میں جھوٹا نہیں ہے بلکہ اللہ سچا ہے جو اللہ نے کہہ دیا اللہ اس کے خلاف نہیں کرتا۔ اس کا جواب بھی آپ قرآن سے ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً ۔ الاحزاب ۶۲، الفتح ۲۳

اور نہیں پاؤ گے اللہ کی سنت کے لیے رائی برابر بھی تبدیلی یعنی اللہ کے طریقے میں رائی برابر بھی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

اللہ نے جو قانون بنا دیا اللہ جیسے آسمانوں و زمین کو چلا رہا ہے اس نظام میں اللہ کے قوانین میں تم کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی ہوتی ہوئی نہیں پاؤ گے یعنی اگر کوئی اللہ کی خلق میں اللہ کے قانون کے خلاف چلے گا اسے بدلنے کی کوشش کرے گا تو ایسا ممکن ہی نہیں کہ وہ کامیاب ہو جائے۔ اللہ کا قانون نہیں بدل سکتا خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ اللہ نے آسمانوں و زمین میں جو نظام وضع کر دیا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی ممکن نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا کرنے کی کوشش کرتا ہے کوئی اللہ کی خلق میں تبدیلی کرتا ہے فطرت میں تبدیلی کرتا ہے تو وہ مخلوق سلامت نہیں رہے گی اس میں خرابیاں ہو کر بالآخر وہ تباہ ہو جائے گی اس کا وجود ہی مٹ جائے گا اور اس سے متعلقہ مخلوقات کا بھی یہی حال ہوگا۔

جب اللہ کی سنت یعنی اللہ کے طریقے میں جو جیسا اللہ کر رہا ہے اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی تو پھر زمین کا اچانک مخالف سمت گھومنا یہ اتنی بڑی عظیم غیر معمولی تبدیلی کیسے ہو سکتی ہے؟

جان لیں جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ زمین الٹا گھومنا شروع کر دے گی یہ محض اپنی خواہشات کی اتباع کر رہے ہیں، ایسے لوگ ظن کی اتباع کر رہے ہیں ان کے پاس علم کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ یہ لوگ علم سے بالکل نا آشنا ہیں، یہ لوگ اپنی جہالت کو علم کا نام دیکر خود کو اور دوسروں کو آگ کی طرف لے جا رہے ہیں یہ جو بھی بات کرتے ہیں ان کے پاس اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے ایک بھی دلیل نہیں ہے۔

حقیقت ہر لحاظ سے آپ کے سامنے ہے۔ اللہ قرآن میں ایک بات کرتا ہے تو یہ لوگ اس کے بالکل برعکس اس کی متضاد بات کرتے ہیں اور پھر الٹا اس پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کھلم کھلا اعلاناً اپنے اعمال سے اللہ کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں اللہ کے احکامات کے برعکس اپنی خواہشات کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں اپنی خواہشات کو الٰہ بنائے ہوئے ہیں۔

اسی طرح اسے ایک اور پہلو سے بھی قرآن سے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں دوٹوک الفاظ میں اس بات کی تردید کر دی کہ سورج جو بھی کرتا نظر آ رہا ہے اس میں رائی برابر بھی ردوبدل کرے گا۔ انتہائی سختی کیساتھ ایسے تردید کی ہے کہ جیسے کوئی یہ دعویٰ کر رہا ہو کہ سورج میں تبدیلی واقع ہوگی سورج الٹا گھومنا شروع کر دے گا یا الٹا گھومتا دکھائی دے گا۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ. یٰس ۳۸

اور سورج جو اعمال وہ کر رہا ہے وہ بہہ رہا ہے وہ خلا میں تیر رہا ہے اس کے لیے جو اس کا مستقر ہے اس کا جو مستقر ہے وہ تقدیر العزیز العلیم ہے یعنی وہ پورے علم کیساتھ اور انتہائی باریکی کیساتھ حساب کتاب کیساتھ جو اس کے لیے طے کر دیا گیا ہے۔ سورج جو کر رہا ہے وہ اللہ نے پورے علم کیساتھ پورے حساب کتاب کیساتھ طے کر دیا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی نہیں ہو سکتی سورج وہی کر رہا ہے جو اللہ نے طے کر دیا اور اس وقت تک ایسا ہی کرتا رہے گا جب تک کہ سورج کی اجل مسمیٰ نہیں آ جاتی یعنی جب تک کہ سورج کے خاتمے کا وقت نہیں آ جاتا۔

پھر آگے آیت نمبر چالیس میں دیکھیں

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ. یٰس ۳۹

اور چاند تھا ہم نے قدر میں کر دیا یعنی پورے حساب کتاب سے پوری کیلکولیشن سے طے کر دیں چاند کی منازل یہاں تک کہ وہ اوپر کو منازل طے کرتا ہوا اسی

حالت میں چلا جاتا ہے جیسے پہلی حالت یعنی جیسے چاند نکلتا ہے تو باریک کمان کی صورت میں نظر آتا ہے یہ اس کی پہلی منزل یوں اگلی منزل پر وہ پہلے سے موٹا نظر آتا ہے یہاں تک کہ وہ مکمل روشن نظر آتا ہے پھر وہ واپسی کا سفر شروع نہیں کرتا بلکہ آگے کی ہی منازل طے کرتا ہے لیکن وہ آگے کی منازل اور اس کی پرانی گزشتہ منازل کی طرح ہوتی ہیں جیسے وہ غائب سے بڑھتا بڑھتا مکمل روشن ہوا ایسے ہی وہ آگے کو بڑھتے بڑھتے کم ہوتا ہوتا پھر پرانی غائب حالت میں چلا جاتا ہے جیسا کہ آپ تصویر میں دیکھ کر با آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

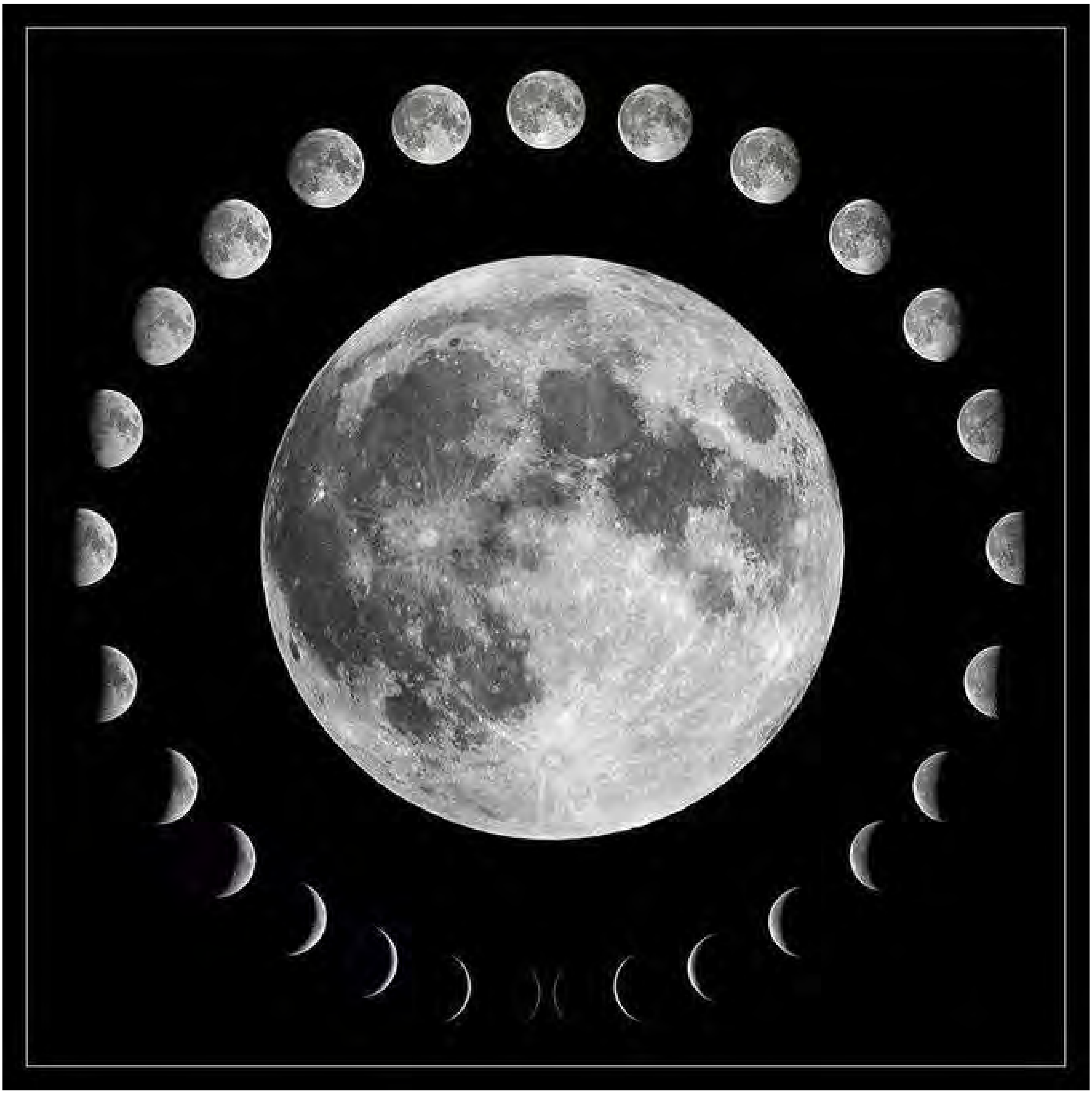

لَا الشَّمۡسُ یَنۡبَغِیۡ لَهَآ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَکُلّ'' فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡن. یٰس ۴۰

نہیں ہے سورج کے لیے بغاوت یعنی سورج جو کر رہا ہے سورج وہی کرتا رہے گا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی یا ردو بدل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا نہ سورج کبھی ایسا کرے گا۔ نہیں ہے سورج کے لیے رائی برابر بھی بغاوت کہ اس کے ایسا کرنے سے چاند کو اس بات کا ادراک ہو جائے کہ چاند کی منازل سورج سے مشروط ہیں روشنی اس کی اپنی نہیں بلکہ وہ سورج سے لے رہا ہے اور نہ ہی لیل ہے کہ سابق ہو رہی ہے نہار یعنی جیسے پہلے رات ہے اور پھر دن یہ سلسلہ یونہی چلتا آ رہا ہے چل رہا ہے اور چلتا رہے گا اس میں تبدیلی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کبھی تبدیلی ہونے والی ہے کہ رات کی جگہ دن لے لے اور دن کی جگہ رات لے لے اور تمام کے تمام اپنے اپنے مدار میں ایسے تیر کر اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہے ہیں جیسے ان کے لیے قدر میں کر دیا گیا یعنی جیسے انتہائی باریکی سے پورے علم وحکمت پورے حساب کتاب سے ان کے لیے طے کر دیا گیا۔

ان آیات میں تو اللہ نے بالکل دوٹوک الفاظ میں اس بات کی نفی کر دی کہ سورج کبھی الٹا سفر کرتا دکھائی دے گا۔ اب ذرا غور کریں کہ آج جسے آپ رات کہتے ہیں اگر سورج الٹا سفر کرنا شروع کر دے تو یہ تو رات کی جگہ دن اور دن کی جگہ رات لے لے گی۔ اس وقت اللہ کے قانون میں پہلے لیل یعنی رات ہے اور اس کے بعد نہار یعنی دن تو اگر زمین کے الٹا گھومنے سے سورج الٹا سفر کرتا دکھائی دیتا ہے تو پہلے رات کی بجائے دن ہو جائے گا اور رات دن کے بعد چلی جائے گی یوں نہار لیل کی سابق ہو جائے گی۔

لیکن جب آپ اس آیت میں دیکھیں تو اللہ نے بہت ہی سختی کیساتھ اس بات کی تردید کر دی وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ اور نہ ہی لیل ہے سابق ہو رہی ہے نہار یعنی اللہ کے قانون میں پہلے لیل ہے بعد میں نہار یعنی روشنی کا ہو جانا دن ہونا۔ اللہ کے قانون میں رات سابق ہے دن نہیں یہی سلسلہ چلتا رہے گا کبھی ایسا نہیں ہونے والا کہ رات کی بجائے دن سابق ہو جائے۔

یہ چونکا دینے والی آیت ہے اس میں اللہ نے دوٹوک الفاظ میں بالکل کھلم کھلا ایسے لوگوں کے عقیدے کا ان کی سوچ و نظریے کا رد کر دیا جو کہتے ہیں کہ سورج مغرب سے طلوع سے مراد سورج الٹا سفر کرتا دکھائی دے گا یوں پہلے دن اور بعد میں رات ہو گی۔

اللہ نے انتہائی سختی کیساتھ اس بات کا رد کر دیا اور بالکل کھول کر اعلان کر دیا کہ سورج جو کر رہا ہے ایسا ہی کرتا رہے گا سورج میں کوئی تبدیلی نہیں ہونے والی وہ الٹا سفر کرتا دکھائی دینے والا نہیں ہے جس سے رات کی بجائے دن پہلے ہو جائے اور دن کی بجائے رات بعد میں چلی جائے اللہ نے رات کو پہلے اور دن کو اس کے بعد کیا اور یہی سلسلہ کبھی نہیں بدلے گا۔

پھر اس سے پیچھے اسی آیت میں اللہ نے کہا کہ نہیں ہے سورج کے لیے بغاوت کہ جس سے چاند کی منازل میں فرق ظاہر ہو کر چاند کو یہ ادراک ہو جائے کہ یہ روشنی اس کی اپنی نہیں بلکہ سورج سے لے رہا ہے۔

پچھلی آیت میں یہ بات واضح کر دی اللہ نے کہ چاند کی منازل طے کر دیں۔ چاند کو یہی علم ہے کہ روشنی اس کی اپنی ہے پہلے دن وہ اتنا روشن ہوتا ہے دوسرے دن اتنا تیسرے دن اتنا اسی طرح بتدریج بڑھتے بڑھتے مکمل روشن ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ واپسی کا سفر شروع نہیں کرتا بلکہ اس کی منازل آگے کو ہی بڑھتی ہیں لیکن اس کی روشنی کم ہونا شروع ہوتی ہے تو واپسی کو نہیں بلکہ آگے ہی کو منازل آتی ہیں یوں وہ کم ہوتا ہوتا پرانی غائب حالت میں چلا جاتا ہے۔

اب ذرا غور کریں اگر سورج الٹا گھومنا شروع کر دے تو کیا چاند کی وہی منازل برقرار رہیں گی؟

مثلاً اگر چاند کی سات تاریخ ہو اور سورج الٹا سفر کرتا دکھائی دینے لگے تو کیا چاند حسب سابق آگے کو ہی منازل طے کرے گا یا پھر آگے بڑھنے کی بجائے جو منازل طے کر کے آیا واپس وہی منازل طے کرنا شروع کر دے گا؟

یوں چاند کو تو بالکل واضح ادراک ہو جائے گا کہ یہ روشنی اس کی اپنی نہیں بلکہ سورج کی ہے کیونکہ اگر اس کی اپنی ہوتی تو جو پہلے سے سلسلہ چلتا آ رہا ہے سورج کے اپنی سمت بدلنے سے بھی وہی سلسلہ برقرار رہنا چاہیے تھا لیکن سورج کی سمت بدلتے ہی اس کی منازل آگے بڑھنے کی بجائے بدل کر واپس طے ہونا شروع ہو گئیں یوں چاند کو ادراک ہو گیا کہ اس کی منازل سورج سے مشروط ہیں اور اللہ نے کہا کہ ایسا ہونا اللہ نے قدر میں کیا ہی نہیں اس لیے ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔

تم جو ایسا کہتے ہو کہ سورج اپنی اس لائن کو چھوڑ دے گا اس میں تبدیلی کرے گا سورج بغاوت کرتے ہوئے الٹا گھومنا شروع کر دے گا تو ایسا ممکن ہی نہیں ایسا کبھی نہیں ہونے والا۔ ایسا کبھی نہیں ہونے والا کہ سورج جو کر رہا ہے اس میں کوئی ایسی تبدیلی نظر آئے کہ جس سے چاند کی منازل پر اثر پڑے جس سے چاند کو ادراک ہو جائے کہ روشنی اس کی اپنی نہیں بلکہ سورج سے لے رہا ہے، جس سے چاند کو ادراک ہو جائے کہ اس کی منازل سورج سے مشروط ہیں۔

پھر آگے اللہ نے تمام کے تمام کا ذکر کیا کہ جتنے بھی ستارے و سیارے ہیں تمام کے تمام اپنے اپنے مدار میں رہتے ہوئے ایسے تیر رہے ہیں جیسے تیرنا ان کے لیے طے کر دیا جس سے ان پر عائد ذمہ داری پوری ہو رہی ہے اور کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ کوئی ایک بھی اپنے مدار سے ہٹنے والا نہیں، کوئی ایک بھی اپنے مدار میں الٹی طرف بہنے والا نہیں ہے اور نہ ہی ایسا کبھی ہونے والا ہے۔

یہ آیات تو چونکا کر رکھ دینے والی ہیں ان آیات میں تو اللہ نے بالکل کھول کر دوٹوک الفاظ میں سختی کیساتھ اس بات کی نفی کر دی کے زمین کبھی الٹا گھومے گی جس سے رات کی جگہ دن اور دن کی جگہ رات لے لے یعنی جس سے پہلے رات کی بجائے دن اور بعد میں دن کی بجائے رات آنا شروع ہو جائے۔

قرآن کی یہ آیات ایسے تمام لوگوں کے لیے نہ صرف حق کی طرف دعوت ہے بلکہ انہیں کھلم کھلا چیلنج ہے کہ اگر تم اپنے ان باطل نظریات پر قائم رہتے ہو تو آؤ اپنے باطل نظریات کو سچا ثابت کر کے دکھاؤ۔

اللہ نے اس قرآن میں بالکل سچ کہا تھا کہ لوگوں کی اکثریت جو ہے جب بھی ان پر قرآن کھولا جاتا ہے آیات کھول کھول کر واضح کی جاتی ہیں تو آگے سے جھگڑا کرتے ہیں نہیں مانتے، انسانوں کی اکثریت قرآن کی بات ماننے کی بجائے اپنی بات کو قرآن پر ترجیح دیتی ہے اپنے آباؤ اجداد، اپنے بڑوں اپنے خود ساختہ الٰہوں کو قرآن کے مقابلے پر لا کھڑا کرتے ہیں، آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو قرآن پر ترجیح دیتے ہیں اور آج یہ حقائق آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، حق اس قدر کھول کھول کر واضح کیا جا چکا کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت حق کا رد نہیں کر سکتی اس کے باوجود کوئی قرآن کی بات ماننے کو تیار ہی نہیں۔

حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ پر واضح کیا جا چکا اللہ کی آیات کو ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ پر واضح کیا جا چکا اب یہ فیصلہ آپ کے اپنے اختیار میں ہے کہ آیا آپ حق کو تسلیم کرتے ہیں یا پھر اس سے کفر کرتے ہیں یعنی تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اگر حق کو تسلیم کرتے ہیں تو دنیا و آخرت میں آپ کا اپنا ہی فائدہ ہے اور اگر حق ہر لحاظ سے کھل جانے کے باوجود بھی کفر کرتے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کو دنیا و آخرت میں ہلاکت سے نہیں بچا سکتی۔ اب اگر حق بالکل کھول دیئے جانے کے باوجود بھی آپ اس کا انکار کرتے ہیں تو پھر ایک بات کان کھول کر سن لیں کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہی ہوتا ہے جو اللہ نے قدر میں کر دیا، ایک پتہ بھی نہیں ہلتا مگر اللہ نے اس کا ہلنا قدر میں کر دیا تب ہی وہ ہلتا ہے ورنہ جو تقدیر میں نہیں وہ نہیں ہو سکتا اور آج آپ پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے تو کیا یہ کوئی کھیل تماشہ ہو رہا ہے؟ کیا یہ ایسے ہی ہو رہا ہے؟ کیا اللہ نے اس کا ہونا قدر میں نہیں کیا تھا؟ اگر اللہ نے اس کا ہونا قدر میں نہیں کیا تھا تو پھر آج یہ کیسے ہو رہا ہے؟ اور اگر اللہ نے اس کا قدر میں ہونا کیا تھا اور ہو رہا ہے تو پھر جان لیں اگر اس کے باوجود آپ اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں یا حق کو کسی بھی صورت نظر انداز کرتے ہیں تو وقت بہت کم ہے عذاب عظیم آپ کے سر پر کھڑا ہے بعد میں آپ کے ہاتھ میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں رہے گا۔

اور ایک اور بات کان کھول کر سن لیں جان لیں کہ اگر اللہ نے قدر میں کیا تھا تو یہ آج ہو رہا ہے حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ پر واضح کیا جا رہا ہے اس لیے نہیں کہ آپ مانیں یا نہ مانیں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ اللہ جو بھی کرتا ہے بغیر حق نہیں بلکہ بالحق کرتا ہے یعنی اللہ کچھ بھی بغیر مقصد کے نہیں کرتا اس لیے آج اگر اللہ نے یہ ہونا قدر میں کیا تھا تو اس کا مقصد ہے آپ کو ہر صورت اس حق کو ماننا ہی ماننا ہے حق ہوتا ہی ماننے کے لیے ہے اس لیے اللہ آپ کو منوا کر ہی چھوڑے گا فرق صرف اتنا ہے کہ بہت کم ایسے ہوں گے جو زبان سے مان کر دنیا و آخرت میں فلاح پا جائیں گے اور اکثریت گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرے گی اور پھر بالآخر انہی کی مثل فرعون کی مثل مانیں گے لیکن تب ماننا کوئی نفع نہیں دے گا بلکہ تب کہا جائے گا کہ اب نہ مانو اور تب آپ ماننے کی ضد کریں گے جو کہ آپ کو کچھ نفع نہیں دے گا آپ دنیا و آخرت میں انتہائی ذلت کا سودا کر چکے ہوں گے۔ اس لیے آج آپ کے پاس وقت ہے اپنی آنکھیں کھول لیں اندھوں کی طرح اپنے ملاّؤں کے پیچھے چلنے کی بجائے غور و فکر کر لیں آج آپ میں سے ہی آپ کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ایک بشر آپ پر حق کھول کھول کر واضح کر رہا ہے اللہ کی آیات کو آپ پر پوری ترتیب کیساتھ کھول کھول کر رکھ رہا ہے اپنی انکھیں کھولیں اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔

جب بھی کوئی جرم کرتا ہے تو پہلے اسے زبان سے منع کیا جاتا ہے اگر مجرم زبان سے نہ مانے تو پھر ایسا نہیں کہ زبان سے بات کر کے خاموش ہو جایا جاتا ہے بلکہ جب زبان اپنا کام کر لیتی ہے تو پھر ہاتھ حرکت میں آتے ہیں لاتیں حرکت میں آتی ہیں زبان کے بعد ہاتھ اور لاتیں اپنا کام کرتے ہیں کیوں کہ وجود میں صرف زبان ہی نہیں ہوتی بلکہ اور بھی اعضاء ہوتے ہیں اور ہر کسی کا اپنا کام ہے جو کہ اپنے اپنے وقت پر کرتے ہیں۔

آج اللہ کی زبان اپنا کام کر رہی ہے بالکل ایسے ہی جیسے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، جیسے ھود کو قوم عاد کی طرف بھیجا، جیسے صالح کو قوم ثمود کی طرف، جیسے شعیب کو قوم مدین کی طرف، جیسے موسیٰ کو آل فرعون کی طرف، اللہ کے رسول اللہ کی زبان تھے جب ان قوموں نے زبان سے ماننے سے انکار کر دیا تو جیسے ہی زبان اپنا کام کر چکی یعنی رسول اپنی ذمہ داری کو پورا کر چکے اللہ کا پیغام کھول کھول کر پہنچا چکے تو پھر اللہ کا ہاتھ حرکت میں آیا اور جب اللہ کا ہاتھ حرکت میں آیا تو

سب کے سب مان گئے فرعون تک بھی مان گیا لیکن کیا تب ماننا انہیں کوئی نفع دیا؟

نہیں بالکل نہیں، بالکل ایسے ہی آج پھر وہی تاریخ دہرائی جا رہی ہے اگر آپ اپنے آباؤ اجداد سابقہ اقوام کی سنت پر عمل کریں گے تو اللہ بھی اپنی سنت پر ہی عمل کرے گا آپ اللہ کی سنت میں رائی برابر بھی تبدیلی، نرمی یا ڈھیل نہیں پائیں گے۔

اور اگر آپ مجھ سے دشمنی کریں گے تو یہ دشمنی مجھ سے نہیں بلکہ اللہ سے ہوگی میں تو اللہ کی زبان ہوں میرا کام ہے اپنے وجود اللہ کا پیغام پہنچانا جب زبان اپنا کام کر چکے گی تب اللہ کا ہاتھ حرکت میں آئے گا اور جب اللہ کا ہاتھ حرکت میں آئے گا تو اللہ ہی آپ کو اس کا بدلہ دے گا آپ کی دشمنی کا جواب دے گا اللہ آپ سے انتقام لے گا اور اللہ کا انتقام لینا کیسا ہے یہ عنقریب آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے آپ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

حق ہر لحاظ سے آپ پر کھول کھول کر واضح کیا جا چکا اس کے باوجود مزید اس موضوع کو مختلف پہلوؤں سے کھول کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں تا کہ کسی کے پاس کسی قسم کا کوئی عذر یا بہانہ نہ رہے اور ہر لحاظ سے حجت ہو جائے۔

اب آپ کے سامنے رکھیں گے کہ قرآن کے نزول سے پہلے زمین، سورج، چاند، آسمان، ستاروں، رات اور دن وغیرہ کے حوالے سے کیا عقائد و نظریات پائے جاتے تھے اور آج بھی اس حوالے سے کیا عقائد و نظریات پائے جاتے ہیں اور اس کے برعکس قرآن میں اللہ نے کیا بات پیش کی آیا اللہ نے اس قرآن کے ذریعے ان عقائد و نظریات کی تائید و تصدیق کی یا پھر ان کا رد کرتے ہوئے اصل حقیقت ہر پہلو سے واضح کی؟ لیکن اس کے باوجود آج تک وہی بے بنیاد اور باطل عقائد و نظریات عام ہیں جو قرآن کے نزول سے پہلے تھے۔

ایک بات نہ صرف ذہن میں ہونا لازم ہے بلکہ اسے ہر لمحے مدنظر رکھنا چاہیے کہ قرآن کی دعوت جو کہ بار بار غور و فکر کرنے کا حکم دیتا ہے بندروں کی طرح نقل کرنے، آنکھیں بند کر کے دوسروں کے پیچھے چلنے سے منع کرتا لیکن لوگوں کی اکثریت اس کے برعکس اپنے آباؤ اجداد سے صدیوں پرانے نسل در نسل منتقل ہوتے عقائد پر نہ صرف ڈٹے ہوئے ہیں بلکہ انہی عقائد نظریات کو قرآن پر چسپاں کرتے ہیں قرآن سے انہی عقائد و نظریات کو ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں آیات کو اپنے انہی عقائد و نظریات پر پوری طرح سے چسپاں کرنے، اپنے انہی عقائد و نظریات کے دفاع میں قرآن کی آیات کو من چاہے تراجم و تفاسیر کی صورت توڑ مروڑ کے دلائل پیش کرنے میں رات دن لگے ہوئے ہیں، خود کو بدلنے کی بجائے قرآن کو بدلنے کا قصد کیے ہوئے ہیں۔

اب یہاں اصل سوال تو یہ ہے کہ اگر وہی پرانے عقائد و نظریات ہی حق و سچ تھے تو پھر قرآن کے اتارنے کا مقصد تو ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ بات اٹل حقیقت ہے جب بھی کوئی نئی بات سامنے آتی ہے تو وہ پہلے سے موجود باتوں کے رد کے طور پر سامنے آتی ہے نہ کہ ان کی تائید و تصدیق کرنے کے لیے۔ اگر تائید و تصدیق کرنے کے لیے آئے تو ایسی باتیں کرنے والے کا پہلے سے موجود باتوں عقائد و نظریات سے کوئی تصادم نہ ہو، کوئی اختلاف نہ ہو بلکہ الٹا ان کو تقویت فراہم کرے لیکن آپ جانتے ہیں کہ قرآن پہلے سے موجود عقائد و نظریات کی تائید و تصدیق کرنے کے لیے نہیں اتارا گیا تھا اور نہ ہی قرآن نے ان کی تائید و تصدیق کی بلکہ قرآن کے اترنے سے تو پہلے سے موجود عقائد و نظریات سے قرآن کا بھرپور تصادم ہوا، قرآن تو ان سے متصادم ہے۔ اختلافات کی نوعیت اس قدر شدید تھی کہ جب تک محمد علیہ السلام دعوت دیتے رہے تو سامنے سے شدید ترین مخالفت کا سامنا رہا یہاں تک کہ مخالفین اس آواز کو دبانے یا بند کرنے کی ہر طرح کی کوشش کرتے رہے آخر تک محمد علیہ السلام کو قتل کرنے کی منصوبہ بندیاں کرتے رہے اور ان منصوبہ بندیوں پر عمل کرنے کی بھی پوری کوششیں کرتے رہے۔

اب قرآن سے ہی سوال کرتے ہیں کہ آیا قرآن پہلے سے موجود عقائد و نظریات کی تائید و تصدیق کرنے کے لیے اتارا گیا یا پھر ان کا رد کرنے اور ان کے برعکس حق واضح کرنے کے لیے۔

هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ. الجمعه ۲

هُــــوَ هو ہے یعنی جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جاؤ یہاں تک کہ اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ نہیں بن جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ بن جائے تو جو وجود

سامنے آئے یہی وہ ذات ہے امیّن میں بعثت کیا رسول انہی میں سے، جب رسول بعث کیا تو تلاوہ کر رہا ہے ان پر اس کی آیات کی اور ان کا تزکیہ کر رہا ہے اور علم سکھا رہا ہے الکتاب کا اور حکمت، اگر ہو رہے ہیں اس سے پہلے جو ان کے لیے ہونا قانون میں کر دیا کہ اس سے پہلے ہر لحاظ سے کھلم کھلا گمراہیوں میں ہو رہے ہیں نور کی ہدایت کی ایک کرن تک بھی نہیں۔

آیت کے آخری حصے میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ اگر ہو رہے ہیں اس سے پہلے کھلم کھلا ہر لحاظ سے گمراہیوں میں یعنی اگر ہر لحاظ سے کھلم کھلا گمراہیوں میں نہ ہو رہے ہوں تو اللہ رسول بعث نہیں کرتا اللہ صرف اور صرف تب ہی رسول بعث کرتا ہے جب امیّن ضلالٍ مبینٍ میں ہو رہے ہوتے ہیں جس سے یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ جب اللہ نے اپنے رسول کو بعث کیا تب پوری دنیا بالخصوص جن میں سے جن کی طرف رسول کو بعث کیا گیا وہ ہر لحاظ سے کھلم کھلا گمراہیوں میں تھے نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی ہدایت کا ذرا بھی نہیں تھا ان کے عقائد ونظریات جاہلانہ، بے بنیاد اور محض ظن پر مبنی تھے نہ کہ علم پر مبنی اور قرآن میں جس موضوع کو بھی زیر بحث لایا گیا تو اس موضوع پر قرآن سے پہلے جو بھی عقائد ونظریات عام تھے وہ سوائے گمراہی کے اور کچھ نہ تھے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ. البقرة ۲۱۳

یہ اللہ نے قدر میں کر دیا قانون بنا دیا کہ جب بھی لوگ ایک امت کی صورت اختیار کر جاتے ہیں یعنی لوگوں کا ایک ہی مقصد ومشن ہوتا ہے جس کا حق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ جہالت میں ڈوب جاتے ہیں لوگ ایک ہی امت یعنی انسان جہالت پر قائم ایک ہی گروہ بن جاتے ہیں پس تب اللہ بعث کرتا ہے النبیّن بشارت دینے والے یعنی ان پر ان کی دنیا میں موجودگی کا نہ صرف مقصد واضح کرتے ہیں بلکہ پہلے ہی آگاہ کر دیتے ہیں کہ کون سے اعمال کرو گے تو آگے مستقبل میں کون سے نتائج یا انجام کا سامنا کرنا پڑے گا اور انسانوں کے اپنے ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے ردعمل میں آنے والی تباہیوں سے متنبہ کرنے والوں کو جب ہلاکت وتباہی بالکل سر پر آ چکی ہوتی ہے اور اتارتا ہے ان کے ساتھ الکتاب حق کیساتھ فیصلہ کرنے کے لیے انسانوں کے درمیان جس میں اختلاف کر رہے ہیں اس میں۔

اس آیت میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ النبیّن آ کر فیصلہ کر دیتے ہیں حقیقت بالکل کھول کر سامنے لے آتے ہیں جن معاملات میں انسان آپس میں اختلافات کا شکار ہوتے ہیں یعنی اللہ کے نبی ان معاملات کو زیر بحث لاتے ہیں جن معاملات میں انسان آپس میں اختلافات کا شکار ہوتے ہیں اور اللہ کے نبی ان معاملات کی حقیقت کیا ہے حقائق کو بالکل کھول کر سامنے لاتے ہیں جس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن میں جن معاملات کو جن باتوں کو زیر بحث لایا گیا جن پر بھی قرآن بات کر رہا ہے تو وہ ایسے معاملات ہیں ایسی باتیں ہیں جن پر اس وقت کے لوگ آپس میں اختلافات کا شکار تھے ہر کوئی حق کا دعویدار تھا اور دوسرے کو باطل کہہ رہا تھا لیکن قرآن میں ان کے برعکس ان معاملات کی حقیقت بیان کی گئی اسی طرح اس آیت میں دیکھیں۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. النحل ۶۴

اور نہیں اتاری ہم نے تجھ پر الکتاب مگر اس لیے کہ تو ان کے لیے ہر بات ہر معاملہ کھول کھول کر واضح کر دے جس میں بھی یہ اختلاف کر رہے ہیں یعنی کوئی کہتا ہے کہ یہ حق ہے اور کوئی کہتا ہے حق وہ ہے جو میں بیان کر رہا ہوں حالانکہ سب کے سب ہی باطل ہیں حق کا کسی کو بھی علم نہیں، اور لمحہ بہ لمحہ ہدایت ہے اس میں، لمحہ بہ لمحہ ہدایت کے لیے الکتاب اتاری تجھ پر اور ہر طرح کے شر سے نقصان سے حفاظت ہے اس میں، ہر طرح کے شر سے نقصان سے محفوظ کرنے کے لیے تجھ پر الکتاب اتاری، ان لوگوں کے لیے جو رسول کی دعوت کو تسلیم کر کے اسی طرح اس پر عمل کر رہے ہیں۔

اس آیت میں اللہ اپنے رسول کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ تجھ پر اگر الکتاب اتاری ہے تو اس کا مقصد ہی یہی ہے کہ یہ لوگ جس میں بھی اختلاف کر رہے ہیں اس کو ہر لحاظ سے ان کے لیے کھول کھول کر واضح کر دے حق ہر پہلو سے ان کے سامنے لے آ۔ جس سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو گئی کہ رسول جس معاملے پر بھی لب کشائی کرتا ہے جو بھی قرآن میں بیان کیا گیا وہ دنیا والوں کے پہلے سے اخذ شدہ عقائد ونظریات کی تائید وتصدیق کے لیے نہیں بلکہ ان کے عقائد و نظریات کے رد میں ہے اور ان کے باطل عقائد ونظریات کے برعکس حق بیان کیا گیا۔ اسی طرح آپ سورت النمل کی ان آیات میں دیکھیں۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ. النمل ۷۵

اور نہیں غائب سے یعنی جو لوگوں کو نظر نہیں آ رہا جو ان سے چھپا ہوا ہے آسمان میں اور زمین میں مگر ہر لحاظ سے کھلم کھلی ہر پہلو سے واضح نظر آنے والی کتابوں میں۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. النمل ۷٦

اس میں کچھ شک نہیں یہ القرآن بیان کر رہا ہے بنی اسرائیل پر بہت زیادہ وہ جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔

سورت النمل کی آیت نمبر ۷۵ میں آسمانوں اور زمین کو موضوع بحث بناتے ہوئے آسمانوں اور زمین کے حوالے سے بنی اسرائیل کے اکثر بڑی تعداد میں نظریات کا قرآن رد کر رہا ہے اور اللہ کا کہنا ہے کہ اس قرآن میں یہ قرآن جو اس وقت آپ کے سامنے ہے جو محمد علیہ السلام پر آیات کی صورت میں اترا اس میں جو بیان کیا گیا ہے وہ بیان کیا گیا جس میں بنی اسرائیل اختلاف کا شکار تھے یا اختلاف کر رہے ہیں اور یہ بات واضح رہے یہ بات کرنے سے پہلے خصوصی طور پر آسمانوں اور زمین کو موضوع بحث بنایا گیا یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی انسانوں سے پوشیدہ ہے اس حوالے سے بنی اسرائیل کے جو عقائد و نظریات تھے وہ باطل تھے اور باطل ہیں اس قرآن میں آسمانوں و زمین کے حوالے سے جو بھی بات کی گئی وہ بنی اسرائیل کے عقائد و نظریات کے رد میں اور ان کے عقائد و نظریات کے برعکس حق بیان کیا گیا ہے جسے یہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ پانے کی وجہ سے اختلاف کر رہے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ جو یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہی حق ہے۔

قرآن میں مزید بھی ایسی کئی آیات ہیں جن پر بات کرنے سے موضوع مزید لمبا ہو جائے گا اس لیے صرف انہی چند آیات پر اکتفاء کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں آپ یہ بات بالکل واضح طور پر جان چکے ہیں کہ کوئی بھی رسول جب آتا ہے تو وہ صرف دو طرح کی باتوں کو زیر بحث لاتا ہے ایک وہ جس حوالے سے انسان ہر لحاظ سے کھلم کھلا گمراہی میں ہوتے ہیں جسے وہ حق سمجھ کر اس پر عمل کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق نہیں بلکہ سو فیصد جہالت پر مبنی باطل ہوتا ہے اور دوسری ہر اس بات کو زیر بحث لاتے ہیں جس کے حوالے سے انسان اختلاف کا شکار ہوتے ہیں انسان فرقوں میں تقسیم ہوتے ہیں اور ہر فرقہ اس موضوع پر اپنے نکتہ نظر اپنے عقیدے و نظریے کو حق کہتا اور دوسروں کو غلط اور باطل کہہ رہا ہوتا ہے حالانکہ سب کے سب باطل پر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ تیسری کوئی بات ایسی نہیں ہے جسے رسول زیر بحث لاتے ہوں یعنی کہ پہلے سے موجود عقائد و نظریات کی تائید و تصدیق میں وہ کوئی بات نہیں کرتے کیونکہ اللہ نے بالکل واضح کر دیا کہ جب رسول بھیجا جاتا ہے تو اس وقت انسان ہر لحاظ سے کھلم کھلا سو فیصد ہی گمراہی میں ہوتے ہیں حق کا کسی کو علم نہیں ہوتا۔ اس لیے اب اگر قرآن میں کسی بھی موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہے کسی بھی موضوع پر بات کی گئی ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں پہلی صورت یہ کہ انسان اس حوالے سے ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھلم کھلا گمراہی میں ہیں یوں قرآن ان پر حق واضح کر رہا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اس میں اختلاف کا شکار ہیں ہر گروہ ہر فرقے کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہی اس معاملے میں حق پر ہیں باقی سب باطل پر ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ سب کے سب ہی باطل پر ہوتے ہیں حق کا کسی کو علم ہی نہیں ہوتا یوں قرآن ان پر حق واضح کر رہا ہے۔

اب یہ بات جان لیں کہ قرآن کے نزول سے قبل آسمانوں و زمین کے حوالے سے نہ صرف بنی اسرائیل یعنی یہود و نصاریٰ بلکہ ملت ابراہیم کے دعویدار مشرکین مکہ و عرب سب کا متفقہ طور پر یہ عقیدہ تھا کہ زمین روٹی کی طرح چپٹی گول اور ساکت ہے اس کے وسط میں خشکی ہے جس پر انسان آباد ہیں خشکی کے اطراف میں سمندر اور سمندر کے اطراف زمین کے کناروں پر پہاڑوں کی باڑ ہے جو کہ آسمانوں کے لیے ستون کا کام کرتی ہے آسمان گنبد یعنی الٹے پیالے کی مانند پہاڑوں کے ان ستونوں پر ٹکا ہوا ہے سورج اور چاند سمیت تمام کے تمام ستارے زمین کے گرد گھوم رہے ہیں۔ عین سر پر آسمانوں میں اللہ کا عرش یعنی تخت ہے جس پر بیٹھا اللہ نظام چلا رہا ہے سورج کا ایک مخصوص مقام طلوع ہے جب طلوع ہوتا ہے تو ایک ہی وقت میں پوری دنیا کے لوگوں پر طلوع ہوتا ہے پوری دنیا کے لوگ اسے طلوع ہوتا دیکھ رہے ہوتے ہیں اور اسی طرح ایک ہی مخصوص مقام غروب ہے ایک ہی وقت میں پوری دنیا کے لوگوں پر غروب ہو جاتا ہے رات بھر سورج چھپا رہتا ہے وہ رات کو اللہ کے عرش کے عین نیچے جا کر سجدہ ریز ہوتا ہے طلوع کی اجازت مانگتا ہے اجازت ملنے پر پھر صبح مشرق سے اسی طرح طلوع ہوتا ہے، سورج مشرق سے مغرب کی طرف سفر کرتا ہے۔

اسکے علاوہ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ چاند بھی سورج کی طرح روشن ہے یعنی چاند سیارہ نہیں بلکہ ستارہ ہے روشنی چاند کی اپنی ہے۔

یہ نظریہ اس وقت نہ صرف بنی اسرائیل جو کہ یہود و نصاریٰ تھے ان کا عقیدہ تھا بلکہ مشرکین عرب کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ سب کے سب میں یہ نظریہ مذہبی عقیدے کی حیثیت رکھتا تھا اور اس عقیدے کے خلاف وہ ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھے اس عقیدے کے خلاف ایک لفظ بھی وہ اپنے مذہب کے خلاف اعلان جنگ تصور کرتے بالکل ایسے ہی جیسے آج اگر کوئی نئی بات سامنے آئے جو پہلے سے موجود عقائد و نظریات کے خلاف ہو ان کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دے تو اسے اسلام کے خلاف سازش و نظریاتی جنگ قرار دیا جاتا ہے۔ اس عقیدے کے خلاف اس لیے ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھے کیونکہ اگر اس عقیدے کا رد ہو جاتا ہے تو پھر خود بخود ان کے اس عقیدے کا بھی رد ہو جاتا ہے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور اللہ آسمانوں کے اوپر عرش نامی ایک تخت پر بیٹھا یہ سارا نظام چلا رہا ہے یہ وہ وجہ تھی کہ وہ لوگ اس عقیدے کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھے اور اس عقیدے کے خلاف کوئی لفظ اپنے دین و مذہب کے خلاف اعلان جنگ تصور کرتے تھے۔ اور آپ یہ بات جان کر حیران ہوں گے کہ آج بھی مذہبی طبقے کی اکثریت اسی عقیدے کی حامل ہے بریلوی فرقے کے بانی و امام احمد رضا خان بریلوی نے تو اس عقیدے کے دفاع میں قرآن کی درجنوں آیات کو تراجم و تفاسیر کی صورت میں بھرپور طریقے سے توڑ مروڑ کر اور حق کو چھپا کر اپنی طرف سے درجنوں دلائل دیئے اس عقیدے کو قرآن کا عقیدہ قرار دیا اس عقیدے کو محمد علیہ السلام کا عقیدہ قرار دیا جو اس عقیدے کے برعکس نظریہ رکھیں تو احمد رضا خان کے نزدیک وہ مومن و مسلم نہیں بلکہ کافر و مشرک ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بریلوی ہوں، دیوبند ہوں، اہلحدیث ہوں، مالکی ہوں، حنفی ہوں، حنبلی ہوں، شافعی یا ان میں مزید مسلک کے نام پر فرقہ در فرقہ۔ جتنے بھی فرقے ہیں تمام کے تمام فرقوں کے علماء نامی طبقے کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ عوام کی اکثریت جو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں وغیرہ سے تعلیم یافتہ ہے اس عقیدے کے برعکس زمین کو گول تسلیم کرتی ہے سورج کے زمین کے گرد گھومنے کی بجائے زمین کے سورج پر اپنے ہی محور پر گھومنے کی وجہ سے رات اور دن کے آنے جانے کو تسلیم کرتی ہے لیکن عوام کی اکثریت کو اس کا علم ہی نہیں کہ ان کے علماء نامی طبقے کا ان کے برعکس یہود یوں، عیسائیوں اور مشرکین عرب والا ہی عقیدہ ہے اور جو اس عقیدے کے خلاف بات کرے اسے ماننا تو دور کی بات وہ ان کی نظر میں مرتد، کافر و مشرک ہوگا۔

آپ کو یہ جان کر حیرانی ہوگی اہلحدیث و سلفی مکتب فکر کی اہم اور بڑی قد آور شخصیت عبدالعزیز بن باز جو ۱۹۹۳ سے ۱۹۹۹ تک سعودی عرب کے سرکاری مفتی اعظم بھی رہے ان کا باقاعدہ فتویٰ موجود ہے جو زمین کو ساکت تسلیم نہ کرے اور سورج کو زمین کے گرد گھومتا تسلیم نہ کرے تو وہ کافر ہے یہاں تک کہ اس کا قتل جائز قرار دیا۔ یعنی اگر کوئی ایسا شخص جو خود کو مسلمان کہلواتا ہے اور وہ یہ بات تسلیم کر لیتا ہے کہ زمین ساکت نہیں بلکہ حرکت کر رہی ہے اور سورج کے زمین کے گرد گھومنے کی بجائے زمین اپنے ہی محور پر سورج کے گرد گردش کر رہی ہے جس سے رات دن ہو رہا ہے تو وہ مرتد ہے اسے قتل کرنا جائز ہے۔

یہاں ایک چھوٹا سا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر علماء نامی طبقے کی اکثریت کا بھی وہی عقیدہ ہے جو مشرکین عرب سمیت یہود و نصاریٰ کا ہے تو پھر علماء نامی طبقہ اس پر بات کیوں نہیں کرتا؟

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر اس موضوع کو زیر بحث لایا جائے گا تو علماء نامی طبقہ آج اس عقیدہ کا کسی بھی صورت دفاع نہیں کر سکے گا۔ عیسائیت اپنے اس عقیدے میں اتنی متشدد تھی کے شروع شروع میں بڑی تعداد میں ایسے لوگوں کو چرچ کے حکم پر قتل و قید کیا جاتا رہا جو اس عقیدے کے خلاف بات کرتے یا اس کے برعکس کسی نظریے کا پرچار کرنے کی کوشش کرتے۔ دنیائے عیسائیت میں اسی وجہ سے یہ عقیدہ موضوع بحث بنا اور سائنس نے عیسائیت کے اس عقیدے کے پرخچے اڑا دیئے جس سے دنیائے عیسائیت کا عیسائیت سے بھروسہ اٹھ گیا آج اہل مشرق یورپ و مغرب کو عیسائی کہتے اور سمجھتے ہیں لیکن مغربی دنیا کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ عیسائیت کس چڑیا کا نام ہے۔ سائنس نے عیسائیت کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دی ہے اور یہی وجہ ہے جس وجہ سے خود کو مسلمان کہلوانے والے اس کو موضوع بحث نہیں بناتے اس کو زیر بحث لا کر حق پہچاننے کی بجائے اس موضوع پر بالکل بات نہیں کی جاتی کیونکہ آج پوری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے یوں اس کا نقصان یہ ہوگا کہ جو آج تک سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا مطلب کہ سورج الٹا گھومنا شروع کر دے گا اس عقیدے کی بھی بنیاد ختم ہو جائے گی لوگ اس پر بھی سوال اٹھانا شروع کر دیں گے جس کا جواب علماء نامی طبقے کے پاس نہیں لہذا انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ اس موضوع کو زیر بحث لایا ہی نہ جائے اور نہ ان کے باقی جھوٹ فاش ہوں یوں اکثریت اندھوں کی طرح ان کے پیچھے چلتی رہے۔

اگر تو یہ نظریہ و عقیدہ سچا تھا تو قرآن کو اس حوالے سے بالکل خاموش رہنا چاہیے کیونکہ جس موضوع پر بھی قرآن بات کرے تو اس کا مطلب ہے اگر پہلے اس موضوع کے حوالے سے کوئی نظریات و عقائد یا رائے پائی جاتی ہے تو وہ بالکل بے بنیاد، باطل اور غلط ہے اس کے برعکس قرآن حق بیان کر رہا ہے۔ اس لیے

اگر تو قرآن سورج، چاند، زمین، طلوع وغروب، رات اور دن وغیرہ کے حوالے سے خاموش ہے تو اس کا مطلب یہودی، عیسائی ہوں یا مشرکین عرب یا پھر اسی عقیدے کے حامل خود کو مسلمان کہلوانے والے سب کے سب اپنے اس عقیدے میں سچے تھے لیکن اگر قرآن ان موضوعات پر بات کرتا ہے تو اس کا مطلب کہ ان کے عقائد بے بنیاد اور باطل ہیں اور قرآن ان کے باطل عقائد کی نفی کرتے ہوئے حق سامنے لا رہا ہے۔ جیسے ہی ہم آگے بڑھیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ قرآن میں اللہ نے اس عقیدے کا نہ صرف ہر پہلو سے رد کیا بلکہ اس کے برعکس حق بیان کیا ہے اور پھر حق سامنے آجانے کے باوجود بھی جو حق کو تسلیم کرنے کی بجائے حق سے اختلاف ہی کرتے ہیں تو اس پر بھی قرآن نے کھول کھول کر بات کی۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ تْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُم. البقرة ۲۱۳

اور جو اختلاف کیا اس میں یعنی جو حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر بالکل واضح کر دیا گیا اس کے باوجود اسے تسلیم کر لینے کی بجائے اس میں اختلاف ہی کیا مگر ان لوگوں نے جو انسانوں کو بشارت دینے اور متنبہ کرنے کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہیں یعنی وہ لوگ جنہیں علماء کے نام پر انبیاء کا وارث کہا جاتا ہے اس کے بعد اختلاف کر رہے ہیں کہ ان کے پاس حق ہر لحاظ سے کھل کھل کر آ چکا حق ہر پہلو سے واضح ہو چکا حق ہر لحاظ سے کھل کھل کر ہر پہلو سے واضح ہو جانے کے بعد ایک دوسرے سے ضد حسد اور بغض کی وجہ سے اختلاف کیا۔

پھر دیکھیں ان پر حق ہر لحاظ سے کھل جانے کے باوجود نہ ماننے پر اللہ نے کیا کہا۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ. فصلت ۵۳

جیسے ہی ان نبا دینے کا وقت آ رہا ہے تو ہم انہیں آگے مستقبل میں دکھا رہے ہیں ہماری آیات الآفاق میں یعنی ان مقامات میں جو آج ان کے لیے ناقابل رسائی مقامات ہیں جہاں آج ان کی پہنچ ممکن نہیں اور ان کی اپنی ذات میں یہاں تک کہ خود ہی ان کے لیے بالکل کھل کر ہر لحاظ سے ہر پہلو سے واضح ہو جائے گا اس میں کچھ شک نہیں یہ حق ہے۔ یعنی وہ حق نہیں جو نسل در نسل آباؤ اجداد سے منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے بلکہ یہ جو آج کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے جو محمد علیہ السلام نے کھول کھول کر واضح کیا اسکے باوجود تب کوئی ایمان نہ لایا سوائے چند کے کہ یہ حق ہے۔

آج سے چودہ صدیاں قبل جب محمد علیہ السلام نے حق کھول کھول کر واضح کر دیا تو کوئی نہ مانا اور آج تک اختلاف ہی کرتے آئے تب اللہ نے کہا تھا تم حق ہر لحاظ سے کھل جانے کے باوجود بھی حق سے اختلاف ہی کر رہے ہو ان باتوں کو نہیں مان رہے لیکن عنقریب ایک وقت آئے گا جب تمہاری رسائی ان مقامات تک ہو گی جہاں آج نہیں جو مقامات آج تمہارے لیے ناقابل رسائی ہیں جب وہ وقت آئے گا تو تمہیں ان موجودہ ناقابل رسائی مقامات میں اور خود تمہاری اپنی ہی ذات میں آیات دکھائیں گے تب تم مانو گے تب تم خود کہو گے کہ یہ حق ہے یعنی آج تو تم نہیں مان رہے لیکن جب تم یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے تب تم خود اسی کو حق کہو گے جو آج ہم کہہ رہے ہیں جو آسمانوں وزمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان کے حوالے سے بیان کر دیا گیا۔

اب آپ سے سوال ہے کہ کیا وہ وقت آ چکا ہے یا نہیں جب اللہ نے الآفاق میں اپنی آیات دکھانی تھی اور خود ان کی اپنی ذات میں؟ تو اس پر بھی آگے چل کر بات ہوگی۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اس عقیدے کے حامل لوگ آج تک ایسا کرتے آ رہے ہیں کہ یہ قرآن میں اس موضوع سے متعلق آنے والی آیات کو اپنے اسی آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقیدے کو سچا ثابت کرنے کے لیے تراجم وتفاسیر کی صورت میں توڑ مروڑ کر اس پر چسپاں کرتے ہیں آپ خود غور کریں اگر قرآن میں جتنی بھی ایسی آیات ہیں جن سے یہ لوگ اپنے اسی نظریے کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو قرآن بھی زمین کو ساکت کہہ رہا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت کے تمام کے تمام مشرکین کو یہودیوں اور عیسائیوں کو تو خوشی سے اچھلنا چاہیے تھا کہ قرآن ان کے اتنے اہم بنیادی عقیدے کی تائید کر رہا تھا لیکن کیا ایسا ہوا؟

اس وقت تو اس کے بالکل برعکس ہوا انہوں نے قرآن کو اپنے پہلے سے اخذ شدہ عقائد ونظریات کے خلاف جنگ قرار دیا اور آج وہی مشرکین قرآن کو ہی اپنے انہی عقائد ونظریات کے دفاع میں توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی پوری کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

قرآن کے نزول کے وقت بھی جن لوگوں کو پتہ چلا کہ قرآن ان سے اختلاف کر رہا ہے تو انہوں نے اپنی طرف سے قرآن کے خلاف اور اپنے نظریے کے حق

میں دلائل دینے کی کوشش کی اور نتیجے میں انہیں ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا بالکل ایسے ہی اللہ کو علم تھا کہ آئندہ بھی جب جب یہ موضوع زیر بحث لایا جائے گا تو حق کے مقابلے میں باطل اپنے حق میں دلائل دینے کی بھرپور کوشش کرے گا اس لیے اللہ نے ان کے آئندہ کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات بھی کھول کھول کر دے دیئے تھے۔

یہ بات تو بالکل واضح ہو چکی جس کا انکار کسی کے لیے بھی ممکن نہیں کہ قرآن پہلے سے موجود عقائد ونظریات کی تائید وتصدیق کرنے کے لیے نہیں اتارا گیا تھا بلکہ قرآن کی ضرورت ہی تب پیش آئی جب سب کچھ حق کے برعکس ہو رہا تھا اس لیے قرآن ایسے کسی نظریے وعقیدے کی تائید نہیں کرتا بلکہ الٹا اس کے پرخچے اڑاتا ہے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ قرآن نے زمین، سورج، چاند، رات اور دن کے آنے جانے سمیت تمام کے تمام ستاروں وسیاروں کے حوالے سے جو بات کی وہ اس وقت کے عقائد ونظریات کے نہ صرف کھلم کھلا خلاف تھی بلکہ ان کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ تھا اور قرآن نے یہ کہا تھا کہ آج تم نہیں مان رہے لیکن تب تم مانو گے اور جان لو گے کہ یہ حق ہے جب تمہیں ان مقامات میں اپنی آیات دکھائیں گے جو آج تمہارے لیے ناقابل رسائی ہیں۔

اب آتے ہیں اس عقیدے کی حقیقت کی طرف اور حق آپ پر ہر لحاظ سے کھول کر واضح کرتے ہیں کہ ایک طرف یہودیوں اور عیسائیوں سمیت خود کو مسلمان کہلوانے والے کیا کہتے ہیں اور دوسری طرف اللہ نے اس پر کیا کہا۔

ان کے اس عقیدے کے مطابق ان کا کہنا ہے کہ زمین روٹی کی طرح چپٹی ہے جیسے پلیٹ ہوتی ہے اس کے وسط میں خشکی ہے، خشکی کے گرد سمندر اور سمندر کے گرد زمین کے کناروں پر پہاڑوں کی باڑ ہے جس پر آسمان گنبد کی طرح ٹکا ہوا ہے۔ ان کے عقیدے میں نہ صرف زمین چپٹی ہے بلکہ زمین کے کنارے بھی ہیں اب دیکھیں کہ قرآن اس حوالے سے کیا کہتا ہے۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا. الحجر ۱۹، ق۷

مدد کہتے ہیں جس کا کوئی کنارہ نہ ہو جس کا کوئی کونا نہ ہو جس میں ہر لحاظ سے تسلسل ہو، سرکل ہو۔

ہم نے زمین کو مدد کیا یعنی ہم نے زمین کو ایسا خلق کیا کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں اس کا کوئی کونا نہیں، جدھر بھی رخ کر کے چلا جائے گا تو کوئی کونا یا کنارہ نہیں آئے گا مسلسل چلتے ہی رہو گے۔ زمین کی تمام کی تمام مخلوقات کا آپس میں ایسا ربط ہے کہ تسلسل قائم ہے یعنی زمین کی ہر شئے ایک سرکل کا حصہ ہے اور اس سرکل میں تسلسل ہے۔

اب غور کریں اللہ نے زمین کو ایسا خلق کیا کہ اس کا نہ کوئی کونا ہے اور نہ ہی کوئی کنارہ ہے اگر آپ سفر کرتے ہیں تو خواہ جدھر بھی رخ کر کے چلتے جائیں آپ کے سامنے نہ تو کوئی کونا آئے گا کہ وہاں سے دائیں بائیں یا واپس مڑنا پڑے اور نہ ہی کوئی کنارہ آئے گا کہ اس سے آگے اب نہیں جایا جا سکتا کہ یہاں زمین کا اختتام ہو رہا ہے۔

آپ غور کریں وہ کون سی شئے ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا جس پر اگر چلا جائے تو چلتے ہی رہیں گے چلتے ہی رہیں گے۔ وہ صرف اور صرف دائرہ ہی ہوتا ہے اور زمین پر جدھر بھی رخ کیا جائے تو ہر طرف دائرہ ہی سامنے آئے گا جس کا مطلب کہ زمین گیند کی طرح گول ہے زمین ایک گولہ ہے۔

اسی حقیقت کو اللہ نے قرآن میں ایک اور پہلو سے بھی بیان کیا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا. نوح ۱۹

اور اللہ ہے کر دیا تم کو زمین بساط یعنی زمین کو ایسا کر دیا کہ گیند کی طرح گول ہونے کے باوجود تم کو اپنی طرف ایسے سمیٹے ہوئے ہے جیسے کہ گول نہیں بلکہ چپٹی ہو۔

اس آیت میں لفظ بساط انتہائی غیر معمولی لفظ ہے جو چونکا دینے والا ہے۔

بساط۔ بسط سے ہے اور یہ لفظ انتہائی وسعت کا حامل ہے۔ ایسی شئے جو ہو تو گیند کی طرح گول لیکن نظر آنے میں اور رہنے میں چپٹی ہو یعنی جیسے گیند کی طرح گول شئے پر کوئی شئے ٹھہر نہیں سکتی وہ نیچے کو سرک جاتی ہے نیچے سے اوپر آنے میں انتہائی قوت کا استعمال کرنا پڑتا ہے، اس کے برعکس شئے ہو تو گیند کی طرح گول لیکن اس میں خصوصیات چپٹی شئے والی ہوں۔ آپ چل رہے ہوں تو نہ ہی ڈھلوان کا احساس ہو اور نہ ہی چڑھائی کا بلکہ ایسے ہی چل رہے ہیں جیسے سپاٹ

شئے پر چلا جاتا ہے یا رہا جاتا ہے۔

پھر بساط کے معنی ہیں کسی کو اپنی طرف کھینچے رکھنا تا کہ جیسے گیند نما گول شئے پر اشیاء نیچے ہی نیچے سرکتی ہے تو ایسے اپنی طرف کھینچے رکھنا کہ اشیاء اس کی طرف اس طرح کھنچی رہیں جیسے وہ کسی گول شئے پر نہیں بلکہ سپاٹ شئے پر پڑی ہیں، گول کی بجائے سپاٹ شئے پر رہ رہی ہیں۔

گیند کی طرح گول شئے لیکن وہ ایسی نظر آئے جیسے کہ وہ گیند کی طرح نہیں بلکہ بالکل سپاٹ ہے اس کے گیند نما ہونے کا ذرا برابر بھی احساس تک نہ ہو۔

اللہ نے دوٹوک الفاظ میں انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ زمین گیند کی طرح گول ہونے کے باوجود تمہارے لیے ایسی بنا دی کہ تمہیں رائی برابر بھی اس بات کا احساس نہ ہو کہ زمین گیند کی طرح گول ہے بلکہ تمہیں ہر لحاظ سے ایسی نظر آتی ہے اور احساس ہوتا ہے کہ وہ چپٹی ہے۔ تم کسی گیند نما گول شئے پر یعنی گولے پر نہیں رہ رہے جس سے تمہیں یہ خوف ہو کہ آگے جانے سے کہیں تم سرک کر زمین سے نیچے گر جاؤ گے بلکہ تمہیں ایسا لگتا ہے کہ تم بالکل سپاٹ شئے پر رہ رہے ہو یوں تمہیں نیچے سرکنے یا گرنے کا بالکل بھی خوف نہیں۔ زمین ہے تو گیند کی طرح گول لیکن اس کو تمہارے لیے ایسا بنایا کہ جیسے وہ گول نہیں سپاٹ ہے۔ ایسے بنایا کہ جیسے تم گول گیند نما زمین پر نہیں بلکہ سپاٹ زمین پر رہ رہے ہو۔

یوں اللہ نے قرآن نے نہ صرف ان کی اس بات کا رد کر دیا کہ زمین چپٹی ہے بلکہ اس بات کا بھی رد کر دیا کہ زمین کے کنارے ہیں اور ان رازوں سے بالکل دوٹوک الفاظ میں بیان کر کے پردہ اٹھا دیا اور آپ یہ حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں لیکن آپ اس بات میں غور کریں کہ آج تک مذہبی طبقے نے قرآن کی ان آیات کو چھپائے رکھا۔ کیا یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ انہوں نے حق کو چھپا کر اپنے باطل عقائد و نظریات کو قرآن پر کیوں ترجیح دی اور یہی کرتے چلے آ رہے ہیں؟

یہ غیر معمولی حقائق جو پوری دنیا کے انسانوں کو چونکا دینے والے ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چودہ صدیاں قبل عرب کے صحرا میں نمودار ہونے والے قرآن میں اس وقت یہ غیر معمولی اور دہلا دینے والے حقائق کون بیان کر سکتا ہے؟ اس وقت نہ تو سائنسی ترقی کا کوئی نام و نشان تھا اور نہ ہی عرب طبقہ علم رکھتا تھا بلکہ دنیا میں جہالت میں سب سے بڑھ کر عرب قوم تھی۔ پوری دنیا میں ایک عقیدہ بہت سختی سے عام تھا اس کے خلاف سوچنا ہی بہت بڑا چیلنج تھا تو ایسا کیسے ہو گیا؟ اس وقت قرآن میں یہ غیر معمولی حقائق کہاں سے آ سکتے ہیں؟

بجائے یہ کہ قرآن کے ان حقائق کو سامنے لا کر دنیا میں قرآن کی غیر معمولی اہمیت و حیثیت کو منوایا جاتا اور یوں پوری دنیا کے انسان دنیا و آخرت میں فلاح کا سودا کرتے بلکہ الٹا ان ملاؤں نے اس مذہبی طبقے نے نہ صرف ان غیر معمولی حقائق کو چھپا کر اللہ کیساتھ دشمنی کی انسانیت کو گمراہ کیا بلکہ قرآن کو باقی مذاہب کی طرح مذہب کے نام پر ایک مخصوص طبقے کی کتاب بنا کر رکھ دیا۔ وہ قرآن جو پوری انسانیت کی راہنمائی کرنے کے لیے اتارا گیا اسے یرغمال بنا لیا گیا اور پوری دنیا کے انسان یہی سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن تو مسلمان نامی دائرے میں بند لوگوں کی مذہبی کتاب ہے جس سے دوسروں کا کوئی لینا دینا نہیں۔

علماء کے لبادے میں جہلا نے آج تک یہی کوشش کی کہ لوگ ان کے محتاج رہیں اسی کو اپنا مقصد بناتے ہوئے انہوں نے لوگوں پر محنت کی اس لیے کہ نہ ہی کوئی خود سے غور و فکر کرے اور نہ ہی ان کا دجل لوگوں پر چاک ہو حالانکہ قرآن بار بار، بار بار ایک ہی بات پر زور دیتا ہے کہ کسی کے بھی پیچھے بغیر سوچے سمجھے اندھوں کی طرح مت چلو بلکہ خود سے غور و فکر کرو اور اس وقت تک کسی بھی عمل کے قریب بھی مت جاؤ جب تک کہ تمہیں اطمینان حاصل نہیں ہو جاتا یعنی جب تک تمہیں اس کے بارے میں مکمل اور راسخ علم حاصل نہیں ہو جاتا کہ ہر سوال کا جواب مل جائے لیکن یہ لوگ قرآن کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ خود سے غور و فکر کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے بلکہ اپنے کان اور آنکھیں بند کر کے اپنے آباؤ اجداد کے پیچھے ہی چلو جو آباؤ اجداد سے چلا آ رہا ہے اس کے خلاف ایک لفظ بھی مت سوچنا۔

اب حقیقت آپ کے سامنے ہے ایک طرف ان کا عقیدہ ہے کہ زمین روٹی کی طرح چپٹی ہے اور اس کے کنارے ہیں اور دوسری طرف ان کے برعکس اللہ نے زمین کو گیند کی طرح گول قرار دیا جس کے کوئی کنارے نہیں۔ بڑھتے ہیں آگے۔

ان کا عقیدہ ہے کہ زمین کے اطراف میں زمین کے کناروں پر پہاڑوں کی باڑ ہے جو کہ آسمانوں کے لیے ستون کا کام کرتے ہیں آسمان پہاڑوں کی اس باڑ کے

ستونوں پر ٹکے ہوئے ہیں اوراس کے برعکس اللہ نے کہا۔

**خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا.** لقمان ۱۰

خلق آسمانوں کی بغیر کسی ایک بھی ستون کے یہ جو آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے دیکھ رہے ہو ہم کو دیکھ رہے ہو۔

یعنی تم اپنے آباؤ اجداد سے لیکر آج تک یہی کہتے آئے کہ آسمان ستونوں پر ٹکے ہوئے ہیں زمین کے اطراف میں کناروں پر پہاڑوں کی باڑ آسمانوں کے لیے ستون ہیں جن پر آسمانوں کے کنارے ٹکے ہوئے ہیں لیکن آج تم دیکھ رہے ہو؟ دیکھو کہاں ہیں ستون جن پر آسمان ٹکے ہوئے ہیں؟ کوئی ستون نظر آیا؟ اللہ اس طرح بات اس لیے کررہا ہے کیونکہ جب قرآن اترا تب سے کہا جاتا رہا کہ آسمان بغیر ستونوں کے ہے لیکن یہ نہیں مان رہے تھے ان کا کہنا یہی تھا کہ ہم تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آسمان اطراف سے زمین کے کناروں پر جھکا ہوا نظر آتا ہے تو ظاہر ہے آسمان کے کنارے زمین کے کناروں پر ٹکے ہیں زمین کے کنارے آسمانوں کے لیے ستون ہیں جو کہ پہاڑوں کی باڑ۔ اللہ نے کہا تھا کہ آج تم نہیں مان رہے لیکن عنقریب ایک وقت آئے گا جب تمہیں الآفاق میں اپنی آیات دکھائیں گے ان مقامات میں جہاں آج تمہاری رسائی نہیں اور خود تمہاری اپنی ذات میں تب تم کہو گے کہ یہ حق ہے یعنی جو قرآن نے کہا تھا یہ حق ہے نہ کہ تمہارے آباؤ اجداد کے عقائد و نظریات کہ آسمان ستونوں پر کھڑے ہیں۔ اور آج جب کہ وہ وقت آچکا ہے تو آج اللہ انسانوں کو کہہ رہا ہے کہ آج تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو یہ تم ہمیں دیکھ رہے ہو۔ آج تم خلاء میں جاچکے ہو ایسے ایسے آلات بنا چکے ہو کہ جن کی مدد سے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو تو دیکھو اور اب بتاؤ کہ کہاں ہیں وہ کنارے؟ کہاں ہیں وہ ستون؟ جن کے بارے میں تم کہتے تھے کہ ان ستونوں پر آسمان کھڑا ہے۔ آپ نے جان لیا کہ اس حوالے سے بھی قرآن نے ان کے اور ان کے آباؤ اجداد کے عقائد و نظریات کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے۔ ان کا کہنا تھا کہ آسمان ستونوں پر کھڑے ہیں لیکن اللہ نے کہا تھا کہ نہیں آسمانوں کو بغیر ستونوں کے خلق کیا ہے۔

بڑھتے ہیں ان کے اگلے نظریے کی طرف۔

ان کا عقیدہ یہ ہے کہ سورج سفر کررہا ہے جس سے رات اور دن ہو رہا ہے سورج یعنی روشنی اندھیرے میں جاتی ہے تو دن ہو جاتا ہے جب روشنی چلی جاتی ہے تو پھر اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اب دیکھیں کہ اس بارے میں اللہ نے قرآن میں کیا کہا۔

**اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَاب.** آل عمران ۱۹۰

اس میں کچھ شک نہیں آسمانوں اور زمین کی خلق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں اللہ کی آیات ہیں اولی الالباب کے لیے۔

اس وقت آپ آیت دیکھ رہے ہیں اس آیت میں اللہ رات اور دن کے اختلاف کو آیات کہہ رہا ہے اولی الالباب کے لیے۔ یعنی آپ جو اپنی آنکھوں سے رات اور دن ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں یہ بیّنات نہیں ہیں، جو آپ دیکھ رہے ہیں حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس چھپی ہوئی ہے، یہ آیات ہیں۔

آیات آیت کی جمع ہے اور لفظ آیت لفظ بیّن کی ضد ہے۔ بیّن کہتے ہیں شئے کا ہر لحاظ سے ہر پہلو سے بالکل کھلم کھلا واضح ہونا سامنے ہونا اس کا کوئی ایک بھی پہلو پوشیدہ نہ ہونا اس کا انگ انگ بالکل کھلم کھلا سامنے ہونا اور اس کے برعکس آیت کہتے ہیں پوری شئے چھپی ہوئی ہونا اور اس کا صرف تھوڑا سا پہلو تھوڑا سا حصہ سامنے ہونا اب جو سامنے نظر آرہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے بلکہ حقیقت اس وقت تک سامنے نہیں آئے گی جب تک کہ آیت میں غور نہیں کیا جائے گا اس کی گہرائی میں جا کر اس کی حقیقت کو جانا نہیں جائے گا۔

اب آپ دیکھیں کہ رات اور دن کس طرح ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں؟ اگر کوئی نقشہ بنایا جائے تو کیا نقشہ سامنے آئے گا؟ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف سے سورج طلوع ہوتا ہوا نظر آتا ہے اوپر جاتا ہے سفر کرتا ہے یہاں تک کہ دوسری طرف جا کر غروب ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی نظر آرہی ہے کہ زمین کے مشرق اور مغرب کی طرف کنارے ہیں۔ پھر جب اوپر آسمان کی طرف دیکھا جائے تو آسمان ایک اوندھے پیالے کی طرح یعنی ایک گنبد کی طرح نظر آتا ہے جس طرف بھی دیکھیں تو آسمان ہر طرف سے نیچے کو جاتا ہوا نظر آتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے ایک پیالہ اوندھا پڑا ہوا ہے اور یوں ایسے نظر آتا ہے کہ زمین

روٹی کی طرح چپٹی اور گول ہے۔ سورج ایک طرف سے نکلتا ہے اور دوسری طرف جا کر غروب ہو جاتا ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ سورج بیک وقت پوری دنیا کے لوگوں پر طلوع ہوتا ہے اور اسی طرح بیک وقت پوری دنیا کے لوگوں پر غروب ہوتا ہے۔ سورج کا ایک مقام طلوع ہے اور ایک مقام غروب۔ اسی طرح آپ اپنی آنکھوں سے مزید نظر آنے والے مناظر کو قلم بند کر سکتے ہیں۔

یہی ہے رات اور دن کا اختلاف جو زمین پر موجود ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقت یہی ہے؟ تو اللہ نے قرآن کی اس آیت میں بالکل واضح دوٹوک الفاظ میں بتا دیا کہ یہ آیات ہیں اور پھر یہ بھی بتا دیا کہ یہ آیات اولی الالباب کے لیے ہیں یعنی جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کے لیے آیات نہیں ہیں وہ انہیں آیات کی بجائے بیّنات سمجھتے ہیں کہ وہ جو دیکھ رہے ہیں یہی اصل حقیقت ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۶۴ اور سورۃ الجاثیہ کی آیت نمبر ۵ میں اللہ کا کہنا ہے

لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ. البقرة ۱۶۴ ، الجاثيه ۵

اللہ کی آیات ہیں ان لوگوں کے لیے جو خود سے غور و فکر کر کے سمجھ رہے ہیں جو عقل رکھ رہے ہیں یعنی جو سن اور دیکھ کر سوچ سمجھ رہے ہیں۔

یعنی ان کے لیے آیات ہیں جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کے لیے نہیں ہیں جو بیوقوف جاہل ہیں جن میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں جو بندر کی طرح عقل کی بجائے نقل سے کام لیتے ہیں جو غور و فکر کرنے کی بجائے اندھوں کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے پیچھے چل رہے ہیں جن کا کہنا ہے کہ وہ اسی پر ڈٹے رہیں گے جس پر انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔

جن میں عقل نہیں ہے جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے جو بیوقوف ہیں ان کے لیے آیات نہیں ہیں بلکہ وہ آیات کو بیّنات سمجھتے ہیں یعنی وہ ان میں غور کر کے چھپی ہوئی حقیقت جاننے کی بجائے جو آنکھوں سے نظر آ رہا ہے اسی کو اصل حقیقت سمجھتے ہوئے اسی کو اپنا عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔

پھر ایک اور مقام پر اللہ نے یوں کہا۔

لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ. یونس ٦

اللہ کی آیات ہیں ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے بچ رہے ہیں یعنی بچنے والوں کے لیے آیات ہیں۔

یہ ان کے لیے آیات ہیں جو دنیا و آخرت میں اللہ کے غضب سے عذاب الیم سے بچنا چاہتے ہیں تو وہ اللہ کی ان آیات میں غور و فکر کرتے ہیں اور حق کو پہچان کر نہ صرف اس پر عمل کرتے ہیں بلکہ یوں دنیا و آخرت میں بچنے والوں میں سے ہو جاتے ہیں۔ مگر جو دنیا و آخرت میں اللہ کے غضب سے بچنا نہیں چاہتے اور اس کے برعکس محض دنیا کی چھوٹی موٹی تکالیف و آزمائشوں سے بچنا چاہتے ہیں جس کے لیے ان کا مقصد دنیاوی مال و متاع کا حصول ہو جن کو آخرت کے بارے میں رائی برابر بھی علم نہ ہو نہ اس کا یقین تو وہ انہیں آیات تسلیم کر کے ان میں غور و فکر سے حقیقت جاننے کی بجائے آیات کو ہی اصل اور مکمل حقیقت سمجھتے ہوئے دنیا و آخرت میں خسارے کا سودا کرتے ہیں یوں نہ ان پر دنیا میں آنے کا مقصد واضح ہوتا ہے اور نہ اسے پورا کر پاتے ہیں الٹا جہالت کو حق کا نام دیکر ضلالٍ مبینٍ میں ہوتے ہیں اور اللہ کی آیات سے کذب کرتے ہیں اللہ کی آیات کو ان کے مقامات سے ہٹاتے ہیں ان میں چھیڑ چھاڑ کر کے دنیا و آخرت میں ذلت کا سودا کرتے ہیں۔

یعنی پہلی بات تو یہ کہ یہ جو آپ کو رات اور دن کا اختلاف اپنی آنکھوں سے نظر آ رہا ہے یہ بیّنات نہیں ہیں مطلب یہ کہ یہ جو کچھ آنکھوں سے نظر آ رہا ہے حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ یہ آیات ہیں اصل حقیقت چھپی ہوئی ہے اور حقیقت کیا ہے وہ تب ہی سامنے آ سکتی ہے جب ان آیات میں غور کیا جائے گا ان کی گہرائی میں جایا جائے گا۔ اور پھر اللہ نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ یہ آیات اولی الالباب کے لیے ہیں یعنی جو اولی الالباب ہیں ان کے لیے آیات ہیں وہ انہیں آیات تسلیم کرتے ہیں بیّنات نہیں مگر اس کے برعکس جو اولی الالباب نہیں ہیں وہ انہیں آیات نہیں بلکہ بیّنات سمجھتے ہیں مطلب یہ کہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جو نقشہ آنکھوں سے دیکھ کر سامنے آتا ہے یہی حقیقت ہے اور اس سے ہٹ کر سوچنے یا غور و فکر کرنے والے نہیں ہیں۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے اولی الالباب کو جاننا بہت ضروری ہے جس سے یہ بات بھی سامنے آ جائے گی کہ وہ کون ہیں جو اولی الالباب نہیں ہیں۔

اولی الالباب: پہلے آتا ہے اولی جو کہ جملہ ہے اور دو الفاظ کا مجموعہ ہیں پہلا لفظ ایک حرف پر مشتمل ہے ''الف'' اور دوسرا لفظ ''ولی'' ہے۔ جب بھی

کسی جملے یا لفظ کے شروع میں الف آ جائے جو کہ اس لفظ کے اصلی حروف میں سے نہ ہو تو الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے جسے ایک مثال سے سمجھ لیجیے۔

آپ دن میں کئی بار سنتے ہیں اور اپنی زبان سے بھی یہ الفاظ ادا کرتے ہیں اللہ اکبر۔ اس کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے اللہ بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے یا اللہ سب سے بڑا ہے لیکن یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔

اللہ اکبر میں نہ صرف یہ سوال ہے کہ اللہ کیا ہے بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔

اللہُ : اللہ کی ’’ہ‘‘ پر پیش ہے جو اسے حال کا صیغہ بنا دیتی ہے یوں اللہ کے معنی بنتے ہیں اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب ہے، اکبر۔ یہ بھی جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ایک حرف ’’الف‘‘ اور دوسرا لفظ ’’کبر‘‘۔ لفظ ’’کبر‘‘ کی ضد ’’صغر‘‘ ہے جس کے معنی وجودی یا کسی بھی اعتبار سے چھوٹا ہونے کے ہیں اور کبر کے معنی وجودی یا کسی بھی اعتبار سے بڑا ہونے کے ہیں اور شروع میں الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اکبر جس کے معنی بنیں گے کیا ہے بڑا؟ یعنی جو بڑا ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں اللہ ہے تو دیکھو کیا وہ بڑا ہے؟ مثلاً اگر ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ ہے تو اس سے تو بڑا درخت ہے تو اس کا مطلب کیا درخت اللہ ہے؟ نہیں درختوں سے بڑے تو پہاڑ ہیں تو پھر کیا پہاڑ اللہ ہیں نہیں پہاڑوں سے بڑا تو سمندر ہے تو کیا سمندر اللہ ہے؟ نہیں سمندروں سے بڑی تو زمین ہے تو کیا زمین اللہ ہے؟ نہیں زمین سے بڑا تو سورج ہے تو کیا سورج اللہ ہے؟ نہیں سورج سے بڑا تو نظام شمسی ہے تو کیا نظام شمسی اللہ ہے؟ نہیں نظام شمسی سے بڑی تو کہکشائیں ہیں تو کیا کہکشائیں اللہ ہے؟ نہیں کہکشاؤں سے بڑی تو کائنات دنیا ہے تو کیا کائنات دنیا اللہ ہے؟ نہیں کائنات دنیا سے بڑی تو دوسری کائنات یعنی دوسرا آسمان ہے کیا وہ اللہ؟ نہیں اس سے بڑا تو تیسرا آسمان یعنی تیسری کائنات ہے تو کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں بلکہ اس سے بڑی تو چوتھی کائنات یعنی چوتھا آسمان اس سے بڑا پانچواں اس سے بڑا چھٹا اس سے بڑا ساتواں، ساتویں سے بڑا کُل کا کُل جو کچھ بھی ہے وہ بطور ایک وجود۔ یوں جو بڑا ثابت ہو جائے وہ اللہ ہے۔

تو آپ نے جان لیا کہ اللہ اکبر کے معنی کیا ہیں نہ صرف اس میں سوال ہے کہ اللہ ہے اور کیا ہے اللہ بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔

اور آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ جب الف کسی لفظ یا جملے کے شروع میں آتا ہے تو اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ اسی سوال کا جواب دیتا ہے بالکل اسی طرح اولی الالباب ہے اس میں نہ صرف سوال ہے کہ اولی الالباب کون ہیں بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔

اگر الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو اس کے کیا معنی بنیں گے یہ تو آپ نے جان لیا کہ وہ اسے سوالیہ بنا دیتا ہے۔

اگلا لفظ ہے ولی۔ اور ولی کے معنی ہیں اپنے مقصد، اپنے مشن، اپنے ٹارگٹ وغیرہ میں کسی کو اپنا معاونت کار بنانا۔ جس سے بھی کسی بھی سطح پر معاونت حاصل کی جائے گی اسے عربی میں ولی کہا جاتا ہے۔

اب آتے ہیں پورے جملے کی طرف۔ اولی جس کے معنی بنتے ہیں کیا ہے ولی یعنی کیا ہے وہ جسے اپنے مقصد میں اپنے مشن میں اپنا معاونت کار بنایا جا رہا ہے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے اپنے مشن کو پورا کرنے کے لیے اپنے مطلوب کے حصول کے لیے کس سے معاونت حاصل کی جا رہی ہے کسے معاونت کار یا سہولت کار بنایا جا رہا ہے؟ آگے اسی سوال کا جواب آ جاتا ہے۔

الباب۔ یہ بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ’’ال‘‘ اور دوسرا لفظ ’’باب‘‘۔ جب بھی کسی لفظ کے شروع میں ’’ال‘‘ کا استعمال ہوتا ہے تو ’’ال‘‘ مخصوص کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی مخصوص شئے کا ذکر کیا جا رہا ہے نہ کہ عام شئے کا۔ اور ’’باب‘‘ کہتے ہیں داخل ہونے اور نکلنے کے مقام کو۔ وہ مادی بھی ہو سکتا ہے، غیر مادی بھی اور شعوری بھی۔ کہاں مادی نکلنے اور داخل ہونے کے مقام کا ذکر ہے اور کہاں غیر مادی اور کہاں شعوری اس کا فیصلہ بات کا پس منظر کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے کہا کہ رات اور دن کا اختلاف اولی الالباب کے لیے آیات ہیں اور اس میں یہ بات بھی کھلم کھلا موجود ہے کہ جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کے لیے آیات نہیں ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے جو اولی الالباب نہیں ہیں وہ کیا ہیں اور ان کے لیے آیات نہیں ہیں تو پھر ان کے لیے کیا ہیں؟ تو اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے ان کے لیے آیات کی ضد بیّنات ہیں۔

جو اولی الالباب ہیں ان کا کہنا اور ان کا سمجھنا یہ ہے کہ جو وہ اپنی آنکھوں سے مناظر دیکھ رہے ہیں رات اور دن کے بارے میں اصل حقائق یہ نہیں ہیں اصل

حقائق کچھ اور ہیں جو کہ ان کے پیچھے پوشیدہ ہیں اور وہ اس وقت تک نہیں جانے جا سکتے اس وقت تک سامنے نہیں آ سکتے جب تک کہ ان آیات میں غور و فکر نہیں کیا جاتا ان کی گہرائی میں جا کر انہیں جان نہیں لیا جاتا اور اولی الالباب کے برعکس جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کا کہنا اور سمجھنا یہ ہے کہ رات اور دن کے اختلاف کے حوالے سے جو کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہی کھلم کھلا حقیقت ہے اس کے خلاف وہ نہ سوچتے ہیں اور نہ ہی اس میں غور کرتے ہیں۔ تو یہاں اولی الالباب کا پس منظر رات اور دن کے اختلاف کی حقیقت کیا ہے اس کو سمجھنا ہے اور ظاہر ہے سمجھا تو دماغ سے جاتا ہے اور اس کے لیے آنکھیں اور کان اور دل وہ باب ہیں جہاں سے معلومات دماغ تک جاتی ہیں۔ اگر ان ابواب کو بند کر لیا جائے کسی بھی معاملے کی حقیقت کو جاننے کے لیے آنکھوں کانوں اور دل کا استعمال کرنے کی بجائے ان کا استعمال بند کر دیا جائے سنی ان سنی کر دی جائے دیکھا ان دیکھا کر دیا جائے دل مردہ اندھا ہو جائے تو پھر ایسے لوگ اولی الالباب کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب انہوں نے باب یہ دروازے بند کر دیئے تو دماغ تک معلومات کیسے جائیں گی اور دماغ اصل نتیجے تک کیسے پہنچے گا؟ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ باب بند کیسے کیے جاتے ہیں؟ یہ باب بند اس طرح کیے جاتے ہیں کہ کسی بھی بات کو عقیدہ بنا لینا یعنی کسی بھی معاملے میں کسی بات کو دماغ میں ڈال کر اس پر تالے لگا دینا اس کے لیے اپنی آنکھوں کانوں اور دل کو بند کر لینا کہ اب اس معاملے پر اس کے خلاف کسی بھی قسم کی نہ تو کوئی بات سنی جائے گی نہ دیکھی جائے گی نہ دل کا استعمال کر کے غور کیا جائے گا، بات سنی ان سنی کر دی جائے گی دیکھا ان دیکھا کر دیا جائے گا یوں اس میں غور کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

اور اولی الالباب وہ لوگ جو اپنے مشن میں اپنے مقصد میں جو کہ کسی بھی بات کو کسی بھی نکتے کو یا کسی بھی معاملے کو سمجھنا مقصد ہوتا ہے یعنی حق کو پانا مقصد ہوتا ہے اسے سمجھنے کے لیے اپنے ان رستوں کو ان باب کو بند نہیں کرتے بلکہ وہ ہر وقت ہر لمحے ان باب کو اپنی آنکھوں اور کانوں کو کھلا رکھتے ہیں دل سے اس بارے میں غور کرتے ہیں دماغ کو تفکر کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں ان کا کہنا اور ماننا یہ ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بات کوئی پہلو پہلے ان سے پوشیدہ رہ گیا ہو جس وجہ سے جو نتیجہ پہلے ان کے سامنے آیا یا لایا گیا وہ حق نہ ہو اس میں کوئی خامی ہو کوئی نقص ہو اس لیے اگر اس معاملے میں کوئی نئی بات نئی شئے سامنے آتی ہے جو پہلے سامنے نہیں آئی تو اس کو سننے دیکھنے اس میں غور کرنے میں حرج ہی کیا ہو سکتا ہے لہذا اس میں غور کرتے ہیں اگر تو وہ غلط ثابت ہوتی ہے تو مزید اطمینان حاصل ہو جائے گا اور اگر وہ سچ ثابت ہوئی تو اس حوالے سے پہلے نظریے کو دماغ سے نکال باہر کریں گے اور حق کو تسلیم کرتے ہوئے اسے دماغ میں جگہ دیں گے یوں ہر لحاظ سے اپنا ہی فائدہ ہے۔

اب تک یہ بات بھی آپ پر واضح ہو چکی کہ اولی الالباب کی ضد عقیدہ یا عقائد والے ہیں جنہیں عربوں کی زبان میں اہل العقائد کہا جاتا ہے۔ عقیدہ کہتے ہیں کہ کسی بھی بات کو کسی بھی معاملے کو سچ سمجھ کر اپنے دماغ میں ڈال کر اس پر تالا لگا دینا کہ اب اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سنا جائے گا خواہ کچھ بھی ہو جائے اس پر خواہ کتنے ہی دلائل سامنے کیوں نہ آ جائیں خواہ وہ غلط ہی ثابت کیوں نہ ہو جائے اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں دیکھی سنی جائے گی۔ یعنی ایک بات کو کُل سمجھ کر دماغ میں ڈال کر تالا لگا دینا اب نہ ہی اسے دماغ سے باہر نکالا جائے گا اور نہ ہی اس کے مقابلے پر کوئی دوسری بات دماغ میں آنے دی جائے گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے، کسی بھی بات کو حق سمجھتے ہوئے اسے دماغ میں ڈال کر اس پر اپنی آنکھیں اور کان بند کر لینا کہ اس کے خلاف نہ کچھ سنا جائے گا اور نہ ہی کچھ دیکھا جائے گا خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔

اور اولی الالباب وہ لوگ جو کسی بھی بات یا معاملے کے بارے میں سامنے آنے والے نتیجے کو آخری نہیں سمجھتے بلکہ وہ اسے فی الحال تو اپنے دماغ میں جگہ دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھیں گے دل سے کام لیتے رہیں گے اگر کل کوئی ایسی بات یا ایسی شئے سامنے آتی ہے جو اسے غلط ثابت کر دیتی ہے یا اس میں کوئی نقص ثابت کر دیتی ہے تو پہلی بات کو دماغ سے نکال باہر کیا جائے گا اور سامنے آنے والے حق کو تسلیم کیا جائے گا یوں کبھی بھی کسی بھی بات کو کسی بھی نتیجے کو آخر نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کے بارے میں راسخ علم نہ آ جائے یعنی ایسا علم کے جو تمام کے تمام سوالات کے دروازے بند کر دے کوئی چاہ کر بھی اس پر کوئی سوال نہ اٹھا سکے۔

قرآن میں اللہ نے ایک نہیں دو نہیں بلکہ کئی مقامات پر کہا کہ ہدایت صرف اور صرف اولی الالباب کے لیے ہے نہ کہ ان کے لیے جو عقیدے بنا لیتے ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت عقیدے والوں کو ہدایت نہیں دے سکتی خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

تو اب آپ خود غور کریں کہ رات اور دن کے اختلاف کے بارے میں جو عقائد آج تک اکثریت کے نزدیک پائے جاتے ہیں جو محمد علیہ السلام کی بعثت کے وقت عقائد موجود تھے کیا ان کی حقیقت یہ نہیں ہے جو آنکھوں سے نظر آ رہا ہے؟

اللہ نے تو اس آیت میں بالکل واضح کہہ دیا کہ رات اور دن کے اختلاف کے حوالے سے جو تمہیں نظر آ رہا ہے یہ اصل حقیقت نہیں ہے بلکہ یہ تو آیات ہیں حقیقت تو چھپی ہوئی ہے اور جو اولی الالباب ہیں انہیں علم ہے کہ یہ جو نظر آ رہا ہے یہ حقیقت نہیں ہے یہ تو آیات ہیں لیکن جو اولی الالباب نہیں وہ اسی کو جو انہیں آنکھوں سے نظر آ رہا ہے اس کو اپنے دماغ میں ڈال کر اس پر تالا لگا چکے ہیں یعنی عقیدہ بنا چکے ہیں۔ تو اب آپ سے سوال ہے کہ کیا ان کا عقیدہ حق ہے؟ کیا قرآن کی روشنی میں اہل العقائد حق پر ہیں؟ کیا قرآن کسی بھی قسم کا کوئی عقیدہ اخذ کرنے کی اجازت دیتا ہے یا پھر الٹا سختی کیساتھ اس سے روک رہا ہے؟

حق ہر لحاظ سے بالکل کھل کر آپ کے سامنے ہے۔

آپ قرآن کی روشنی میں دیکھیں اللہ کا فیصلہ سامنے رکھیں اور پھر خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ لوگ سچے ہیں یا اللہ؟

یہ کہتے ہیں رات اور دن کے اختلاف کے حوالے سے جو آنکھوں سے نظر آتا ہے وہی بیّن ہے یعنی کھلم کھلی اصل حقیقت ہے اور اللہ اس کے برعکس انہیں بیّنات کی بجائے آیات قرار دے رہا ہے یہ حقیقت نہیں ہے بلکہ حقیقت تو چھپی ہوئی ہے۔

اب ایسا کرتے ہیں رات اور دن کے اختلاف کے حوالے سے ایک طرف ان کے عقائد کو رکھتے ہیں اور اس کے برعکس دوسری طرف اللہ کی بات کو رکھتے ہیں کہ اللہ اس بارے میں کیا کہتا ہے۔

ان کا عقیدہ ہے کہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ سورج ایک طرف سے نکلتا ہے اوپر جاتا ہے کمان کی شکل میں سفر کرتا ہوا دوسری طرف جا کر ڈوب جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین کے کنارے ہیں جدھر سے سورج نکلتا ہے ادھر بھی کنارہ ثابت ہوتا ہے اور جدھر غروب ہوتا ہے ادھر بھی کنارہ ثابت ہوتا ہے پیچھے رہ گیا شمال اور جنوب تو ادھر بھی جب دیکھا جائے تو آسمان ہر طرف سے نیچے کو جاتا ہوا نظر آتا ہے جب آسمان کو دیکھو تو آسمان گولائی میں ہر طرف سے جھکا ہوا نظر آتا ہے سورج آسمان کے اندر ہے تو ظاہر ہے پھر زمین بھی آسمان کے ہر طرف سے اندر ہی ہے زمین چپٹی نظر آتی ہے اوپر گنبد نما آسمان ہے جیسے پیالہ اوندھا پڑا ہوا یوں بالکل واضح کھلم کھلا نظر آ رہا ہے کہ زمین روٹی کی طرح گول اور چپٹی ہے اور اس کے کنارے ہیں۔ یوں یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ سورج کے سفر کرنے سے رات اور دن ہو رہے ہیں روشنی سفر کر رہی ہے اور ان کے برعکس دیکھیں اللہ کا اس بارے میں کیا کہنا ہے۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ. آل عمران ۲۷

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ . الحج ۶۱

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ. لقمان ۲۹

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ. فاطر ۱۳

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ. الحديد ۶

اس وقت آپ کو پیچھے پانچ آیات نظر آ رہی ہیں جن میں رات اور دن کس طرح آ جا رہے ہیں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے آیت میں استعمال ہونے والے الفاظ کو جاننا بہت ضروری ہے ان میں پہلا لفظ ہے

ولج۔ جس کے معنی ہیں کسی شئے کو گھما کر اس کا ایک رخ دوسری طرف لیکر آنا۔ مثلاً جب روٹی پکائی جاتی تھی تو روٹی کو گھما کر اس کا رخ پلٹنے کو ولج کہا جاتا تھا۔

آیت میں لفظ پر پیش کے آنے سے حال کا صیغہ بن جاتا ہے یعنی ہر وقت گھما کر پھیرا جا رہا ہے ایک رخ دوسری طرف لایا جا رہا ہے۔

پھر اگلا لفظ ہے لیل۔ لیل کہتے ہیں زمین کے اس حصہ کو جو اندھیرے میں ہوتا ہے۔

اور اگلا لفظ ہے نہار جو کہ لیل کی ضد ہے اور نہار کہتے ہیں زمین کے اس حصے کو جو روشنی میں ہوتا ہے۔

اب ان آیات کو دیکھیں اللہ رات اور دن کے حوالے سے کس قدر کھول کھول کر راہنمائی کر رہا ہے۔

تُولِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ. آل عمران ۲۷

یہ جورات اور دن ہو رہے ہیں گھما کر پھیر کر لیل کو زمین کے اس حصے کو جو اندھیرے میں ہوتا ہے آگے وہاں لے جایا جارہا ہے جہاں روشنی ہے یوں زمین کا وہ حصہ روشن ہو جاتا ہے اور اسی طرح زمین کا وہ حصہ جو روشنی میں ہوتا ہے اسے گھما کر پھیر کر وہاں لے جایا جارہا ہے جہاں اندھیرا ہے۔ رات کو پکڑ کر گھما کر پھیر کر دن میں لے جایا جارہا ہے اور دن کو پکڑ کر پھیر کر گھما کر رات میں لے جایا جارہا ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ . الحج ٦١

وہ یعنی جو آیات ہیں اولی الالباب کے لیے رات اور دن کا ہونا اس میں کچھ شک نہیں تھا اللہ سے جیسے خود ہی گھوم کر پھیر کر رات دن میں جا رہی ہے اور خود ہی گھوم کر دن رات میں جا رہا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ. لقمان ۲۹

کیا نہیں دیکھا؟ کہ اس میں کچھ شک نہیں تھا اللہ گھما کر پھیر کر لے جارہا ہے زمین کے اندھیرے والے حصے کو دن میں یعنی روشنی میں جس سے وہ روشن ہو جاتا ہے اور گھما کر پھیر کر زمین کے اس حصے کو جو روشنی میں ہے اسے لے جارہا ہے اندھیرے میں جس سے زمین کے اس حصے پر اندھیرا ہو جاتا ہے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ. فاطر ۱۳

گھوم کر زمین کا وہ حصہ جو اندھیرے میں تھا جارہا ہے روشنی میں جس سے زمین کا وہ حصہ روشن ہو جاتا ہے اور گھوم کر زمین کا وہ حصہ جو روشن ہوتا ہے جارہا ہے اندھیرے میں جس سے اس پر اندھیرا ہو جاتا ہے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ. الحديد ٦

گھوم پر زمین کا وہ حصہ جو اندھیرے میں تھا جارہا ہے روشنی میں جس سے زمین کا وہ حصہ روشن ہو جاتا ہے اور گھوم کر زمین کا وہ حصہ جو روشن ہوتا ہے جارہا ہے اندھیرے میں جس سے اس پر اندھیرا ہو جاتا ہے۔

اب آپ خود غور کریں کہ اگر زمین چپٹی ہو تو کیا زمین گھوم کر اپنے رخ مسلسل بدل سکتی ہے؟ مسلسل ایک طرف دوسری طرف جا سکتی ہے بالکل ایسے جیسے گیند کو اپنے ہی محور پر گھمایا جائے؟

پھر دوسری بات قرآن الحکیم ہے یعنی اللہ نے اس قرآن میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں نہ تو ان میں رائی برابر بھی تبدیلی کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ان کی ترتیب کو بدلا جا سکتا ہے کیونکہ جو لفظ جہاں آنا تھا جیسا آنا تھا اللہ نے وہیں اور ویسا ہی استعمال کیا۔ آپ رات اور دن کے اختلاف پر تمام کی تمام آیات کو اٹھا کر دیکھ لیں تو آپ کو لفظ لیل پہلے استعمال ہوا ملے گا۔ اور پھر لفظ لیل پر زبر لا کر اسے ماضی کا صیغہ بنا دیا اور اس کے برعکس نہار لفظ نہ صرف بعد میں لایا گیا بلکہ اس کے نیچے زیر لا کر اسے مستقبل کا صیغہ بنا دیا گیا یعنی پہلے رات تھی پھر دن آیا، اندھیرا پہلے تھا پھر روشنی ہوئی۔

تمام آیات میں یہ کہا جارہا ہے کہ لیل کو یعنی زمین کے اس حصے کو جس پر اندھیرا ہے زمین کا جو حصہ اندھیرے میں ہے اسے گھما کر پھیر کر دن میں لایا جارہا ہے یعنی روشنی میں لایا جارہا ہے جس سے وہ روشن ہو جاتا ہے۔ اب اگر سورج گھوم رہا ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن اس کے برعکس کیوں کہہ رہا ہے بلکہ قرآن کو تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ روشنی کو اندھیرے میں لایا جارہا ہے مسلسل روشنی کو ہی اندھیرے میں لایا جارہا لیکن کیا ایسا کہا گیا؟

نہیں بلکہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ رات کو اٹھا کر دن میں یعنی روشنی میں لایا جارہا ہے جس سے زمین کا وہ حصہ روشن ہو جاتا ہے اور پھر اسی روشن حصے کو اٹھا کر اندھیرے میں لے جایا جارہا ہے جس سے اس پر رات ہو جاتی ہے۔

قرآن بالکل دوٹوک یہ کہہ رہا ہے کہ رات کو دن میں لے جایا جارہا ہے غور کریں اگر آپ ایک اندھیری جگہ پر موجود ہوں اور آپ کو کہا جائے کہ اندھیرے کو روشنی میں لیکر آؤ تو کیا آپ روشنی اندھیرے میں اٹھا کر لے جائیں گے؟ حالانکہ یہ کہا جا رہا ہے کہ اندھیری جگہ کو اٹھا کر روشنی میں لے جاؤ۔ کیا اندھیرا روشنی میں جا سکتا ہے؟ ذرا غور کریں۔ روشنی تو اٹھا کر اندھیرے میں لے جائی جا سکتی ہے لیکن اندھیرا نہیں سوائے یہ کہ اندھیری جگہ کو اٹھا کر روشنی

میں لے جایا جائے جس سے وہ جگہ روشن ہو جائے گی بالکل اسی طرح اللہ کہہ رہا ہے کہ رات کو یعنی زمین کا جو حصہ اندھیرے میں ہوتا ہے اس اندھیرے حصے کو دن میں یعنی روشنی میں لے جایا جا رہا جس سے وہ روشن ہو جاتا ہے پھر اس روشن حصے کو اندھیرے میں لے جایا جا رہا ہے جس سے اس پر اندھیرا یعنی رات ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ مسلسل چل رہا ہے۔

اور ایسا صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ پہلے اندھیرا ہی اندھیرا تھا پوری زمین اندھیروں میں تھی پھر روشنی لائی گئی یعنی سورج وجود میں آیا اب ایک طرف اندھیرا ہے دوسری طرف روشنی اور درمیان میں گول گیند کی مانند زمین ہے۔ زمین کا وہ حصہ جو اندھیرے کی طرف ہے اس پر رات اور جو سورج کی طرف ہے وہ روشن ہے یعنی دن۔ اب زمین اپنے ہی محور پر مسلسل گھوم رہی ہے جو کہ یولج ہو رہا ہے یعنی مسلسل زمین کا اندھیرے والا حصہ روشنی میں جا رہا ہے اور روشنی میں جا کر وہ رک نہیں جاتا بلکہ اس وقت تک روشن رہتا ہے جب تک کہ وہ روشنی میں رہتا ہے مسلسل یولج ہونے سے وہ دوسری طرف سے پھر اندھیرے میں داخل ہو رہا ہے۔

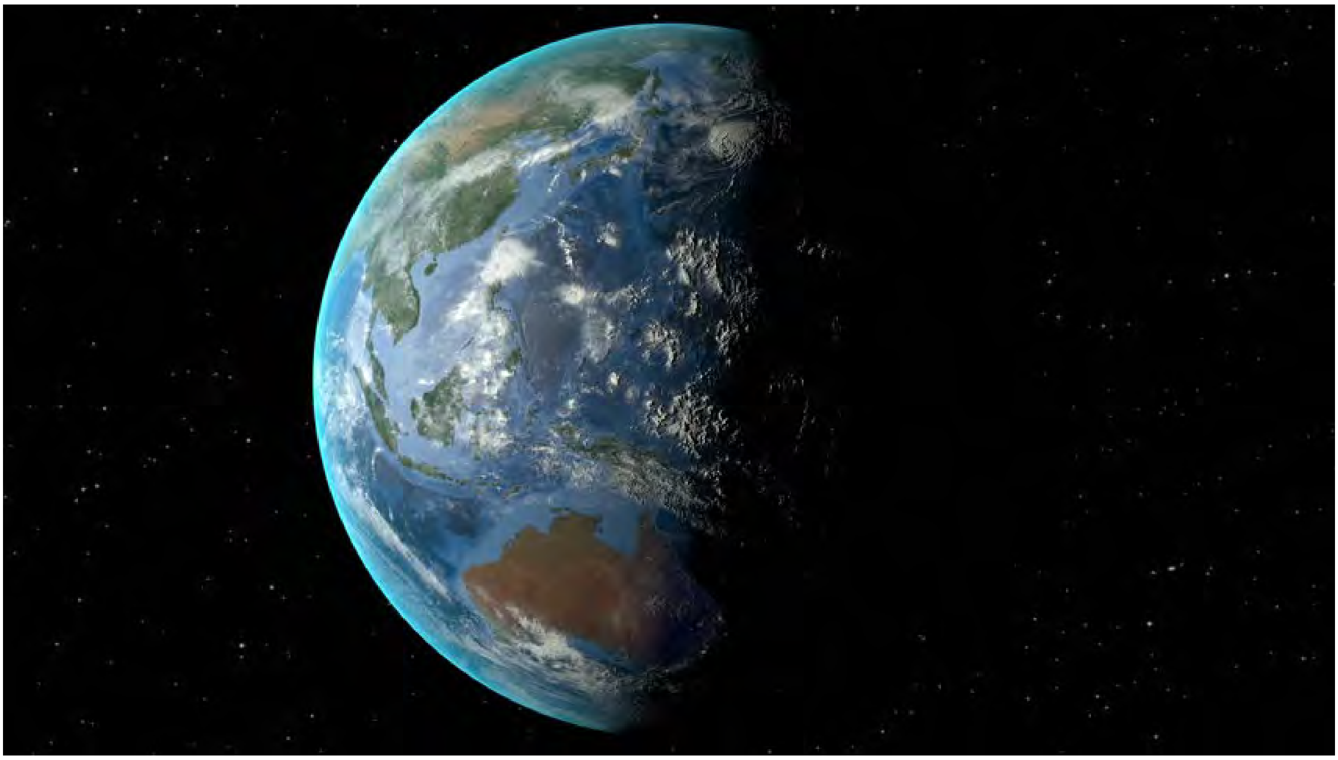

اسی بات کو اللہ نے قرآن میں ایک اور پہلو سے بھی بیان کر دیا۔

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً. الفرقان ٦٢

اور جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ وہی ذات ہے کر دیا رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آ جا رہے ہیں۔

پہلے رات ہے اس کے پیچھے دن آ جاتا ہے پھر رات دن کے پیچھے آ جاتی ہے پھر دن رات کے پیچھے آ جاتا ہے دونوں ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے ہیں۔ ذرا غور کریں اگر سورج زمین کے گرد گھومنے سے رات اور دن ہو رہے ہوتے تو صرف اور صرف یہ کہا جاتا کہ رات دن کی سابق ہو رہی ہے یا رات دن کے پیچھے جا رہی ہے یا دن آگے آگے جا رہا ہے لیکن یہاں دونوں کے چلنے کا ذکر کیا گیا اور دونوں ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے ہیں مثال کے طور پر ایک دائرہ ہو اس دائرے پر ایک طرف ایک شخص کھڑا ہو اور عین دوسری طرف ایک دوسرا شخص کھڑا ہو دونوں کا رخ آگے کو ہو اور دونوں ایک ہی رفتار سے اس دائرے میں دوڑنا شروع کر دیں جس سے دونوں کے درمیان فاصلہ نہ ہی کم ہوگا نہ ہی زیادہ اور یوں نظر آئے گا جیسے دونوں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے ہیں اگر آپ یہ طے کرنا چاہیں کہ ان میں سے آگے کون ہے اور پیچھے کون تو یہ فیصلہ نہیں کر پائیں گے اگر یہ دیکھیں گے کہ آگے کون ہے اور پیچھے کون تو دونوں ہی ایک دوسرے کے آگے اور پیچھے دوڑتے نظر آئیں گے۔ اللہ نے کہا کہ بالکل ایسے ہی رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آ جا رہے ہیں اور یہ صرف اور صرف اسی صورت ممکن ہے کہ زمین گیند کی طرح گول ہو خلا میں معلق ہو اس کے ایک طرف اندھیرا اور دوسری طرف روشنی ہو ان کے درمیان زمین اپنے ہی محور پر گھوم رہی ہو جس سے بالکل ایسا ہی ہوگا کہ رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے ہیں۔

یوں اس آیت میں بھی اللہ نے بالکل صراحت کیساتھ یہ بات واضح کردی کہ زمین گیند کی طرح گول ہے اور اپنے ہی محور پر گھومنے سے رات دن کا اختلاف ہو رہا ہے۔

پھر اسی کو اللہ نے قرآن میں مزید ایک اور پہلو سے بھی واضح کر دیا۔

یُکَوِّرُ الَّیُلَ عَلَی النَّھَارِ وَیُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیُلِ. الزمر ۵

یہ آیت بھی چونکا دینے والی ہے۔ کور عربی میں کہتے ہیں کسی شیئے کو گھمانا جس وجہ سے دوسری شیئے اس پر چڑھ رہی ہو جس سے اس کا سرا قریب سے قریب آ رہا ہوں یا وہ قریب سے قریب آ رہی ہو اور یُکَوِّرُ کہتے ہیں کہ مسلسل اپنے ہی محور پر گھوم رہے ہونا جس سے اس پر کچھ چڑھ رہا ہو۔

اس آیت میں اللہ نے کہا خود ہی گھوم رہے ہیں رات اور دن یعنی زمین کا وہ حصہ جو اندھیرے میں ہے جس سے اس پر رات ہوتی ہے اور زمین کا وہ حصہ جو روشنی میں ہے جس سے اس پر دن ہوتا ہے زمین کے دونوں حصے ایسے گھوم رہے ہیں جیسے کسی شیئے کو اپنے ہی محور پر گھمائے جانے سے اس کا ایک رخ دوسری طرف جا رہا ہوتا ہے بالکل اسی طرح زمین گھوم رہی ہے جس سے زمین کا وہ حصہ جو اندھیرے میں ہوتا ہے اس پر دن چڑھ رہا ہے اور جو روشنی میں ہوتا ہے اس پر اندھیرا چڑھ رہا ہے یہ سلسلہ مسلسل چل رہا ہے۔

یہ بات آپ پہلے ہی جان چکے ہیں کہ قرآن نے بالکل واضح کر دیا کہ زمین گیند کی طرح گول ہے لیکن ایسے خلق کی کہ وہ سپاٹ خصوصیات کی حامل ہے، زمین کا نہ تو کوئی کونا ہے اور نہ ہی کوئی کنارہ اگر آپ چلتے ہو تو جدھر بھی رخ کر کے چلیں چلتے ہی جائیں گے کبھی کوئی کنارہ نہیں ملے گا کوئی کونا نہیں آئے گا کہ وہاں سے دائیں بائیں ہونا پڑے صرف اور صرف تسلسل ہی ملے گا یوں بھی قرآن نے واضح کر دیا کہ زمین گیند یعنی گولے کی طرح گول ہے زمین ایک گولہ ہے جو اپنے ہی محور پر گھوم رہا ہے جس سے اس پر رات اور دن چڑھ رہے ہیں۔

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ یہ ملا، پنڈت، پادری وغیرہ سمیت تمام کا تمام مذہبی طبقہ سچا ہے کہ زمین نہیں بلکہ سورج کے زمین کے گرد گھومنے سے رات اور دن ہو رہے ہیں یا اللہ کا کلام حق ہے یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل نہیں حقیقت ہر لحاظ سے آپ کے سامنے ہے۔ ویسے بھی آپ یہ جان چکے ہیں کہ اللہ نے کہا رات اور دن کا اختلاف اولی الباب کے لیے آیات ہیں نہ کہ ان کے لیے جو عقائد والے ہیں عقائد والے تو جو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اسی کو اصل اور مکمل حقیقت سمجھتے اور مانتے ہیں۔ ایک مقام پر اللہ نے رات اور دن کے اختلاف کو اولی الالباب کے لیے آیات قرار دیا یہ ان لوگوں کے لیے آیات ہیں جو اپنی آنکھوں کانوں کو ہر لمحے کھلا رکھنے والے ہیں اور دل سے غور کرنے والے ہیں جو کبھی بھی کسی نتیجے کو آخر اور کل سمجھ کر دماغ میں ڈال کر اس پر تالہ نہیں لگاتے بلکہ وہ دل و دماغ کے دروازے کھلے رکھتے ہیں ہر وقت غور و فکر کرتے ہیں اگر پہلے سامنے آنے والی بات میں کوئی کمی کجی یا نقص وغیرہ سامنے آتا ہے تو اس کی اصلاح کر لیتے ہیں اسی پر ڈٹے نہیں رہتے اور اگر پہلے والی بات، نتیجہ یا نظریہ غلط ثابت ہو جائے تو اسے دماغ سے نکال باہر کرتے ہیں اور ان کے برعکس ان کے لیے آیات نہیں ہیں جو کسی بھی بات کو، کسی نتیجے کو کل اور آخر سمجھتے ہوئے دماغ میں ڈال کر اس پر تالے لگا دیتے ہیں یعنی عقائد بنا لیتے ہیں جنہیں اہل العقائد کہا جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ نے دوسرے مقام سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۶۴ اور الجاثیہ کی آیت نمبر ۵ میں اختلاف الیل والنھار کا ذکر کرتے ہوئے کہا

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْن. البقرۃ ۱۶۴، الجاثیہ ۵

اللہ کی آیات ہیں ان لوگوں کے لیے جو خود سے غور و فکر کر کے سمجھ رہے ہیں جو عقل رکھ رہے ہیں یعنی جو سن اور دیکھ کر سوچ سمجھ رہے ہیں۔

یعنی ان کے لیے آیات ہیں جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کے لیے نہیں ہیں جو بیوقوف جاہل ہیں جن میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں جو بندر کی طرح عقل کی بجائے نقل سے کام لیتے ہیں جو غور و فکر کرنے کی بجائے اندھوں کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے پیچھے چل رہے ہیں جن کا کہنا ہے کہ وہ اسی پر ڈٹے رہیں گے جس پر انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔

جن میں عقل نہیں ہے جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے جو بیوقوف ہیں ان کے لیے آیات نہیں ہیں بلکہ وہ آیات کو بیّنات سمجھتے ہیں یعنی وہ ان میں غور کر کے چھپی ہوئی حقیقت جاننے کی بجائے جو آنکھوں سے نظر آ رہا ہے اسی کو اصل حقیقت سمجھتے ہوئے اسی کو اپنا عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔

پھر ایک اور مقام پر اللہ نے یوں کہا۔

لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ. یونس ٦

اللہ کی آیات ہیں ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے بچ رہے ہیں یعنی بچنے والوں کے لیے آیات ہیں نہ کہ ان کے لیے جو اللہ سے نہیں بچ رہے الٹا اللہ کیساتھ دشمنی کررہے ہیں یعنی آسمانوں وزمین میں، فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں۔

یہ ان کے لیے آیات ہیں جو دنیاوآخرت میں اللہ کے غضب سے عذاب الیم سے بچنا چاہتے ہیں تو وہ اللہ کی ان آیات میں غور وفکر کرتے ہیں اور حق کو پہچان کرنہ صرف اس پر عمل کرتے ہیں بلکہ یوں دنیاوآخرت میں بچنے والوں میں سے ہوجاتے ہیں۔ مگر جو دنیاوآخرت میں اللہ کے غضب سے بچنا نہیں چاہتے اور اس کے برعکس محض دنیا کی چھوٹی موٹی تکالیف وآزمائشوں سے بچنا چاہتے ہیں جس کے لیے ان کا مقصد دنیاوی مال ومتاع کا حصول ہوجن کو آخرت کے بارے میں رائی برابر بھی علم نہ ہونہ اس کا یقین تو وہ انہیں آیات تسلیم کر کے ان میں غور وفکر سے حقیقت جاننے کی بجائے آیات کو ہی اصل اور مکمل حقیقت سمجھتے ہوئے دنیاوآخرت میں خسارے کا سودا کرتے ہیں یوں نہ ان پر دنیا میں آنے کا مقصد واضح ہوتا ہے اور نہ اسے پورا کر پاتے ہیں الٹا جہالت کو حق کا نام دیکر ضلالٍ مبینٍ میں ہوتے ہیں اور اللہ کی آیات سے کذب کرتے ہیں اللہ کی آیات کو ان کے مقامات سے ہٹاتے ہیں ان میں چھیڑ چھاڑ کر کے دنیاوآخرت میں ذلت کا سودا کرتے ہیں۔

اب حقیقت آپ کے سامنے ہے فیصلہ آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ آیا آپ بچنے والوں میں سے ہونا چاہتے ہیں یا جو دنیاوآخرت میں ہلاکت کا شکار ہوں گے ان میں سے ہوتے ہیں۔ فیصلہ آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے آیا آپ عقل سے کام لیتے ہوئے سوچتے سمجھتے ہیں غور وفکر کرتے ہیں یا پھر بے عقل وبیوقوف جاہل ہونے کا ثبوت دیتے ہیں، آیا آپ اولی الالباب میں سے ہیں یا پھر اہل العقائد۔

فیصلہ آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے آیا آپ اپنی آنکھیں، کان، دل اور دماغ کھلے رکھتے ہیں اور اولی الالباب میں شمار ہوتے ہیں یا پھر بند اور بھٹ دماغ، جو آباؤاجداد سے نسل درنسل منتقل ہوا انہی عقائد کے حامل اللہ کے قانون میں شر الدواب ثابت ہوتے ہیں بندر وخنزیر ثابت ہوتے ہیں، اللہ کے قانون میں اندھے، بہرے، گونگے، الاموات اور قبروں میں شمار ہوتے ہیں یہ فیصلہ آپ کے اپنے اختیار میں ہے۔

بڑھتے ہیں آگے اور ان کے سورج، چاند، زمین، رات اور دن کے حوالے سے باقی نظریات کو بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور اللہ نے قرآن میں اس کے برعکس کیا کہا وہ بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ زمین کا ایک ہی مشرق ہے اور ایک ہی مغرب یعنی جب سورج طلوع ہوتا ہے تو پوری دنیا کے لوگوں پر بیک وقت طلوع ہوتا ہے یوں پوری دنیا کے لوگوں کے لیے ایک ہی مشرق ثابت ہوتا ہے اور پھر پوری دنیا کے لوگوں پر ایک ہی وقت میں غروب ہوتا ہے یوں ایک ہی مغرب بنتا ہے۔ ایک ہی مشرق ہے اور ایک ہی مغرب۔

لیکن قرآن میں اللہ نے اس بارے میں کیا کہا یہ بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

رَبُّ الۡمَشۡرِقَیۡنِ وَرَبُّ الۡمَغۡرِبَیۡنِ. الرحمٰن ۱۷

ربّ ہے دو مخصوص مشرق اور ربّ ہے دو مخصوص مغرب۔

مشرقین اور مغربین۔ اللہ نے بالکل کھول کر واضح اور دوٹوک الفاظ میں کہا کہ ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب نہیں ہے بلکہ دو مشرق ہیں اور دو ہی مغرب۔

غور کریں ان کے عقیدے کے مطابق تو سورج ایک ہی مخصوص مقام سے طلوع ہوتا ہے اور ایک ہی مخصوص مقام پر جا کر ڈوب جاتا ہے یعنی ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب ہے لیکن اللہ نے ان کے اس عقیدے کا رد کرتے ہوئے کہا کہ ایک نہیں بلکہ دو مشرق اور دو مغرب ہیں۔

جب قرآن میں اللہ نے دو مشرق اور دو مغرب کہا تو قرآن پر ایمان لانے کے دعویداروں کی اکثریت نے مشرقین اور مغربین کی طرح طرح کی تاویلات کیں لیکن اس کے باوجود اپنے مقاصد میں ناکام رہے کوئی ایک بھی اس کا جواب نہ دے سکا۔ کیونکہ قرآن نہ صرف مشرقین اور مغربین یعنی دو مشرق اور دو مغرب کی بات کرتا ہے بلکہ قرآن مشارق ومغارب بہت سی لاتعداد مشرق اور بہت سی لاتعداد مغرب کی بات بھی کرتا ہے جیسے کہ آپ ان آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا. الاعراف ۱۳۷

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ. الصافات ۵

بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ. المعارج ۴۰

آپ نے دیکھا قرآن میں تین مقامات پر لفظ مشارق اور دو مقامات پر لفظ مغارب کا استعمال ہوا۔ قرآن میں مشارق کا لفظ تین بار استعمال ہونا یہ انتہائی حکمت سے لبریز ہے مشارق کا لفظ دو کی بجائے تین بار صرف اور صرف اسی صورت میں استعمال ہوسکتا ہے کہ سورج زمین کے وجود میں آنے کے بعد وجود میں آیا جس سے مشارق ہوئے پھر مغارب جو مشارق بھی ہوئے اور مشارق جو مغارب بھی ہوئے یوں تین بار لفظ مشارق بنے گا اور دو بار لفظ مغارب۔

یوں قرآن میں اللہ نے یہ عظیم راز بھی کھول کر رکھ دیا کہ زمین پہلے وجود میں آئی بعد میں سورج وجود میں آیا۔

اب ایسے لوگوں نے جب مشرقین اور مغربین کی تاویلات کرنے کی کوشش کی تو مشارق و مغارب سے ان کی تاویلات کا تصادم ہوا، مشارق و مغارب کی ایسی کوئی تاویل کرنے میں ناکام رہے کہ جس میں مشرقین اور مغربین کا بھی احاطہ ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب بنیاد ہی غلط ہو تو پھر حق کیسے سمجھ آسکتا ہے ان لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ یہ قرآن سے حق کو نہیں سمجھنا چاہتے بلکہ یہ اپنے آباؤاجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد کی تائید و تصدیق میں قرآن کھولتے ہیں جب قرآن تصدیق کی بجائے اس کی تردید کرتا ہے تو یہ لوگ قرآن سے حق حاصل کرنے کی بجائے الٹا اپنے عقائد و نظریات کو قرآن پر چسپاں کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں اور آج تک یہی کر رہے ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ دیکھو سورج جہاں سے گرمیوں میں طلوع ہوتا ہے وہاں سے سردیوں میں طلوع نہیں ہوتا سردیوں اور گرمیوں میں طلوع و غروب کے الگ الگ مقامات ہیں یوں اس طرح دو مشرق اور دو مغرب ہیں اللہ نے قرآن میں ان دو مشرق اور دو مغرب کی بات کی۔ کچھ نے اس نظریے کو ایک دوسرے پہلو سے بیان کیا کہ دیکھو ایک مشرق جہاں سورج طلوع ہو رہا ہے اور ایک مغرب جہاں سے سورج غروب ہو رہا ہے اب پیچھے شمال اور جنوب رہ جاتا ہے تو ایک مشرق شمال کو کہا اور ایک مغرب جنوب کو کہا یوں مشرق اور شمال دو مشرقیں اور مغرب اور جنوب دو مغربیں۔

لیکن قرآن ان کے ایسے بے ہودہ دلائل کو اس وقت جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور ان کو منہ کی کھانی پڑتی ہے جب قرآن مشرق اور مغرب یعنی ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب کا ذکر کرتا ہے۔ قرآن ایک ہی مشرق اور مغرب کو مشرقین اور مغربین یعنی دو مشرقیں اور دو مغربیں قرار دیتا ہے اور پھر اسی ایک ہی مشرق اور مغرب کو مشارق و مغارب یعنی بہت سی مشرقیں اور بہت سی مغربیں قرار دیتا ہے۔

یوں جس طرح یہ لوگ دو مشرقیں اور دو مغربیں بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو اپنے ہی عقیدے ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب کا رد کر رہے ہوتے ہیں اور پھر جب یہ ایک کی بجائے دو مشرقیں اور دو مغربیں بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو اسے بیک وقت ایک مشرق اور ایک ہی مغرب ثابت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جب آپ نے دو الگ الگ مقامات بنا دئے تو پھر دو الگ الگ مقامات کو ایک کیسے کہا جاسکتا ہے؟

قرآن ایک ہی مشرق و مغرب کو دو مشرقیں دو مغربیں پھر اسی ایک ہی مشرق و مغرب کو مشارق و مغارب کہتا ہے یعنی بہت سے مشرق اور بہت سی مغرب۔ اس کی حقیقت کیا ہے اسے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

آپ پیچھے جان چکے ہیں کہ اللہ نے بالکل واضح کر دیا کہ زمین گیند کی طرح گول ہے اور آپ یہ بھی جان چکے کہ رات اور دن کیسے آ جا رہے ہیں رات اور دن سورج کے زمین کے گرد گھومنے کی وجہ سے نہیں بلکہ زمین کے اپنے ہی محور پر سورج پر گھومنے کی وجہ سے آ جا رہے ہیں۔

قرآن میں اللہ نے بالکل واضح کر دیا کہ لیل تھی روشنی بعد میں آئی ہے۔ ایک طرف اندھیرا ہے اور دوسری طرف سورج کی روشنی دونوں کے درمیان گیند کی طرح گول زمین خلا میں معلق ہے اور رات اور دن کے اختلاف کے لیے اپنے ہی محور پر گھوم رہی ہے۔ نہ تو روشنی آگے پیچھے ہو رہی ہے اور نہ ہی اندھیرا آگے پیچھے ہو رہا ہے یوں روشنی اور اندھیرے کے درمیان ایک لائن لگا لیں۔ اب آدھی زمین پر رات ہے اور آدھی زمین پر دن۔ ایک مقام ہے جو اندھیرے اور روشنی کی حد ہے یہ حد ایک طرف کے لوگوں کے لیے طلوع تو عین یہی مقام دوسری طرف کے لوگوں کے لیے غروب یوں یہ ہو گیا ایک مشرق اور ایک مغرب اب جب زمین گھوم کر اس کا مشرق والا حصہ دوسری طرف جاتا ہے تو مغرب یعنی سورج ڈوبتا نظر آتا ہے لیکن دوسری طرف والوں پر وہ عین اسی مقام سے طلوع ہوتا

نظر آتا ہے یوں ایک مشرق اور ایک مغرب یہ ہو گئے۔ ایک ہی مقام مشرق اور مغرب یہی مقام دو مشرقین اور دو مغربین بن گیا اور زمین کے گھومنے سے زمین کا ایک ایک انچ جب اس مقام سے گزر رہا ہے تو پھر ہر لمحے طلوع اور ہر لمحے غروب بھی ہو رہا ہے یوں یہی ایک مقام مشارق بہت سی مشرق اور یہی مقام مغارب بہت سی مغرب بن جاتا ہے جیسا کہ تصویر سے بھی آپ اسے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

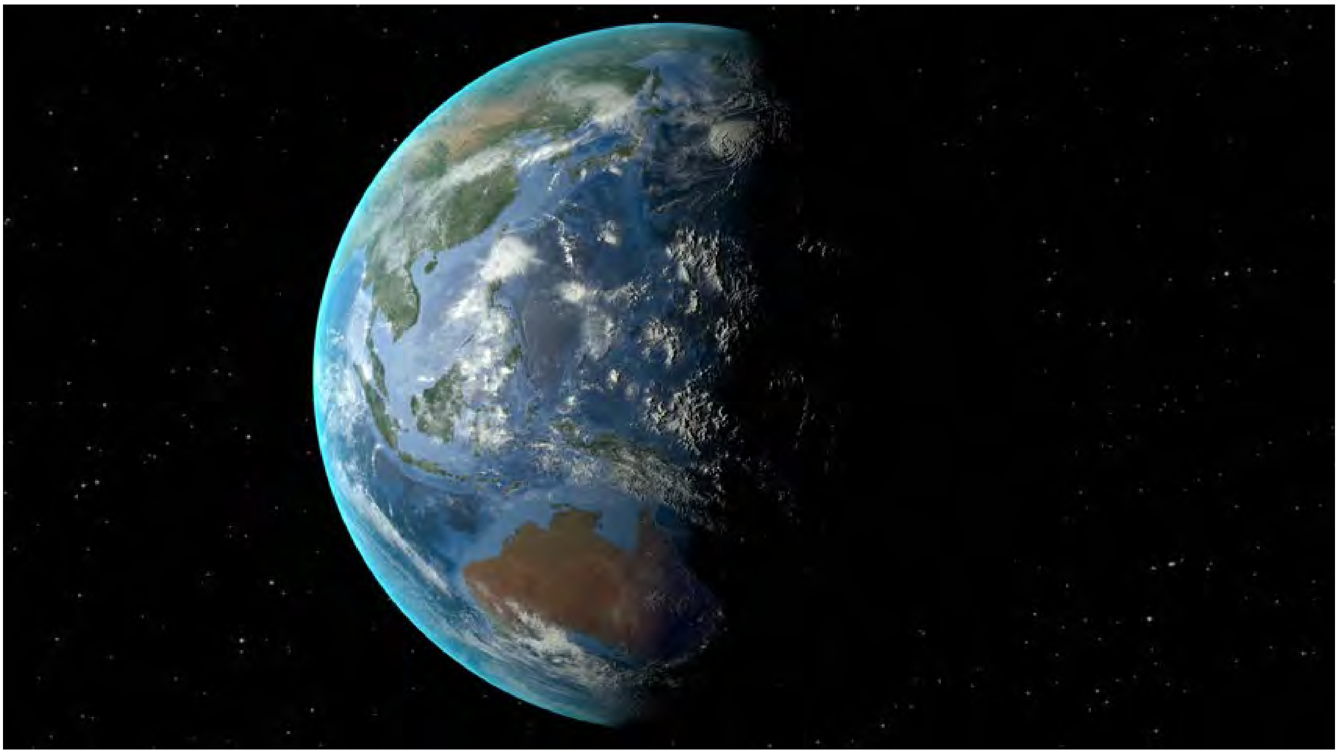

یہ دہلا دینے والے حقائق آج آپ کے سامنے ہیں اب ذرا غور کریں اگر آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد کو قرآن پر چسپاں کرنے کی بجائے قرآن کی صحیح ترجمانی کی ہوتی تو یہ ایک ایسا طوفان اٹھتا کہ دنیا میں کوئی بھی انسان ایسا نہ ہوتا جو قرآن کے قریب آئے بغیر رہتا اور دنیا اور آخرت میں فلاح نہ پاتا اور یوں دنیا کے آج جو حالات ہیں یہ حالات نہ ہوتے۔ اب آپ خود غور کریں اور بتائیں کہ قرآن کے مجرم کون ہیں؟ وہ کون لوگ ہیں جو قرآن کے ترجمان بنے ہوئے ہیں لیکن اس کے اہل نہ تھے؟ جنہوں نے صحیح ترجمانی کرنے کی بجائے اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے خود ساختہ، بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو قرآن پر تھونپا، قرآن کو اپنے من پسند تراجم و تفاسیر کی صورت میں بگاڑنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ علماء کے نام پر اللہ کے دشمنوں کی حقیقت آپ کے سامنے ہے جنہیں نہ تو لفظ دین کا علم ہے اور نہ ہی لفظ اسلام کا علم ہے اور زمین پر اللہ کے ترجمان بن کر انسانیت کی راہنمائی کے دعویدار بن کر مسندوں پر براجمان ہیں اور انسانیت کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے۔

یہی اس وقت محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ سورج جہاں غروب ہو رہا ہے وہیں سے طلوع ہو رہا ہے کیونکہ ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب نہیں ہے بلکہ دو مشرقین اور دو مغربین ہیں جو آپ کے لیے مغرب ہے تو وہی مقام زمین کے دوسری طرف والوں کے لیے مشرق یوں جہاں وہ آپ کے نزدیک غروب ہو رہا ہوتا ہے تو وہیں سے وہ دوسری طرف والوں کے لیے طلوع ہو رہا ہوتا ہے جہاں ان پر غروب ہو رہا ہوتا ہے تو اس طرف آپ پر طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ یوں دونوں اطراف کے انسانوں کے نزدیک جہاں سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے وہیں سے وہ دوسری طرف والوں کے لیے طلوع ہو رہا ہوتا یہی وہ راز تھا جس کے بارے میں محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ یہ الساعت کی پہلی آیات سے ہے۔ محمد علیہ السلام کے وقت کسی کو علم نہ تھا اس حقیقت کا سوائے اللہ کے رسول اور ان کے چند حواریوں کے۔

بڑھتے ہیں آگے اور زمین، سورج، چاند، رات اور دن کے اختلاف کے حوالے سے ان کے مزید عقائد اور ان کی حقیقت آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ کا عرش آسمانوں میں ہے اور اللہ آسمانوں میں اپنے عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ عرش سے مراد تخت لیتے ہیں جیسے کسی بادشاہ کا تخت ہوتا ہے جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے یعنی تخت ایک مادی شئے ہے یوں تخت اگر مادی شئے ہے تو ظاہر ہے ان کے مطابق اللہ بھی اس تخت پر بیٹھا ہوا آسمانوں و زمین سے الگ ایک مادی شئے ہے جو آسمانوں و زمین سے الگ ہے پھر یہاں تک کہتے ہیں کہ اللہ ہر رات پچھلے پہر ایسے نیچے اتر کر پہلے آسمان پر آتا ہے جیسے آپ سیڑھیاں اترتے

چڑھتے ہیں۔ یعنی ہر رات اللہ زمین کے پہلے آسمان پر آتا ہے جو کہ سطح زمین سے لیکر تین تا ۱۲ کلومیٹر تک بلند ہے جس کا مطلب اللہ ہر رات تین تا بارہ کلومیٹر کی بلندی پر آتا ہے۔ اور آپ کو یہ اکثر سننے کو ملے گا با قاعدہ یہ کہا جاتا ہے کہ جو اللہ کے عرش کو آسمانوں میں تسلیم نہ کرے جو اللہ کو آسمانوں میں اپنے عرش کے اوپر تسلیم نہ کرے وہ مرتد، زندیق کافر و مشرک ہے اس کا قتل جائز ہے۔ اب اگر ان کے یہ عقائد و نظریات سچے ہیں تو پھر قرآن کو اس پر خاموش رہنا چاہیے تھا کیونکہ یہ عقائد تو قرآن کے نزول سے پہلے کے چلے آ رہے ہیں یہ عقائد تو مشرکین عرب سمیت یہودیوں اور عیسائیوں کے تھے اور آج بھی یہودیوں اور عیسائیوں کے یہی عقائد ہیں اگر یہ سچے تھے تو قرآن کو ہر لحاظ سے اس موضوع پر خاموش رہنا چاہیے تھا اور اگر قرآن اس پر خاموش نہیں رہتا تو اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ قرآن ان کے ان باطل عقائد کو جڑ سے اکھاڑ پھینک رہا ہے اور حق کھول کھول کر واضح کر رہا ہے۔

اب اسی کو دیکھیں کہ قرآن میں اللہ کا اس بارے میں قول کیا ہے؟

**وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ.** هود ۷

اور جو کچھ موجود ہے اور اور کرتے جاؤ یہاں تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہ چلا جائے جب اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ بن جائے تو جو ذات سامنے آئے گی وہی ذات ہے خلق کیا آسمانوں اور زمین کو چھ مراحل میں اور قانون میں طے کر دیا گیا اس وجود کا عرش پانی پر یعنی زمین پر جو نظام چل رہا ہے وہ پانی پر چل رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عرش آسمانوں میں ہے جو کہ ایک تخت ہے اور ان کے برعکس اللہ کا کہنا ہے کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا اور پانی پر ہے۔ دونوں بالکل متضاد باتیں ہے حقیقت آپ کے سامنے ہے۔

عرش کہتے ہیں جو نظام وضع کر دیا اسے چلانے کو۔ آپ جب غور کریں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ زمین کا نظام پانی پر چل رہا ہے پانی زمین پر چلنے والے نظام میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اللہ کا عرش پانی پر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ زمین پر جو نظام وضع کر کے چلا رہا ہے اس کی بنیاد پانی پر ہے یہ سارا نظام پانی پر چل رہا ہے۔

اور پھر ان کا کہنا ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین سے الگ آسمانوں میں ہے اب دیکھیں کہ اس بارے میں اللہ کا کیا کہنا ہے۔

**وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ.** الحدید ۴

اور جو کچھ موجود ہے اور اور کرتے جاؤ یہاں تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہ چلا جائے جب اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ بن جائے تو جو ذات سامنے آئے گی وہی ذات ہے تمہارے ساتھ تم جہاں کہیں بھی ہو۔ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو تو دیکھو وہاں کون ہے جس کا وجود نظر آئے تو وہ اللہ ہی کا وجود نظر آئے گا اور اسی کو اللہ نے قرآن میں ایک اور پہلو سے بھی بالکل کھول کر واضح کر دیا۔

**هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ.** الحدید ۳

اور جو کچھ موجود ہے اور اور کرتے جاؤ یہاں تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہ چلا جائے جب اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ بن جائے تو جو ذات سامنے آئے گی وہی ذات ہے، یہی وجود یہی ذات الاول ہے اور الآخر ہے اور الظاہر ہے اور الباطن ہے۔

غور کریں الاول کس کا؟ اور الآخر کس کا؟ اور الظاہر کیا ہے؟ یعنی کیا ہے جو کھلم کھلا نظر آ رہا ہے اور الباطن کیا ہے؟ وہ کیا ہے جو کھلم کھلا نظر نہیں آ رہا بلکہ ایک دوسرے میں یا ایک دوسرے کے پیچھے چھپا ہے جو باطن ہے اس آیت میں بالکل واضح کر دیا گیا یہ اللہ ہے۔

ان آیات میں اللہ نے ان کے اس عقیدے کو بھی بنیاد سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ یہاں یہ بات بھی واضح کرنا بہت ضروری ہے کہ اللہ کا موضوع ایک وسیع موضوع ہے جس پر الگ سے آگے چل کر تفصیل کیساتھ بات آئے گی ہر پہلو سے بات کی جائے گی اور ہر سوال کا جواب دیا جائے گا اللہ کیا ہے اللہ پر کوئی سوال سوال نہیں رہے گا فی الحال بڑھتے ہیں آگے اپنے موضوع پر۔

آپ نے خود دیکھا اللہ نے قرآن میں کس قدر کھول کھول کر حق واضح کر دیا۔

محمد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے مشرکین عرب سمیت یہودیوں اور عیسائیوں سب کا متفقہ عقیدہ تھا کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر ہے اگر یہ حق ہوتا تو قرآن کو اس پر بالکل خاموش رہنا چاہیے تھا لیکن کیا قرآن اس پر خاموش رہا؟ حقیقت آپ کے سامنے ہے قرآن خاموش نہیں

رہا بلکہ اللہ نے تو قرآن میں ان کے اس عقیدے کو یکسر مسترد کرتے ہوئے اس کے بالکل برعکس حق کھول کر واضح کر دیا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو تو دیکھو وہاں کون ہے؟ جو تمہیں نظر آئے گا وہ اللہ ہی تو ہے تمہیں اللہ ہی کا وجود نظر آئے گا اللہ ہی کی ذات نظر آئے گی۔

ان کا عقیدہ تھا اور ہے کہ اللہ کا عرش آسمانوں پر ہے لیکن اللہ نے قرآن میں ان کے اس عقیدے کو یکسر مسترد کرتے ہوئے حق بالکل کھول کر رکھ دیا کہ اللہ کا عرش پانی پر ہے۔ عرش کہتے ہیں نظام چلانے کو اور جب آپ غور کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ زمین پر چلنے والے نظام کی بنیاد پانی پر ہے زمین کا نظام پانی پر کھڑا ہے پانی پر چل رہا ہے اگر پانی کو ہٹا دیا جائے تو زمین ایک بنجر اور کھنڈر سیارہ بن جائے گا۔

پھر ان کا عقیدہ ہے کہ زمین حرکت نہیں کر رہی زمین ایک جگہ پر ساکت ہے اور سورج، چاند، ستارے وغیرہ سب کے سب زمین کے گرد گھوم رہے ہیں۔ اب دیکھیں اس بارے میں اللہ نے قرآن میں کیا کہا۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی. الرعد ۲

اللہ ہے وہی ذات ہے بلند کیا آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے دیکھ رہے ہو آسمانوں کو؟ ہمیں دیکھ رہے ہو، پھر استویٰ ہوا عرش پر اور سخر کیا سورج اور چاند کو تمام کے تمام تیر رہے ہیں اجل مسمیٰ تک یعنی ان کی ایک مدت طے کر دی ان سب کے خاتمے کا ایک وقت طے کر دیا جب تک کہ وہ وقت نہیں آجاتا تب تک تمام کے تمام اسی طرح تیرتے رہیں گے۔

اب غور کریں تمام کے تمام کے تیرنے کا ذکر کیا گیا اور بطور مثال صرف دو کا نام لیا۔ اب اگر دونوں ستارے ہیں تو اس کا مطلب کہ تمام کے تمام ستارے تیر رہے ہیں اور اگر دونوں ستارے نہیں ہیں تو اس کا مطلب جو یہ دونوں ہیں اسطرح کے تمام کے تمام تیر رہے ہیں۔

پہلے سورج کا ذکر ہے اور سب جانتے ہیں کہ سورج جلتا ہوا آگ کا گولہ ہے یعنی ستارہ ہے اور چاند جلتا ہوا گولہ نہیں ہے بلکہ چاند مادے کا گولہ ہے جسے سیارہ کہتے ہیں یوں اللہ نے ایک ستارے اور سیارے کا ذکر کرتے ہوئے تمام کے تمام ستاروں و سیاروں کے اجل مسمیٰ تک تیرنے کا واضح الفاظ میں ذکر کر دیا۔ اب اگر تو زمین نہ ستارہ ہے نہ سیارہ تو پھر اس آیت میں زمین کے تیرنے کا ذکر نہیں ہے اور اگر زمین ان میں سے ایک ہے تو پھر یہ بات بالکل واضح ہے کہ زمین بھی اپنے مدار میں انتہائی تیز رفتاری میں سفر کر رہی ہے اپنی اجل مسمیٰ تک جب تک کہ زمین کے خاتمے کا وقت نہیں آجاتا۔

اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ زمین آگ کا گولہ یعنی ستارہ نہیں ہے بلکہ زمین مادے کا گولہ ہے زمین ایک سیارہ ہے جب زمین سیارہ ہے تو پھر قرآن میں اللہ نے زمین کے اپنے مدار میں تیرنے کا بھی راز کھول کر سامنے رکھ دیا۔

اسی طرح اگلی آیت میں دیکھیں۔

وَھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ وَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ. الانبیاء ۳۳

اور جو کچھ موجود ہے اور اور کرتے جاؤ یہاں تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہ چلا جائے جب اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ بن جائے تو جو ذات سامنے آئے گی وہی ذات ہے خلق کیا لیل کو اور نہار کو اور سورج کو اور چاند کو تمام کے تمام انتہائی تیز رفتاری سے اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں جیسے ان کو حکم دیا گیا ہے جس سے ان پر عائد ذمہ داری پوری ہو رہی ہے۔

یہ آیت اور بھی بہت بڑا راز کھول کر رکھ دیتی ہے آپ پیچھے جان چکے ہیں کہ لیل اور نہار یعنی رات اور دن کیسے ہو رہے ہیں۔ لیل اور نہار کا آنا جانا زمین کا اپنے ہی محور پر گھومنا پھر لیل آدھی زمین اور نہار آدھی زمین یوں یہ پوری زمین بن جاتی ہے لیل اور نہار کی صورت میں پوری زمین کا ذکر کیا گیا اس کے فوری بعد سورج اور چاند کا ذکر کیا گیا پھر کہا گیا کہ تمام کے تمام اپنے اپنے مدار میں انتہائی تیز رفتاری سے تیر رہے ہیں۔ یعنی نہ صرف زمین اپنے ہی محور پر گھوم رہی ہے جس سے رات اور دن ہو رہے ہیں بلکہ زمین بھی سورج اور چاند کی طرح اپنے مدار میں انتہائی تیز رفتاری سے تیر رہی ہے اور ایسی کئی آیات ہیں قرآن میں جن میں اللہ نے سورج چاند سمیت تمام کے تمام ستاروں اور سیاروں کے ساتھ زمین کے بھی اپنے مدار میں تیرنے کا ذکر کیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیت میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى. لقمان ۲۹

کیا نہیں دیکھا اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا یولج ہو رہی ہے لیل نہار میں اور یولج ہو رہی ہے نہار لیل میں اور سخر کیا سورج اور چاند کو تمام کے تمام اپنی اجل مسمیٰ یعنی طے شدہ خاتمے کے وقت تک تیر رہے ہیں تیرتے رہیں گے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ کیا ہے؟ یہ بات پیچھے بہت صراحت کیساتھ بیان ہو چکی يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ زمین اپنے ہی محور پر گھوم رہی ہے جس سے زمین کا وہ حصہ جو اندھیرے میں تھا وہ روشنی میں چلا جا رہا ہے یوں اس پر دن ہو جاتا ہے اور جو حصہ روشنی میں ہے وہ اندھیرے میں جا رہا ہے جس سے اس پر رات ہو رہی ہے اور یہ سلسلہ مسلسل چل رہا ہے یوں یہ بات طے ہو گئی کہ زمین اپنے ہی محور پر گھوم رہی ہے۔ لیل آدھی زمین اور نہار آدھی زمین یوں یہ پوری زمین ارض بن جاتی ہے آگے اللہ نے سورج اور چاند سمیت تمام کے تمام کے تیرنے کا ذکر کر دیا یعنی زمین، سورج اور چاند سمیت تمام کے تمام ستارے وسیارے اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں اور اسی طرح تیرتے رہیں گے جب تک کہ ان کے خاتمے کا جو وقت طے کیا گیا وہ نہیں آ جاتا۔

آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا کہ اللہ نے نہ صرف زمین کا اپنے ہی محور پر گھومنے کا راز کھول دیا بلکہ زمین، سورج، چاند سمیت تمام کے تمام ستارے وسیارے اپنے اپنے مدار میں بھی تیر رہے ہیں۔ تمام کے تمام ستارے وسیارے نہ صرف اپنے ہی محور پر بھی گھوم رہے ہیں جیسے زمین گھوم رہی ہے بلکہ وہ اپنے اپنے مدار میں بھی ہر لحاظ سے گولائی میں آگے کو تیر رہے ہیں اور اس وقت تک یہی سلسلہ چلتا رہے گا جب تک کہ ان کی جو اجل مسمیٰ خلق کر دی گئی وہ نہیں آ جاتی یعنی ان کی موت کا وقت ان کے خاتمے کا وقت۔ یوں نہ صرف اللہ نے اس قرآن میں چودہ صدیاں قبل عظیم تر رازوں سے پردہ اٹھا دیا تھا جب کوئی انسان ان باتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا بلکہ اللہ نے اس وقت کے یہودیوں اور عیسائیوں یا مشرکین عرب یا پھر موجودہ وہ لوگ جو ان کی مثل ہیں ان سب کے جھوٹے بے بنیاد و باطل عقائد کو چاک کر کے رکھ دیا۔

آپ خود غور کریں اگر زمین ساکت ہوتی، سورج چاند سمیت باقی ستارے وسیارے زمین کے گرد گھوم رہے ہوتے تو ان کی رفتار میں فرق ہونے کی وجہ سے بالکل واضح نظر آنا چاہیے تھا لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ ایسے نظر آتا ہے جیسے سب کے سب ایک وجود کی طرح سفر کر رہے ہیں بالکل ایسے ہی جیسے آپ گاڑی میں سفر کر رہے ہوتے ہیں تو درخت، گھر، جانور وغیرہ سمیت سب کا سب ہی پیچھے کو سفر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ تو کیا وہ سب سفر کرتے ہوئے پیچھے جا رہا ہوتا ہے؟ یا پھر وہ سب کے سب تو اپنا اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں اپنے اپنے سرکل میں ہوتے ہیں مگر آپ جس پر سوار ہوتے ہیں وہ شئے سفر کر رہی ہوتی ہے جس سے وہ سب کے سب آپ کو سفر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یوں اس پہلو سے بھی حقیقت آپ کے سامنے ہے۔

پھر ان کا عقیدہ تھا کہ چاند کی اپنی روشنی ہے لیکن دیکھیں اس بارے میں اللہ نے قرآن میں کیا کہا۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا. یونس ۵

جو کچھ موجود ہے اور اور کرتے جاؤ یہاں تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہ چلا جائے جب اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ بن جائے تو جو ذات سامنے آئے گی وہی ذات ہے کر دیا سورج کو جلتا ہوا حرارت والی روشنی دینے والا اور چاند کو اس حرارت والی روشنی کو نور یعنی انرجی میں بدلنے والا۔

یعنی سورج جلتا چراغ ہے سورج کی روشنی میں حرارت ہے گرمی ہے لیکن چاند ایسا نہیں ہے چاند کی روشنی ٹھنڈی ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ روشنی چاند کی اپنی نہیں ہے بلکہ وہ سورج سے لیکر منعکس کر رہا ہے اور اسی کا اللہ نے کئی مقامات پر واضح الفاظ میں بھی ذکر کیا۔

وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا. الفرقان ۶۱

اور کر دیا آسمان میں سراج یعنی سورج روشنی دینے والا اور چاند اس کی روشنی لیکر منعکس کرنے والا یعنی چاند کو ریفلیکٹر بنا دیا اور ایسا ریفلیکٹر کہ سورج سے گرم روشنی لیکر آگے سے نور بنا کر یعنی ٹھنڈی روشنی جو کہ انرجی ہے بنا کر بھیجتا ہے۔

اسی طرح اگلی آیت میں دیکھیں۔

وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا. نوح ١٦

اور کر دیا چاند کو ان میں نور اور سورج کو روشنی دینے والا چراغ۔

ان آیات میں اللہ نے ان کے اس عقیدے کو بھی پاش پاش کر دیا کہ چاند کی اپنی روشنی ہے۔

اب حیران کن اور چونکا دینے والی بات تو یہ ہے کہ قرآن میں اللہ کی طرف سے مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کے اس باطل عقیدے کو پاش پاش کر دینے سے اور حق بالکل کھول کھول کر رکھ دینے سے چاہیے تو یہ تھا کہ اپنے آباؤ اجداد کے ان بے بنیاد و باطل عقائد کو ترک کر دیا جاتا لیکن آج یہودیوں اور عیسائیوں سمیت خود کو امت مسلمہ کہلوانے والوں نے الٹا قرآن کی طرف سے کھولے جانے والے حقائق پر اعتراضات داغنا شروع کر دیئے۔ حق اس قدر کھول دیئے جانے کے باوجود حق سے اختلاف کرنا شروع کر دیا، مذہبی طبقے کی اکثریت بالخصوص عرب دنیا کے سلفی مکتبہ فکر کے علماء کے نام پر جہلاء نے اور برصغیر کی نامور شخصیات جن میں سرفہرست بریلوی فرقے کے بانی احمد رضا خان بریلوی نے انتہائی مضحکہ خیز اعتراضات اٹھائے۔ ان علماء کے نام پر جہلاء میں سعودی عرب کے ملاّں اس معاملے میں سب سے آگے آگے ہیں۔

اور قرآن میں اللہ کی طرف سے حق بالکل کھول کھول کر واضح کیے جانے کے باوجود نہ صرف ان لوگوں نے حق تسلیم کرنے کی بجائے اختلاف ہی کیا بلکہ الٹا قرآن پر ہی اعتراضات داغ دیئے۔ اب نہ صرف جو ان لوگوں نے اعتراضات اٹھائے انہیں بلکہ ان اعتراضات کی حقیقت بھی چاک کر کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

پیچھے آپ نے جان لیا کہ اللہ نے قرآن میں مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں سمیت مسلمانوں کے سورج، چاند، زمین، رات اور دن کے حوالے سے عقائد و نظریات کا رد کرتے ہوئے حقائق کو کھول کھول کر واضح کر دیا۔ حق کو اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود خود کو مسلمان کہلوانے والوں کی اکثریت بھی انہی عقائد و نظریات کی حامل ہے جو عقائد و نظریات قرآن کے نزول سے قبل یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین عرب کے تھے۔ اللہ کی طرف سے قرآن میں ان عظیم رازوں پر سے پردہ اٹھائے جانے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کو ترک کر دیتے اور حق کو تسلیم کر لیتے لیکن انہوں نے الٹا قرآن پر اعتراضات داغنا شروع کر دیئے۔ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد کے دفاع میں قرآن پر اعتراضات اٹھا رہے ہیں اس کے لیے انہوں نے قرآن کی جگہ سائنس کا نام استعمال کیا کہ سائنس ایسے کہتی ہے اور ہم سائنس پر اعتراضات اٹھا رہے ہیں حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سائنس تو آج ان رازوں سے پردہ اٹھا رہی ہے قرآن نے تو آج سے چودہ صدیاں قبل ان حقائق سے پردہ اٹھا دیا تھا تب سے لیکر آج تک یہ قرآن کی بات کا رد کرتے رہے لیکن آج جب ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے سائنس کے نام پر انہی حقائق کو ان کے بالکل سامنے لا رکھا گیا تو رد آج بھی یہ قرآن کا ہی کر رہے ہیں، کفر قرآن کا ہی کر رہے ہیں، اعتراضات آج بھی قرآن پر ہی اٹھا رہے ہیں سائنس تو محض آج ایک بہانہ ان کے ہاتھ آ گیا۔ اب ان کی بدبختی یہ ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد بھی آپس کی ضد حسد بغض اور دشمنی کی وجہ سے اختلاف ہی کریں گے اعتراضات ہی اٹھائیں گے تو اللہ نے ان کے اٹھائے جانے والے اعتراضات کے پہلے ہی قرآن میں جوابات بھی دے دیئے تھے۔ تو اب بات کریں گے ان کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات اور اللہ کی طرف سے قرآن میں ان کے اعتراضات کے جوابات پر۔

ان کا کہنا ہے کہ اگر زمین گیند کی طرح گول ہے تو اس پر ہر شئے ٹھہرے کیوں ہوئی ہے اشیاء کو تو سرک سرک کر نیچے گرنا چاہیے کوئی شئے نہیں ہل رہی اس کا مطلب ہے کہ زمین گول نہیں بلکہ چپٹی ہے۔

پھر دوسرا اعتراض کہ زمین اگر اپنے ہی محور پر اور سورج چاند سمیت تمام ستاروں و سیاروں کیساتھ اپنے مدار میں اتنی تیز رفتاری سے سفر کرتی ہوئی آگے اپنی اجل مسمیٰ کی طرف بڑھ رہی ہے تو کوئی شئے ہلتی کیوں نہیں؟ کسی شئے کا نہ ہلنا یہ ثابت کرتا ہے کہ زمین حرکت نہیں کر رہی۔

پھر تیسرا اعتراض اگر زمین گول ہے اور اتنی تیز رفتاری سے حرکت کر رہی ہے تو پھر مثال کے طور پر آپ نے جاپان جانا ہے تو آپ کو جہاز اڑا کر آگے لے جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جہاز کو تھوڑا اوپر ہوا میں بلند کرو کچھ ہی دیر میں زمین گھوم کر جاپان آ جائے تو نیچے اتار لو اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین حرکت نہیں کر رہی بلکہ ساکت ہے اسی وجہ سے تو اگر آپ جہاز ہوا میں بلند کرتے ہیں تو واپس نیچے اتارنے پر وہیں اترے گا جہاں سے اوپر کیا تھا۔

پھر چوتھا اعتراض کہ جب جہاز اڑتا ہے اور چالیس ہزار فٹ کی بلندی پر جا کر سفر کرتا ہے اور بالکل سیدھے سفر کرتا ہے تو زمین اگر گول ہوتی تو جیسے جیسے جہاز آگے بڑھے تو جہاز کا زمین سے فاصلہ بڑھتے جانا چاہیے یوں جہاز کو خلا میں چلے جانا چاہیے لیکن جہاز دس بارہ گھنٹے مسلسل پرواز کرتا ہے تو چالیس ہزار فٹ پر ہی رہتا ہے ایسا اس لیے ہی ہوسکتا ہے کیونکہ زمین گول نہیں بلکہ چپٹی ہے۔

ہم نے ان کے چار اعتراضات آپ کے سامنے رکھے پہلے ان چاروں اعتراضات کے جوابات آپ کے سامنے رکھیں گے اس کے بعد اگلے اعتراضات پر بات کریں گے۔

**الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا.** طٰه ۵۳، الزخرف ۱۰

اسی ذات نے کر دیا تمہارے لیے ارض کو اپنے طرف کھینچے رکھنے والی اپنی طرف سمیٹ کر رکھنے والی۔

پھر سورۃ الذاریات کی آیت نمبر ۴۸ میں اللہ نے کہا۔

**وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ.** الذاریات ۴۸

**وَالْاَرْضَ** اور ارض تھی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تھی تو اس کا جواب کئی مقامات پر دے دیا کہ زمین ایک گولہ ہے گیند کی طرح گول ہے **فَرَشْنٰهَا** زمین گیند کی طرح گول ہونے کے باوجود فرش بنا دیا ہم نے اسے یعنی رہنے کے قابل بنا دیا **فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ** پس تب تک یہ تمہیں اپنی طرف کھینچے اور سمیٹے ہوئے ہے تمہیں اپنے گول ہونے اور حرکت کرنے کے احساس سے محفوظ رکھے ہوئے ہے جب تک تم میری بات کو مان رہے ہو اور جب تم نے میری بات کو نہ مانا یعنی خالق کی ہدایات کے خلاف زمین میں اعمال کیے تو پھر زمین مهد نہیں رہے گی یعنی پھر تم زمین پر محفوظ نہیں رہو گے پھر تمہیں اس کے گیند کی طرح گول اور حرکت کا احساس بھی ہوگا یعنی تب اس پر تمہارے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کی وجہ سے تم پر ہلاکتیں آئیں گی۔

پھر اسی طرح اللہ نے سورۃ النبا کی آیت نمبر ۶ میں کہا۔

**اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا.** النبا ۶

کیا نہیں ہم نے کر دیا ارض کو ایسا کہ ہر شئے کو اپنی طرف کھینچے رکھنی والی اپنی طرف سمیٹے رکھنے والی؟

ان آیات میں اللہ نے بہت ہی صراحت کیساتھ ان کے ان چاروں اعتراضات کے جوابات دے دیئے۔ آپ پیچھے یہ بات جان چکے ہیں کہ اللہ نے مختلف پہلوؤں سے پھیر پھیر کر یہ بات واضح کر دی کہ زمین گیند کی طرح گول ہے اور گیند کی طرح گول ہونے کے باوجود سپاٹ خصوصیات کی حامل ہے جیسا کہ آپ سورۃ نوح کی آیت نمبر ۱۹ میں دیکھ رہے ہیں۔

**وَاللّٰهُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا.** نوح ۱۹

اور اللہ ہے کر دیا تم کو زمین بساط یعنی زمین کو ایسا کر دیا کہ گیند کی طرح گول ہونے کے باوجود تم کو اپنی طرف ایسے سمیٹے ہوئے ہے جیسے کہ گول نہیں بلکہ چپٹی ہو یعنی زمین گیند کی طرح گول ہونے کے باوجود ایسی بنا دی کہ تمہیں رائی برابر بھی اس بات کا احساس نہ ہو کہ زمین گیند کی طرح گول ہے بلکہ تمہیں ہر لحاظ سے ایسی نظر آتی ہے اور احساس ہوتا ہے کہ وہ چپٹی ہے، تم کسی گیند نما گول شئے پر یعنی گولے پر نہیں رہ رہے جس سے تمہیں یہ خوف ہو کہ آگے جانے سے کہیں تم سرک کر زمین سے نیچے گر جاؤ گے بلکہ تمہیں ایسا لگتا ہے کہ تم بالکل سپاٹ شئے پر رہ رہے ہو یوں تمہیں نیچے سرکنے کا بالکل بھی خوف نہیں۔

ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ اگر زمین گیند کی طرح گول ہے تو اس پر ہر شئے ٹھہرے کیوں ہوئی ہے اشیاء کو تو سرک سرک کر نیچے گرنا چاہیے کوئی شئے نہیں ہل رہی

اس کا مطلب ہے کہ زمین گول نہیں بلکہ چپٹی ہے۔

توان کے اس اعتراض کا اللہ نے پہلے ہی جواب قرآن میں رکھ دیا تھا اللہ نے کہا کہ ہم نے زمین کو مھادبنایا ہے ہر شئے کو اپنی طرف کھینچے رکھنے والی ہر شئے کو اپنی طرف سمیٹ کر رکھنے والی اور اللہ نے یہاں تک کہہ دیا کہ کیا ہم نے زمین کو ایسا نہیں بنایا؟ یعنی آج تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو جسے تم زمین کی مقناطیسی قوت کا نام دیتے ہو جس کی وجہ سے زمین پر ہر شئے اس کی طرف کھینچی ہوئی ہے۔ تو کیا ہم نے زمین کو ایسا نہیں بنایا؟ اب جب زمین ہر شئے کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے سمیٹے ہوئے ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ زمین پر سے کوئی شئے سر کے؟ یعنی آپ کے پاس مقناطیس کا ایک بڑا ٹکڑا ہو اس کے ارد گرد لوہے کے چھوٹے چھوٹے ذرات ہوں جنہیں وہ اپنی طرف کھینچے رکھے تو کیا پھر لوہے کے ذرات اِدھر اُدھر سر کیں گے؟ بالکل نہیں۔ تو بالکل یہی خصوصیت زمین میں رکھ دی زمین بھی مقناطیس کے ٹکڑے کی طرح ہر شئے کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے تو جہاں تک زمین کی مقناطیسی قوت ہے وہاں تک بھلا کوئی بھی شئے کیوں سر کے گی؟

اللہ نے قرآن میں مختلف پہلوؤں سے اس حقیقت کو بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا یوں آپ نے جان لیا کہ ان کا یہ اعتراض سوائے جہالت کے اور کچھ نہیں۔

پھر ان کا دوسرا اعتراض تھا کہ زمین اگر اپنے ہی محور پر اور سورج چاند سمیت تمام ستاروں و سیاروں کیساتھ اپنے مدار میں اتنی تیز رفتاری سے سفر کرتی ہوئی آگے اپنی اجل مسمیٰ کی طرف بڑھ رہی ہے تو کوئی شئے ہلتی کیوں نہیں؟ کسی شئے کا نہ ہلنا یہ ثابت کرتا ہے کہ زمین حرکت نہیں کر رہی۔

توان کے اس اعتراض کا بھی انہی آیات میں جواب دے دیا گیا وہی جواب جو ان کے پہلے اعتراض کا ہے جب زمین ہر شئے کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے تو پھر کچھ بھی ہو زمین پر کوئی بھی شئے ہلے گی کیوں؟ سوائے یہ کہ اگر کسی شئے پر زمین کی کھینچنے کی قوت کے خلاف قوت کا استعمال کیا جائے۔ اگر کوئی بھی شئے زمین کی مقناطیسی قوت کے خلاف قوت استعمال نہیں کرتی تو وہ کیوں ہلے گی؟ وہ بالکل نہیں ہل سکتی۔ یوں ان کا یہ اعتراض بھی بے بنیاد اور جاہلانہ ثابت ہو جاتا ہے۔

پھر ان کا تیسرا اعتراض تھا کہ اگر زمین گول ہے اور اتنی تیز رفتاری سے حرکت کر رہی ہے تو پھر مثال کے طور پر آپ نے جاپان جانا ہے تو آپ کو جہاز اڑا کر آگے لے جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جہاز کو تھوڑا اوپر ہوا میں بلند کرو کچھ ہی دیر میں زمین گھوم کر جاپان آجائے تو نیچے اتار لو اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین حرکت نہیں کر رہی بلکہ ساکت ہے اسی وجہ سے تو اگر آپ جہاز ہوا میں بلند کرتے ہیں تو واپس نیچے اتارنے پر وہیں اترے گا جہاں سے اوپر کیا تھا۔

ان کے اس اعتراض کا جواب بھی انہی آیات میں موجود ہے جو بات پہلے کی گئی کہ جب زمین پر تمام اشیاء کو جہاں تک زمین کی مقناطیسی کشش ہے وہاں تک انہیں اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے اپنی طرف سمیٹے ہوئے ہے تو پھر ظاہر ہے زمین گھومتی ہے تو وہ اشیاء کیا زمین کیساتھ ہی نہیں گھومیں گی؟ مثلاً اگر ایک مقناطیس کا ٹکڑا لیں اور اس کے ارد گرد لوہے کے ذرات بکھیر دیں ان ذرات اور مقناطیس کے ٹکڑے کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل کر دیں اب مقناطیس ان ٹکڑوں کو اپنی طرف کھینچے رکھے گا لیکن رکاوٹ کی وجہ سے مقناطیس اور ان ذرات کے درمیان فاصلہ ہوگا اب اگر آپ مقناطیس کو گھماتے ہیں تو اس کے ساتھ وہ ذرات بھی گھومیں گے کیونکہ مقناطیسی کشش ان کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے اپنی طرف سمیٹے ہوئے ہے۔

بالکل اسی طرح جب جہاز ہوا میں بلند ہوتا تو کیا وہ زمین کی مقناطیسی کشش کی حد سے باہر نکل جاتا ہے یا اس کے اندر رہتا ہے؟ اگر وہ زمین کی مقناطیسی کشش کی حد کے اندر رہتا ہے تو پھر وہ ایک ملی میٹر یا اس سے بھی کم ادھر سے ادھر نہیں ہوسکتا بلکہ وہ زمین کیساتھ ہی گھومے گا۔ اگر اسے کہیں جانا ہوگا تو اسے زمین کی مقناطیسی قوت کے خلاف قوت کا استعمال کرنا ہوگا جتنی قوت وہ استعمال کرے گا اتنی اس کی رفتار بڑھے گی وہ اتنا ہی آگے بڑھے گا۔

اگر جہاز زمین کی مقناطیسی کشش کی حد سے باہر نکل جاتا ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا پھر وہاں سے اسے زمین گھومتی نظر آئے گی وہ زمین کیساتھ نہیں گھومے گا لیکن کیا جہاز زمین کی مقناطیسی کشش کی حد سے باہر نکل جاتا ہے جو وہ اپنی جگہ پر نہ رہے اور زمین نیچے سے گھومے گی؟ جب جہاز زمین کی مقناطیسی کشش کی حد میں ہوتا ہے اس کے اندر ہوتا ہے تو پھر جہاز بھی زمین کیساتھ ایسے ہی گھومے گا جیسے سطح زمین پر پڑی تمام اشیاء زمین کیساتھ ہی گھوم رہی ہیں جس سے زمین کے

گھومنے کا ادراک نہیں ہوتا۔

آپ کئی مشاہدات بھی کر سکتے ہیں۔ مثلاً ایک گاڑی جب تیز رفتاری سے سفر کر رہی ہوتی ہے تو جو اشیاء گاڑی کے اوپر یا اندر ہوتی ہیں اگر وہ باہر نہ دیکھیں صرف گاڑی کی اندرونی چھت یا اس کے فرش کو یا سیٹوں وغیرہ کو دیکھیں تو کیا فرش، چھت یا سیٹیں سفر کرتی نظر آتی ہیں؟ نہیں بالکل نہیں۔ بالکل ایسے ہی جو زمین کی مقناطیسی کشش کی حد میں ہے اسے زمین کے گھومنے کا قطعی احساس نہیں ہوگا کیونکہ وہ بھی زمین کیساتھ ہی گھوم رہا ہے اس کے برعکس اسے زمین کے باہر کی اشیاء یعنی سورج، چاند اور ستارے وغیرہ گھومتے سفر کرتے نظر آئیں گے۔ یہاں تک کہ اگر آپ کسی گاڑی کی چھت پر سوار ہوں جو سو کلو میٹر یا اس سے زائد رفتار سے چل رہی ہو اگر آپ بالکل سیدھا اوپر آسمان کی طرف کوئی شئے پھینکیں اسے واپس آنے میں کئی سیکنڈ لگیں گے اب ہونا تو یہ چاہیے کہ گاڑی چل رہی ہے جتنی دیر میں شئے اوپر گئی اور نیچے آئی تو اتنی دیر میں گاڑی کو بہت آگے چلے جانا چاہیے جب شئے نیچے گرے لیکن ایسا نہیں ہوگا بلکہ شئے واپس گاڑی کے اوپر ہی عین اسی مقام پر نیچے آئے گی جہاں سے آپ نے پھینکی تھی یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ آپ نے شئے اوپر پھینکی تو اس کے اوپر جانے اور واپس نیچے آنے تک گاڑی آگے نکل جائے اور وہ نیچے زمین پر گرے۔ ایسا اس لیے نہیں ہوگا کیونکہ جب آپ نے شئے اوپر پھینکی تو آپ نے تو صرف اوپر پھینکنے کی قوت استعمال کی مگر گاڑی جس رفتار سے چل رہی ہے جب آپ شئے پھینکیں گے تو خود بخود آگے کو وہ قوت بھی استعمال ہوگی جو گاڑی آگے کو چل رہی ہے یوں وہ شئے نہ صرف اوپر کو سفر کرے گی بلکہ جس رفتار سے گاڑی چل رہی ہے اس رفتار سے آگے کو بھی سفر کرے گی یوں واپس وہ وہیں آئے گی جہاں گاڑی ہوگی یا پورے حساب کتاب سے آگے ہی گرے گی۔ اور ایسا اسی لیے ہوتا ہے کیونکہ زمین ہر شئے کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے کوئی شئے آگے پیچھے اوپر تب ہی جائے گی جب وہ زمین کی مقناطیسی قوت کے خلاف قوت استعمال کرے گی یوں ان کا یہ اعتراض بھی انتہائی جاہلانہ اور بے بنیاد ثابت ہو جاتا ہے۔

اب آتے ہیں ان کے چوتھے اعتراض کی طرف۔ چوتھا اعتراض کہ جب جہاز اڑتا ہے اور چالیس ہزار فٹ کی بلندی پر جا کر سفر کرتا ہے اور بالکل سیدھے سفر کرتا ہے تو زمین اگر گول ہوتی تو جیسے جیسے جہاز آگے بڑھے تو جہاز کا زمین سے فاصلہ بڑھتے جانا چاہیے یوں جہاز کو خلا میں چلے جانا چاہیے لیکن جہاز دس بارہ گھنٹے مسلسل پرواز کرتا ہے تو چالیس ہزار فٹ پر ہی رہتا ہے ایسا اس لیے ہی ہو سکتا ہے کیونکہ زمین گول نہیں بلکہ چپٹی ہے۔

تو اس کا بھی وہی جواب ہے کہ جب زمین کو اللہ نے مہاد کیا یعنی زمین ہر شئے کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے تو پھر جب جہاز اوپر کو اڑنے کے لیے قوت استعمال کرتا ہے تو اسے زمین کی مقناطیسی قوت کے خلاف قوت استعمال کرنا پڑے گی جتنی قوت وہ استعمال کرے گا اتنا ہی اوپر جائے گا اب اگر وہ چالیس ہزار فٹ کی بلندی پر جا کر مزید اوپر جانے کے لیے قوت کا استعمال ترک کر دیتا ہے اور جتنی قوت سے وہ چالیس ہزار فٹ کی بلندی پر ٹھہر سکتا ہے صرف اتنی ہی استعمال کرتا ہے اور آگے کو سفر کرتا ہے تو پھر خواہ وہ ایک منٹ آگے کو سفر کرے یا ایک لاکھ سال اس کا نہ تو زمین سے فاصلہ کم ہوگا نہ ہی زیادہ کیونکہ زمین ہر شئے کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے اگر وہ اس قوت میں کمی کرے گا تو زمین اسے اتنا ہی نیچے کھینچ لے گی اگر قوت میں اضافہ کرے گا تو اس کا زمین سے فاصلہ بڑھے گا لیکن اگر وہ کسی خاص فاصلے پر جا کر اضافی قوت کا استعمال ترک کر دیتا ہے صرف اتنی ہی قوت استعمال کرتا ہے جتنی سے وہ اس بلندی پر رہ سکے تو خواہ وہ لاکھوں کلو میٹر آگے کو بڑھتا رہے اس کے اور زمین کے درمیان فاصلہ نہ کم ہوگا نہ زیادہ۔

ان لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ غور و فکر نہیں کرتے، یہ عقل سے کام نہیں لیتے بار بار یہ بات کہی گئی کہ زمین کو مہاد بنایا ہے زمین کو مھد بنایا ہے یعنی زمین اشیاء کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے جب زمین اشیاء کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے تو جہاں تک زمین کی مقناطیسی کشش ہے وہاں تک کوئی بھی شئے بغیر قوت کے استعمال کے اِدھر اُدھر، آگے پیچھے یا اوپر کیسے جا سکتی ہے؟ بالکل نہیں جا سکتی۔ یوں ان کا یہ اعتراض بھی ردی کی ٹوکری میں چلا جاتا ہے اور ان کی عقل کا اندازہ بھی بخوبی ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ کس قدر جاہل ہیں یہ اپنا مذاق خود بنا رہے ہیں۔

اب بڑھتے ہیں آگے اور ان کے پانچویں اعتراض اور اس کی حقیقت کو کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

ان کا پانچواں اعتراض جس کی بنیاد ان کے اپنے خود ساختہ تراجم و تفاسیر ہیں یہ ہے کہ قرآن میں اللہ نے خود کہا ہے کہ اس نے پہاڑوں کو زمین میں میخیں بنایا

یا میخوں کی طرح گاڑھ دیا تا کہ زمین ہلے نا زمین ساکت رہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زمین ساکت ہے اور پھر سورت فاطر کی آیت نمبر ۴۱ کو بھی ساتھ بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پکڑا ہوا ہے تا کہ وہ حرکت نہ کریں جس سے یہ بات قرآن سے ثابت ہو جاتی ہے کہ زمین نہ صرف چپٹی ہے بلکہ ساکت ہے حرکت نہیں کر رہی۔

اور اس کے لیے یہ جن آیات کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کے لیے پیش کرتے ہیں وہ آیات آپ کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ کس طرح یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد کو ترک نہ کرنے کی خاطر اور الٹا ان کے حق میں دلائل گھڑنے کے لیے قرآن کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں کس طرح قرآن کی آیات کو اپنے من پسند تراجم و تفاسیر پہنا کر اپنے آباؤ اجداد کو سچا ثابت کرنے کے جتن کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ان تمام آیات کو آپ کے سامنے رکھتے ہیں اس کے بعد ان آیات کی روشنی میں حقیقت کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں۔

**اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا. وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا.** النبا ٦، ٧

کیا نہیں ہم نے کیا زمین کو ایسا کہ زمین پر ہر شیئے کو اپنی طرف کھینچے رکھنے والی اپنی طرف سمیٹے رکھنے والی۔ اور کیا ہم نے نہیں کیا پہاڑوں کو اوتاد؟ سورت النبا کی آیت نمبر سات میں لفظ اوتاد کا استعمال کیا گیا جو کہ جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد وتد ہے اور وتد کہتے ہیں ایسی شیئے کو جس میں پھانے، فانے یا تکونے کی خصوصیات پائی جاتی ہوں جیسا کہ درج ذیل تصاویر میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔

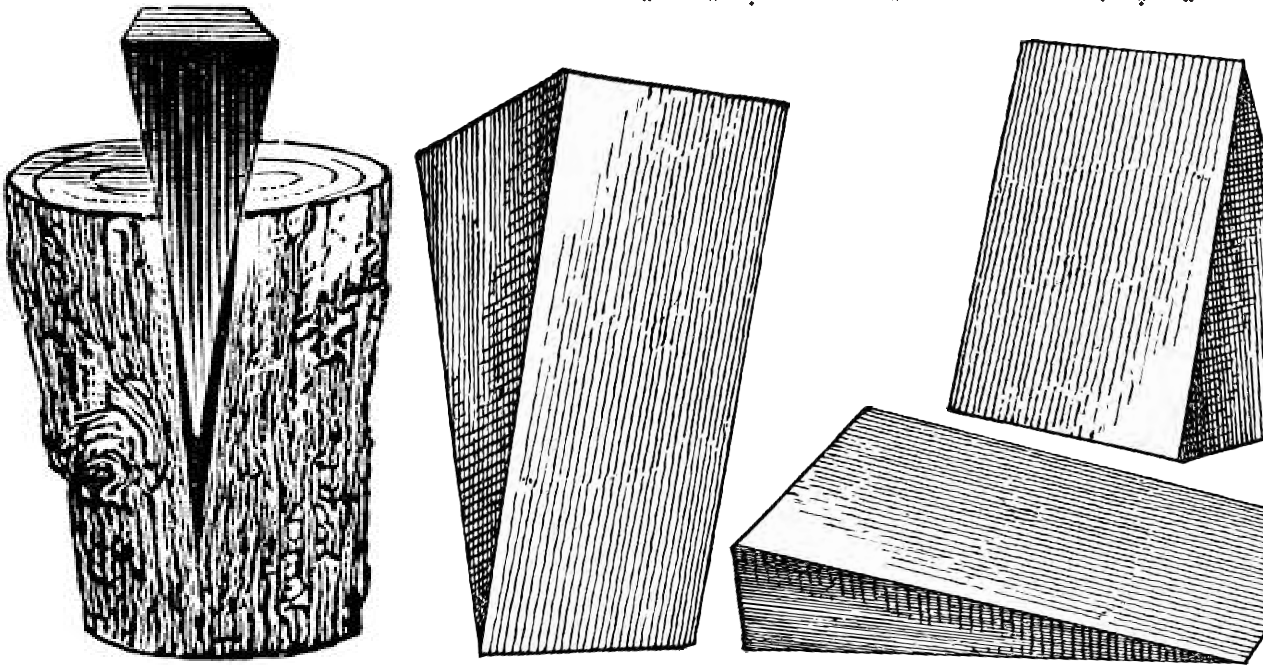

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اسے کسی بھی طرف سے دیکھا جائے تو یہ تکونہ نظر آتا ہے یعنی اس کے تین کونے نظر آتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اسے کسی شیئے میں ٹھونکا جائے یعنی گاڑھا جائے تو یہ نہ صرف مضبوطی سے گڑھ جاتا ہے کہ نکلنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے بلکہ اگر شیئے سخت ہو تو اسے پھاڑ دیتا ہے اور اگر شیئے نرم ہو تو اسے اطراف میں انتہائی زور سے دھکیل دیتا ہے۔ جیسے جیسے اس میں آپ غور کریں گے تو آپ کو اس کی مزید خصوصیات کا علم ہوتا چلا جائے گا۔ اس آیت میں اللہ نے پہاڑوں کو اوتاد کہا یعنی پہاڑوں میں وہی خصوصیات ہیں جو خصوصیات اوتاد یعنی وتج، فانے میں پائی جاتی ہیں۔ پہاڑوں کی ساخت ایسی ہے کہ نہ صرف یہ اوپر کو تکونے کی طرح اٹھے ہوئے نظر آتے ہیں بلکہ یہ اسی طرح تکونی صورت میں زمین کی نچلی تہوں میں بھی نیچے کو دھنسے ہوئے ہیں اور یہ اسی طرح وجود میں آئے جس طرح تکونے کو زمین میں گاڑنے سے زمین اطراف میں پریس ہو کر دباؤ کا شکار ہو کر سخت ہونے کے ساتھ ساتھ اوپر کو اٹھ آتی ہے اور نچلی طرف سے بھی نیچے دھنس جاتی ہے۔ زمین کی تہیں اطراف سے دباؤ پڑنے کی وجہ سے نہ صرف آپس میں ایک دوسرے میں دھنس کر جکڑی گئیں بلکہ وہ تکونوں کی صورت میں اوپر کو اٹھ گئیں یوں پہاڑ وجود میں آئے اور جہاں جہاں پہاڑ ہیں وہاں وہاں نہ صرف زمین سخت ہے اور زمین کی تہیں ایک دوسرے میں ایسے دھنس کر جکڑی ہوئی ہیں جیسے رسی کے دو ٹکڑوں کو گانٹھ لگا دی جائے بلکہ جیسے اوپر کو اٹھی ہوئی ہیں پہاڑ نظر آتے ہیں اسی طرح نیچے کو بھی دھنسی ہوئی ہیں۔

اب غور کریں اس آیت میں اللہ یہ سوال کر رہا ہے کہ کیا ہم نے پہاڑوں کو اوتاد نہیں کیا؟ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اللہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے؟ ایسا کن کو

کہا جائے گا؟ کیا ایسا ان کو کہا جا سکتا ہے جو پہاڑوں کے بارے میں بالکل علم نہ رکھنے والے ہوں؟ بے علم ہوں؟ یا صرف اور صرف انہی کو کہا جا سکتا ہے کہ جو پہاڑوں کے بارے میں علم رکھنے والے ہوں جن پر پہاڑوں کی ساخت و تخلیق کے راز کھل چکے ہیں؟ ایسا تو صرف انہی کو کہا جا سکتا ہے جن پر پہاڑوں کی تخلیق کے راز کھل چکے ہوں اور انہی کو کہا گیا یعنی آج موجودہ انسانوں کو کہا جا رہا ہے نہ کہ چودہ سو سال قبل کے مشرکین کو۔

اور پھر دیکھیں اگلی آیات میں اللہ نے کیا کہا۔

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ. النحل ١٥

اور ڈال دیں زمین میں چوٹیاں اس لیے کہ تمہارے ساتھ ہی کہیں زمین پھسل نہ جائے اس وجہ سے جو وہ عمل انجام دے رہی ہے زمین کی تہیں پانی کی طرح بہہ نہ پڑیں یعنی لینڈ سلائیڈنگ نہ ہو۔

وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِھِمْ. الانبیاء ٣١

اور کر دیں ہم نے زمین میں چوٹیاں اس لیے کہ تمہارے ساتھ ہی کہیں زمین پھسل نہ جائے زمین کی تہیں پانی کی طرح بہہ نہ پڑیں یعنی لینڈ سلائیڈنگ نہ ہو۔

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ. لقمان ١٠

اور ڈال دیں زمین میں چوٹیاں اس لیے کہ تمہارے ساتھ ہی کہیں زمین پھسل نہ جائے زمین کی تہیں پانی کی طرح بہہ نہ پڑیں یعنی لینڈ سلائیڈنگ نہ ہو

ان آیات میں لفظ تمید کا استعمال کیا گیا اصل لفظ ''مید'' ہے اور اس کے شروع میں ''ت'' کا اضافہ ہے۔ ''ت'' زمین کے کسی عمل کا اظہار کر رہی ہے جس عمل کا تعلق ''مید'' سے ہے اور ''مید'' عربی میں کہتے ہیں پھسل کر بہہ پڑھنے کو یعنی لینڈ سلائیڈنگ کو۔

اب غور کرنے والی بات تو یہ ہے کہ آخر زمین کا وہ کون سا عمل ہے زمین ایسا کون سا عمل انجام دے رہی ہے جس کی وجہ سے زمین کی تہیں پھسل کر پانی کی طرح بہہ سکتی ہیں یعنی لینڈ سلائیڈنگ ہو سکتی ہے جسے روکنے کے لیے رواسی یعنی زمین پر جو چوٹیاں آپ کو نظر آتی ہیں وہ کی گئیں جنہیں آپ پہاڑ کہتے ہیں عربی میں جبال کہا جاتا ہے؟ اور سورت النبا کی آیت نمبر سات میں یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ جبال یعنی پہاڑوں کو اوتاد کیا گیا ہے یعنی پہاڑ اس طرح وجود میں آئے کہ جب زمین تکمیلی کے مراحل سے گزر رہی تھی اور خلا سے شہابیوں کی بارش ہو رہی تھی جس سے زمین کی اوپری تہیں وجود میں آ رہی تھیں تو زمین کے گھومنے کی وجہ سے ان تہوں پر دباؤ پڑتا بالکل ایسے ہی جیسے آپ کسی گاڑی پر سوار ہوتے ہیں جب گاڑی آگے کو چل رہی ہوتی ہے تو آپ پر پیچھے کو دباؤ پڑتا ہے اور اگر آپ کسی شئے کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے نہ ہوں تو آپ پیچھے کو پھسل جائیں۔ بالکل ایسے ہی جب زمین کی یہ تہیں وجود میں آ رہی تھیں زمین کے اپنے ہی محور پر گھومنے کی وجہ سے ان تہوں پر دباؤ پڑنے کی وجہ سے یہ نہ صرف آپس میں ایک دوسرے میں جگہ جگہ سے دھنس گئیں بلکہ تکونوں کی طرح اوپر کو بھی اٹھ کر پہاڑ وجود میں آ گئے اور نیچے کو بھی اسی طرح نچلی تہوں میں دھنس گئیں جس سے ان کا سرکنا ان کا پھسلنا رک گیا ان کا پھسلنا بند ہو گیا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جن آیات سے یہ زمین کے ساکت ہونے کی دلیل اخذ کر رہے ہیں وہ آیات تو خود چیخ چیخ کر اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ زمین حرکت کر رہی ہے زمین کے حرکت کرنے کی وجہ سے زمین کی اوپر والی تہیں لرزیں نہ اِدھر اُدھر ہلیں نہ ان کو لرزنے سے، ہلنے سے بچانے کے لیے پہاڑوں کو اوتاد کیا گیا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کے ان آیات کے من چاہے تراجم کا عربی متن کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں جن سے یہ اپنے آباؤ اجداد سے منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کی سر توڑ اور ناکام کوشش کرتے رہے۔

سوال تو الٹا ان لوگوں سے بنتا ہے جب ان کے بقول زمین ساکت ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمین میں پہاڑوں کو میخوں کی طرح کیوں گاڑھ دیا؟ ان کا کہنا ہے کہ زمین میں پہاڑوں کو بطور میخیں گاڑھ دیا تا کہ زمین حرکت نہ کرے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب زمین ہے ہی ساکت تو پھر میخیں گاڑھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ذرا غور کریں اگر کوئی شئے ساکت ہو تو اس پر پڑی اشیاء کو مضبوطی سے باندھنے کی ضرورت پیش آئے گی کہ کہیں اشیاء پھسل کر بہہ نہ پڑیں؟ اور اگر اشیاء کو مضبوطی سے باندھا جاتا ہے تو کیوں باندھا جائے گا؟

آپ گاڑی کی ہی مثال لے لیں اگر گاڑی ایک جگہ پر ساکت کھڑی رہے اور اس پر سامان لادھا ہوا ہو تو کیا سامان باندھنے کی ضرورت پیش آئے گی؟ نہیں

بالکل نہیں۔ اور اگر سامان کو مضبوطی سے باندھا جاتا ہے تو آخر کیوں باندھا جائے گا؟ اسی لیے کہ جب گاڑی چلے تو کہیں سامان گاڑی چلنے کی وجہ سے دباؤ پڑنے سے پھسل کر اِدھر اُدھر گر نہ پڑے، پیچھے کو بہہ کر گر ہی نہ پڑے۔

اسی لیے اگر یہ کہا جاتا کہ زمین حرکت کر رہی ہے اور پہاڑوں کو بطور میخوں کے گاڑھ دیا تو پھر بات سمجھ آتی ہے کہ اس لیے گاڑھا تا کہ زمین کے حرکت کرنے سے زمین پر اتھل پتھل نہ ہو زمین کی تہیں بہہ نہ پڑیں پھسل نہ پڑیں جس سے زمین پر تباہیاں نہ آتی رہیں لینڈ سلائیڈنگ نہ ہوتی رہے اشیاء اِدھر اُدھر نہ گریں اس لیے زمین کی تہوں کو جامد کرنے کے لیے ایسا کیا گیا۔

زمین کی تہوں میں غور کریں تو آپ یہ دیکھیں گے کہ زمین پر تہوں کے جگہ جگہ کنارے ہیں کناروں پر گڑھے ہیں یعنی آگے تہیں نہیں بلکہ گہرائیاں آجاتی ہیں تہوں کا تسلسل نہ ہونے کی وجہ سے یوں زمین پر بڑے بڑے گڑھے ہیں جن میں پانی بھرا ہوا ہے جنہیں آپ سمندر کہتے ہیں۔ زمین کی تہوں کو اگر پہاڑوں کو وجود میں لانے سے جامد نہ کیا جاتا تو یہ تہیں ہر وقت جگہ جگہ سے ٹوٹ کر پھسل پھسل کر کناروں کی طرف بہتی رہتیں اور زمین ہر لمحے کہیں نہ کہیں سے لینڈ سلائیڈنگ کا شکار رہتی اور یوں بالآخر ساری خشکی بہہ بہہ کر پانیوں میں چلی جاتی اور ساری زمین پر پانی ہی پانی ہوجاتا خشکی کا ایک ذرہ بھی نہ رہتا، اسی سے محفوظ رکھنے کے لیے پہاڑوں کو اوتاد کیا گیا۔ یہ تمام تر حقائق چیخ چیخ کر اس بات کو آپ پر واضح کر رہے ہیں کہ زمین ساکت نہیں ہے بلکہ زمین حرکت کر رہی ہے جیسا کہ پیچھے تفصیل کیساتھ ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا یوں ان کے اس اعتراض اور ان کی عقل کا پردہ بھی چاک ہوگیا۔

اب آئیں اس آیت کی طرف جس کو بنیاد بنا کر کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ نے کہا کہ اللہ نے آسمانوں وزمین کو پکڑا ہوا ہے تا کہ وہ حرکت نہ کریں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ آیت زمین کے ساکت ہونے کی دلیل ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا. فاطر ۴۱

اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا یہ جو خود ہی جکڑے ہوئے ہیں تھمے ہوئے ہیں آسمان اور زمین نہیں ہل رہے اپنے مقام سے۔

یہ آیت انتہائی گہری آیت ہے جو اپنے اندر بہت بڑے بڑے راز سموئے ہوئے ہے لیکن ان لوگوں نے اس آیت میں لفظ تزولا کے معنی حرکت کے کیے۔ ’’ان تزولا‘‘ نہ حرکت کریں جس سے ان کا کہنا ہے کہ زمین ساکت ہے اللہ زمین کو تھامے ہوئے ہے۔ حالانکہ یہ لفظ زولا ہے جو کہ زل سے ہے اسی سے زلزلہ ہے تو کیا زلزلہ کے معنی حرکت کرنے کے کیے جاسکتے ہیں؟ زل کہتے ہیں ایک طرف سے دوسری طرف جانے کو، ہلنے کو اور زل زل کہتے ہیں ہلنے ہلنے کو یعنی ایک شئے ایک طرف سے دوسری طرف جاتی ہے پھر دوسری طرف سے واپس پہلی طرف آتی ہے اس طرح ہلنے کو زل زل کہتے ہیں اور جس کے زل زل کا ذکر کیا جاتا ہے اس کی طرف اشارے کے لیے ہ کا استعمال کیا جاتا ہے یوں لفظ زلزلہ بن جاتا ہے۔ اس آیت میں لفظ زول ہے زول کے معنی ایک سمت سے دوسری سمت مسلسل ہلنا، بہنا۔

اس آیت میں اللہ نے بات کھول کر واضح کر دی کہ دیکھو کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو جکڑا ہوا ہے؟ غور کرو جو ذات سامنے آئے گی وہی تو اللہ تھا نہ کہ اللہ وہ ہے جو تم نے آسمانوں پر چڑھایا ہوا ہے اور اس آیت میں لفظ اللہ کی ہ پر زبر لاکر اسے ماضی کا صیغہ بنا دیا یعنی آج آسمان وزمین زول ہو رہے ہیں تو جو زول کر رہا ہے وہ اللہ نہیں بلکہ اس کے شریک ہیں۔

اس آیت میں بھی یہ بات بالکل واضح ہے کہ زمین حرکت کر رہی ہے زمین کے حرکت کرنے سے زمین کی تہیں کناروں کی طرف بہہ نہ پڑھیں اس لیے زمین کی تہوں کو جکڑ دیا گیا اور کیسے جکڑ دیا گیا اس کی وضاحت پچھلی آیات میں کھل کر ہو چکی۔ یوں نہ صرف ان کے اعتراض کی حقیقت کھل کر واضح ہوگئی بلکہ جو انہوں نے تراجم وتفاسیر کے نام پر قرآن کیساتھ کھلواڑ کیا وہ حقیقت بھی آپ کے سامنے آگئی۔

بڑھتے ہیں ان کے چھٹے اعتراض کی طرف۔ ان کا اعتراض ہے کہ اللہ نے سورۃ الذاریات کی آیت نمبر ۴۸ میں کہا کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا۔ فرش سپاٹ ہوتا ہے اس لیے یہ آیت بھی زمین کے گول کی بجائے سپاٹ ہونے کی دلیل ہے۔

اب آئیں ان کے اس اعتراض کی حقیقت کی طرف۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے اللہ قرآن میں انسان پر اپنے احسانات واضح کر رہا ہے مثلاً اگر آپ کہیں سنسنان ریگستان میں پھنس جاتے ہیں آس پاس کوئی نہیں گرمی کی شدت ہے اور کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں آپ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں آپ کو یقین ہو جاتا ہے کہ اب آپ کا یہاں سے بچ نکلنا ناممکن ہے تو ایسی صورت میں اگر کوئی آپ کی جان بچالے تو یہ کتنا بڑا احسان ہوگا اس کا آپ پر؟

کل کو آپ اسی سے دشمنی کرنا شروع کر دیں تو کیا وہ آپ کو آپ پر اپنا کیا ہوا احسان یاد نہیں دلائے گا؟ اور پھر کس مقصد کے لیے یاد دلائے گا؟ ظاہر ہے اس لیے کہ اگر آپ پر اتنا بڑا احسان کیا تھا تو اس لیے نہیں کہ آپ الٹا بعد میں اپنے محسن کو ہی نقصان پہنچانا شروع کر دیں بلکہ اس لیے احسان کیا تھا کہ آپ شکر کریں یعنی آپ بھی احسان کا بدلہ احسان سے چکائیں اور اسی کا اللہ نے قرآن کی اس آیت میں بھی ذکر کیا۔

هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ. الرحمٰن ٦٠

کیا ہے بدلہ الاحسان کا؟ مگر الاحسان یعنی الاحسان کا بدلہ صرف اور صرف الاحسان ہے اور کچھ بھی نہیں۔

بالکل ایسے ہی آپ غور کریں کہ قرآن کب اتارا گیا؟ جب پوری دنیا کے انسان جہالت کی گھاٹیوں میں تھے جس مقصد کے لیے بھیجا گیا اس کے برعکس دنیا پر اعمال کر رہے تھے آسمانوں و زمین کو نقصان پہنچانا شروع کر چکے تھے تو ایسی صورت میں اللہ قرآن میں انسان پر اپنے کیے ہوئے احسانات یاد دلا رہا ہے۔ آج انسان جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں کر رہے ہیں ان میں ہر شئے کو فساد زدہ کر رہے ہیں تو اللہ آج انہیں اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے کہ یہ احسانات تم پر اس لیے نہیں کیے تھے کہ تم الٹا اللہ سے ہی دشمنی مول لو اس کی خلق میں چھیڑ چھاڑ کرنا شروع کر دو اللہ کے خلاف منصوبہ بندیاں کرنا شروع کر دو جو آج تم کر رہے ہو؟ یوں اللہ آج اپنے رسول کے ذریعے انسانوں کو ان پر کیے گئے اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا جیسا کہ آپ اس آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰهَا. الذاريات ٤٨

اور ارض تھی فرش بنا دیا ہم نے اسے یعنی رہنے کے قابل بنا دیا فرش کہتے ہیں رہنے کے قابل جگہ کو یعنی زمین گیند کی طرح گول تھی اس کے باوجود ہم نے اسے رہنے کے قابل بنا دیا یہ کتنا بڑا احسان کیا ہم نے تم پر کیا یہ احسان اس لیے کیا تھا جو آج تم ہمارے ساتھ یعنی اللہ کیساتھ الٹا دشمنی کر رہے ہو؟ اور دوسرے کئی مقامات پر اللہ نے بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا کہ زمین گیند کی طرح گول ہے تیز رفتاری سے سفر کر رہی ہے اور اس آیت میں یہی بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو کسی گول اور تیز رفتاری سے کئی اطراف میں بیک وقت سفر کرنے والی شئے پر اتنے سکون سے رہا جا سکتا ہے؟ اس کے باوجود ہم نے تم پر یہ احسان کیا کہ زمین کے گیند کی طرح گول ہونے کی وجہ سے ناقابل رہائش ہونے کے باوجود اور کئی سمتوں میں سفر کرنے کی وجہ سے بھی ناقابل رہائش ہونے کے باوجود تمہارے لیے فرش بنایا یعنی رہنے کے قابل بنایا، قابل رہائش جگہ بنا دی۔ کیا یہ اتنا عظیم احسان اس لیے تم پر کیا کہ تم آسمانوں و زمین میں چھیڑ چھاڑ کرو اللہ کی آیات کا کذب کرو آسمانوں و زمین کو فساد زدہ کرو اللہ سے دشمنی کرو؟

اس لیے یہ کہنا کہ یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ زمین چپٹی ہے یہ انتہائی جاہلانہ بات ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن میں اللہ بار بار شکر کرنے کی تلقین نہ کرتا۔ شکر کہتے ہیں احسان کا بدلہ احسان سے چکانے کو، شکر کہتے ہیں جو کچھ بھی دیا گیا جس مقصد کے لیے دیا گیا اسی مقصد کے لیے اس کا استعمال کرنے کو۔ اور پھر یہ بھی دیکھیں کہ اس آیت میں اللہ زمین کو فرش کی بجائے قرار کہہ رہا ہے۔

اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا. النمل ٦١

کون ہے جس نے کر دیا زمین کو قرارًا؟ یعنی کون ہے وہ جس نے زمین کو گیند کی طرح گول اور بیک وقت کئی سمتوں میں انتہائی تیز رفتاری سے سفر کرنے اور خلا میں معلق ہونے کی وجہ سے اس پر نہ ٹھہرے جا سکنے کے باوجود ٹھہرے جا سکنے والی کر دیا؟

اب ذرا غور کریں کہ کون ہے جس نے زمین کو ٹھہرنے کے لائق کر دیا اس کے باوجود کہ وہ گیند کی طرح گول ہونے کی وجہ سے ٹھہرنے کے لائق نہیں ہو سکتی؟ انتہائی تیز رفتاری سے اپنے ہی محور پر گھومنے اور اپنے مدار میں سفر کرنے کی وجہ سے اس پر ٹھہرنا ناممکن ہونے کے باوجود اس پر ٹھہرا جا سکنے والی کر دیا؟ خلا میں

معلق ہے جس وجہ سے اس پر ٹھہرا جا سکنا ناممکن ہے اس کے باوجود اس پر ٹھہرنا ممکن کر دیا؟ اب جب غور کریں گے تو آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ جس ذات نے ایسا کیا وہ یہی کائنات ہے یہی وجود ہے جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے فطرت ہے اور اب آپ دیکھیں جس نے آپ پر اتنا عظیم احسان کیا آپ اس کے احسان کے بدلے اس کیساتھ کیا کر رہے ہیں؟ آپ فطرت کیساتھ کیا کر رہے ہیں ذرا اپنے اعمال میں غور کریں؟ جس ذات نے آپ پر اتنا عظیم احسان کیا آپ الٹا اسی کے دشمن بنے ہوئے ہیں فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں تو کیا اس لیے آپ پر احسان عظیم کیا گیا؟

**اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا.** غافر ۶۴

اللہ ہے جس ذات نے کر دیا تم کو کہ تم ارض پر ٹھہرے ہوئے ہو ارض کو ٹھہرنے کے قابل بنا دیا اس کے باوجود کہ وہ گیند کی طرح گول ہے جس وجہ سے اس پر ٹھہرنا ناممکن تھا، اس کے باوجود کہ زمین اپنے ہی محور پر اور اپنے مدار میں انتہائی تیز رفتاری سے سفر کر رہی ہے جس وجہ سے اس پر ٹھہرنا ناممکن تھا ممکن کر دیا، اس کے باوجود کہ زمین خلا میں معلق ہے جس وجہ سے اس پر تمہارا ٹھہرنا ناممکن تھا ممکن بنا دیا، اس کے باوجود کہ ہر لمحے ہر طرف سے خطروں میں گھری ہوئی ہے جس وجہ سے اس پر ٹھہرنا ناممکن تھا ممکن کر دیا، اس کے باوجود کہ اس میں آگ بھری ہوئی ہے جس وجہ سے اس پر ٹھہرنا ممکن نہیں تھا ممکن کر دیا، اس کے باوجود کہ یہ ایک سوکھا سڑا ہوا سیارہ تھا جس وجہ سے اس پر زندگی کا وجود ناممکن تھا جیسا کہ اس وقت خلا میں باقی سیاروں کو دیکھ رہے ہو اس کے باوجود زمین پر پانی اتار کر اس پر زندگی کو ممکن کر دیا تمہارا زمین پر ٹھہرنا ممکن کر دیا، اس کے علاوہ بہت سی ایسی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے اس پر ٹھہرنا ناممکن تھا مگر ممکن کر دیا تو کیا یہ احسان عظیم اس لیے کیا جو آج تم بدلے میں کر رہے ہو؟

اب ذرا غور کریں اس آیت میں زمین کو انسانوں کے لیے قرار کیوں کہا؟ قرار کہتے ہیں جس پر ٹھہرا جا سکے اور یہ لفظ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں ناممکن کو ممکن بنایا گیا ہو مثلاً آپ گاڑی پر سامان لاد کر لے جا رہے ہیں اگر سامان باندھا ہوا نہیں تو گاڑی چلنے سے سامان ہلے گا اِدھر اُدھر ہو گا یہاں تک کہ نیچے بھی گر سکتا ہے اور اس کے برعکس قرار کہتے ہیں گاڑی تو چلتی رہے مگر سامان بالکل ایسے ٹھہرا ہوا ہو جیسے کہ کھڑی ہوئی گاڑی پر پڑا ہوا ہے۔ اب اگر صرف اتنا ہی بتانا مقصد تھا کہ زمین تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنا دی تو کیا یہ انسان کو نظر نہیں آ رہا؟ یعنی کیا انسان کو نہیں نظر آ رہا کہ زمین قرار ہے اس کے لیے؟ کیا انسان زمین پر ٹھہرا ہوا نہیں ہے؟ کیا انسان کو زمین پر ٹھہرنے میں کوئی مشکل پیش آ رہی ہے کہ وہ اِدھر اُدھر گر رہا ہے اَدھر اُدھر پھسل رہا ہے؟ جب انسان زمین پر ٹھہرا ہوا ہے وہ اِدھر اُدھر نہیں گر رہا تو پھر انسان کو یہ کہنا کہ ہم نے تمہارے لیے زمین کو قرار بنایا یہ بات تو بے بنیاد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ تو انسان کو پہلے ہی علم ہے کہ زمین ٹھہرنے کے قابل ہے تو وہ ٹھہرا ہوا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ زمین چپٹی ہے اس لیے، مگر انسان کو یہ نہیں علم تھا کہ زمین چپٹی نہیں بلکہ گیند کی طرح گول ہے اور نہ صرف گیند کی طرح گول بلکہ تیز رفتاری سے بیک وقت کئی طرف سے سفر کر رہی ہے اس کے علاوہ زمین ہر لمحے کن کن خطرات سے گھری ہوئی ہے جس وجہ سے اس پر ٹھہرنا ناممکن تھا اس کے باوجود وہ ٹھہرا ہوا ہے تو یہی اللہ انسان پر واضح کر کے اپنا احسان یاد دلا رہا ہے اپنا احسان سامنے لا رہا ہے۔

کہ دیکھو ایک گولے کی مانند گول زمین جو بیک وقت کئی سمتوں میں انتہائی تیز رفتاری سے سفر کر رہی ہے کیا اس پر ٹھہرا جا سکتا تھا؟ ہر لمحے ہر لحاظ سے طرح طرح کے خطرات میں گھری ہوئی ہونے کے باوجود اس پر انتہائی سکون سے بے فکر ہو کر رہا جا سکتا تھا؟ کہ اِدھر اُدھر گرنے کا کوئی خوف نہیں رائی برابر بھی ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ تم کہیں زمین سے نیچے گر پڑو گے یا کوئی اور آفت آ پکڑے گی تو یہ کس نے کیا؟ یہ اتنا عظیم احسان ہم نے تم پر اس لیے کیا تھا کہ تم الٹا ہمارے ساتھ ہی دشمنی کرنا شروع کر دو، آسمانوں و زمین جو کہ ہمارا وجود ہے کو فساد زدہ کرنا شروع کر دو؟ زمین اور اس کے گرد آسمانوں جو کہ سات تہہ در تہہ گیسوں کی تہیں ہیں ان میں چھیڑ چھاڑ کرو؟ ان میں پنگے لو؟ ان میں مخلوقات کو ان کے مقامات سے ہٹاؤ؟ ان کا غلط استعمال کرو؟ ان میں تبدیلیاں کرو؟ زمین کو فرش کہنا، زمین کو قرار کہنا اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کے عقائد کی تائید و تصدیق کی جا رہی ہے بلکہ ان آیات کا مقصد انسان کو اپنے احسانات یاد دلا کر اسے اللہ کے ساتھ بغاوت کرنے سے روکنا ہے اگر وہ الاحسان کا بدلہ نہیں چکاتا تو پھر اسے دوسری طرح روکا جائے گا ڈنڈے کیساتھ جیسے اس سے پہلے قوم نوح کو احسان یاد دلا کر احسان کی بجائے فساد کرنے سے روکا دشمنی سے روکا اور وہ نہ رکے تو ڈنڈے سے روکا گیا، جیسے قوم عاد کو روکا گیا، جیسے قوم ثمود کو، جیسے قوم شعیب کو، جیسے قوم لوط کو، جیسے اخوان لوط کو اور جیسے آل فرعون کو روکا گیا بالکل اسی طرح جب آج اللہ نے تم میں تمہی سے اپنا

رسول بعث کر دیا جو حق کھول کھول کر واضح کر رہا ہے جو تم پر اللہ کے احسانات کھول کھول کر یاد دلا رہا ہے کہ اللہ کیساتھ دشمنی سے باز آ جاؤ ورنہ ڈنڈے کیساتھ روکے جاؤ گے اور اگر آج تم نہیں رکتے تو پھر جان لو عذاب عظیم تمہارے بالکل سر پر آ کھڑا ہے۔

پھر قرآن میں اللہ نے زمین کے اپنے ہی محور پر گھومنے اور زمین کے اپنے مدار میں سفر کرنے کو ایک اور پہلو سے بھی بیان کر دیا۔

**وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ.** النمل ۸۸

اور دیکھتے ہو پہاڑوں کو اور گمان کرتے ہو کہ وہ جامد ہیں یعنی ایک جگہ پر ساکت ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ چل رہے ہیں بادلوں کے چلنے کی طرح۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پہاڑ چل رہے ہیں پہاڑ سفر کر رہے ہیں؟ تو یہ بات جان لیں کہ ایسا نہیں ہے اس آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ جیسے آپ زمین پر موجود ہیں اور اوپر بادلوں کو چلتے ہوئے دیکھ رہے ہیں بالکل اسی طرح اگر آپ کسی ایسے مقام پر چلے جائیں کہ جہاں سے آپ کو بادل اور بادلوں کے نیچے پہاڑ نظر آ رہے ہوں تو آپ کو پہاڑ چلتے ہوئے نظر آئیں۔

جیسے کہ آپ زمین پر موجود ہیں آپ پہاڑوں کی طرف دیکھیں تو آپ کو زمین ساکت نظر آئے گی پہاڑ ساکت نظر آئیں گے اور اوپر بادل چلتے ہوئے نظر آئیں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جیسے آپ بادلوں کو چلتا ہوا دیکھ رہے ہیں بالکل اسی طرح پہاڑ بھی چل رہے ہیں اس کا اندازہ آپ کو تب ہی ہو سکتا ہے جب آپ خلا میں بادلوں سے اوپر زمین کی مقناطیسی کشش کی حد سے باہر نکل جائیں وہاں سے آپ کو پہاڑ چلتے ہوئے نظر آئیں گے جیسے زمین پر کھڑے ہونے سے بادل چلتے ہوئے نظر آتے ہیں اور آج یہ حقیقت انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذرا غور کریں یہ اتنا عظیم راز آج سے چودیاں صدیاں قبل قرآن میں بیان کر دیا گیا تو آخر کیوں؟

بہت سے لوگ اس آیت سے یہ مراد لے لیتے ہیں کہ جیسے گاڑی چلتی ہے اسی طرح پہاڑ چلتے ہوئے ایک دوسرے سے دور جا رہے ہیں تو یہ بات نہ صرف بے بنیاد اور باطل ہے بلکہ یہ بات انتہائی احمقانہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں یوں اس زاویے سے بھی یہ بات اللہ نے واضح کر دی کہ زمین گھوم رہی ہے زمین کے گھومنے سے ہی پہاڑ بادلوں کی طرح چلتے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے آپ اگر کسی گول گیند پر کوئی نشان لگائیں پھر گیند کو گھمائیں تو وہ نشان چلتا ہوا نظر آئے گا اسی طرح زمین کے گھومنے سے زمین پر موجود پہاڑ خلا سے چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آسمان و زمین، رات اور دن کے حوالے سے مشرکین کا جو عقیدہ تھا وہ عقیدہ آج تک چلا آ رہا ہے خود کو مسلمان کہلوانے والے سب سے زیادہ سختی کیساتھ اس عقیدے سے چمٹے ہوئے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ جو باتیں بالکل کھل کر ایسے سامنے آ گئیں جن کا رد نا ممکن ہو گیا تو ان لوگوں نے ان پہلوؤں پر بات کرنے سے ہی گریز کرنا شروع کر دیا تا کہ نہ ہی ان پہلوؤں کو زیر بحث لایا جائے اور نہ ہی حق کو تسلیم کرنا مجبوری بنے۔ لیکن جو پہلو چھپے رہے ان کا انہوں نے کھل کر نہ صرف پرچار کیا بلکہ ان کو نہ ماننے والوں یا ان کے برعکس بات کرنے والوں پر فتوے لگائے جاتے رہے اور لگائے جا رہے ہیں لیکن آج الحمدللہ، اللہ نے ان کی تمام پولیں چاک کر دیں اور تمام کی تمام چاک کر دے گا کیونکہ اب وقت ختم ہو چکا اب ان کو ہر لحاظ سے جو ان کا انجام ہے اس سے دوچار کرنا ہے یہ حق کے دعویدار بنے رہے تو ان پر حق واضح کر کے ان کو اس لحاظ سے بھی ذلیل و رسوا کرنا ہے یوں آج کوئی بھی بات پوشیدہ نہیں رہنے دی جائے گی۔

بہت سے لوگوں کا سوال ہے کہ اگر سورج کا اس کے مغرب سے طلوع ہونا یہ ہو چکا ہے جس طرح آپ نے واضح کیا اس کا رد بھی ممکن نہیں ہے تو پھر اس کا مطلب کہ اب کسی کی بھی توبہ قبول نہیں ہو گی کیونکہ ہم آج تک یہی پڑھتے اور سنتے آئے کہ جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا تب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا تب کسی کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔

پہلی بات یہ جان لیں کہ نہ تو قرآن میں ایسی کوئی بات آئی ہے اور نہ ہی محمد علیہ السلام نے ایسا کبھی کہا کہ جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا تو کسی کی توبہ قبول نہیں ہو گی بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اور حقیقت جاننے کے لیے سب سے پہلے لفظ توبہ کو جان لیں۔

اس میں اصل لفظ ہے ’’تابا، تَبَ‘‘ جس کے معنی ہیں اپنا رخ پلٹانا، پلٹنا۔ جب اس لفظ کے درمیان ’’وُ‘‘ کا استعمال ہو تو لفظ بن جائے گا ’’توب‘‘

جس کے معنی بنتے ہیں پلٹ رہے ہونا اور اس کے آخر میں ''ہ'' کا اضافہ کریں تو یہ لفظ بن جائے گا ''توبہ'' ہ کسی کی طرف اشارے کے لیے استعمال ہوتی ہے یوں لفظ توبہ کے معنی بنتے ہیں کوئی اپنا رخ پلٹ رہا ہے، کوئی واپس پلٹ رہا ہے۔

توبہ کہتے ہیں کہ جب آپ نے اپنا رخ اللہ سے موڑا ہوتا ہے۔ اللہ نے آپ کو فطرت پر قائم ہونے کا کہا کہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے فطرت کی طرف رخ کرو فطرت جو تمہیں مہیا کرے اسی پر انحصار کرو لیکن انسان فطرت کو چھوڑ کر اس کے برعکس دوسری طرف اپنا رخ کر لیتا ہے جیسا کہ آج آپ دیکھیں کہ آپ کی سواری کی حاجت پورا کرنے کے لیے فطرت نے کسے وجود دیا؟ اور جب بھی آپ کو سواری کی حاجت پیش آتی ہے تو کیا آپ اسی کی طرف اپنا رخ کرتے ہیں؟ یا اس کے برعکس کسی اور کی طرف؟ حقیقت آپ کے سامنے ہے۔ جب آپ کو یہ کہا جائے کہ آپ اپنی اس حاجت کو پورا کرنے کے لیے فطرت کی طرف رخ کرو فطرت کی طرف پلٹو اللہ کی طرف پلٹو تو کیا آپ پلٹتے ہیں؟ نہیں بالکل نہیں۔ بلکہ جو آپ کو ایسا کہے کہ آپ ان جدید اور تیز رفتار گاڑیوں کو چھوڑ کر فطرتی ذرائع گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ استعمال کرو ان پر انحصار کرو تو آپ اسے پاگل کہیں گے اس کا مذاق اڑائیں گے اسے طنز و تحقیر کا نشانہ بنائیں گے۔

یہی کہا گیا تھا کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا یعنی تب لوگ اللہ کی طرف پلٹنا بند ہو جائیں گے اللہ کی طرف پلٹنا بند ہو جائے گا۔

یہ کہنا کہ کسی کی توبہ قبول نہیں ہوگی تو یہ صریحاً کھلم کھلا جھوٹ اور اللہ و رسول پر بہتان عظیم ہے کیونکہ آپ جانتے ہیں اللہ کا ایک اسم ہے التواب۔ اگر توبہ قبول ہونا بند ہو جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ التواب ہی نہیں رہے گا؟ حالانکہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ توبہ قبول کرنا بند کر دے حالانکہ اللہ التواب ہے؟ اللہ التواب ہے اس وقت تک اللہ توبہ قبول کرتا ہے جب تک کہ کوئی موت کو اپنے سامنے نہیں دیکھ لیتا جب تک کہ کسی کا وقت بالکل ختم نہیں ہو جاتا اور اس پر واضح نہیں کر دیا جاتا۔

یہی وہ موضوع ہے جس پر پیچھے یاجوج اور ماجوج کے موضوع پر بات کی جا چکی اس کا قرآن میں اللہ نے یوں ذکر کیا ہے۔

وَ حَرَامٌ عَلٰی قَرۡیَۃٍ اَهۡلَكۡنٰهَاۤ اَنَّهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ. الانبیاء ۹۵

وَ اور حَرَامٌ اس وقت تک حرام کر دیا، اس وقت تک اجازت ہی نہیں دی گئی، ممنوع کر دیا گیا عَلٰی پر قَرۡیَۃٍ جتنی بھی قریہ ہیں یعنی جتنے بھی ایسے خطے، علاقے، بستیاں، شہر یا جگہیں ہیں جہاں دین موجود نہیں یعنی جہاں فطرت موجود نہیں بلکہ فطرت کی ضد مصنوعی ہے یا فطرت میں تبدیلی کی جا رہی ہے اَهۡلَكۡنٰهَاۤ کس نے ہلاک کیا؟ ہم نے ہلاک کیا اَنَّهُمۡ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ لوگ جو موجود ہیں جو ہلاکت کا شکار ہوئے لَا یَرۡجِعُوۡنَ نہیں رجوع کر رہے واپس فطرت کی طرف نہیں پلٹ رہے ہلاکت کے بعد اس سے سبق سیکھتے ہوئے اس سے عبرت حاصل کرتے ہوئے واپس اللہ کی طرف نہیں پلٹ رہے بلکہ وہی کر رہے ہیں جو پہلے کر رہے تھے جس وجہ سے ہلاکت آئی، ایسے ہی جو ماضی میں تھے جیسے کہ قوم نوح، عاد، ثمود، لوط، مدین اور آل فرعون وہ بھی رجوع نہیں کر رہے تھے۔

حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَ مَاۡجُوۡجُ وَهُمۡ مِّنۡ كُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ. الانبیاء ۹۶

حَتّٰۤی یہاں تک کہ اِذَا فُتِحَتۡ جب تب کھل گئے یَاۡجُوۡجُ وَ مَاۡجُوۡجُ یاجوج ہیں اور ماجوج ہیں وَهُمۡ اور وہ جو اس وقت موجود ہیں جن کی وجہ سے ہلاکت کے بعد اس سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اللہ سے رجوع نہیں کیا جا رہا مِّنۡ كُلِّ تمام کی تمام سے حَدَبٍ جو ان کے کھلنے سے پہلے ہر کام کی حد تھی یَّنۡسِلُوۡنَ اسے ان کی بنیاد ان کے بیچ سے اس طرح آسانی سے کر رہے ہیں گویا کہ خود بخود ہو رہا ہے۔

یعنی جب پہلی آیات آئیں گی جن میں یاجوج اور ماجوج کا کھلنا ہے تو جب یاجوج اور ماجوج کھل جائیں گے اور وہی سب کریں گے جو اللہ کے کام ہیں تب انسانوں پر اگر کوئی ہلاکت آئے گی تو وہ اللہ کی طرف پلٹنے کی بجائے اللہ سے رجوع کرنے کی بجائے یاجوج اور ماجوج کی طرف ہی رجوع کریں گے۔ تب اللہ کی طرف رجوع کرنا یعنی پلٹنا حرام ہو جائے گا اس پر پیچھے اپنے مقام پر یاجوج اور ماجوج پر بات کرتے ہوئے تفصیل کیساتھ بات کی گئی اور آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہے کوئی جو چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی ہلاکت کے بعد بھی اللہ کی طرف پلٹ رہا ہے یعنی فطرت پر انحصار کر رہا ہے؟ جواب بالکل واضح ہے کہ نہیں بالکل نہیں کوئی بھی نہیں اور یہ تھی حقیقت اس بات کی کہ جب سب سے پہلی آیات میں سے یہ آیت انسانوں پر کھلے گی کہ جہاں وہ سورج

کو غروب ہوتا دیکھ رہے ہیں وہ غروب نہیں ہوتا بلکہ وہیں سے وہ ایک دوسری قوم پر طلوع بھی ہو رہا ہے، جہاں سورج غروب ہو رہا ہے وہیں سے طلوع ہو رہا ہے جب اس راز نے کھلنا تھا تب اللہ کی طرف پلٹنا حرام ہو جانا تھا جو کہ آج کب کا ہو چکا۔

## پانی کب کیسے اور کہاں سے آیا اور دریا و سمندر کیسے وجود میں آئے

خلا میں صرف اور صرف دو گیسیں ہیں جب ان دو گیسوں کا آپس میں اختلاط ہوتا ہے تو دھماکے سے آگ بھڑکتی ہے جس سے ان گیسوں کے مالیکیول بانڈز ٹوٹ کر ان کے ایٹمز الگ الگ ہو کر مزید گیسیں وجود میں آنا شروع ہو جاتی ہیں یوں ان نئی گیسوں کا بھی آپس میں اختلاط ہوتا ہے اور دو طرح کے ستارے یعنی سورج وجود میں آتے ہیں ایک وہ جو جلتے رہتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان پر جھاگ کی تہہ وجود میں آ جاتی ہے جو بیرونی طرف سے ٹھنڈی ہو کر چٹان بن جاتی ہے یوں اندر سے گیسوں کا اخراج بند ہونے کی وجہ سے اندر گیسیں اکٹھا ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور بالآخر وہ ستارہ جو کہ چٹانی تہہ وجود میں آنے سے سیارے میں بدل چکا ہوتا ہے ایک زوردار دھماکے سے پھٹ جاتا ہے اور دوسری طرح کے ستارے وہ ہوتے ہیں جو جھاگ کی تہہ وجود میں آنے کے بعد پھٹتے نہیں۔

جو دھماکے سے پھٹ جاتے ہیں ان کے پھٹنے سے ان میں وجود میں آنے والا مادہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر شہابیوں کی صورت میں اسی رفتار سے خلا میں سفر کرنا شروع کر دیتا ہے ہر طرف جیسے آپ ہوا میں دھماکہ کریں تو اس کے ذرات ہر طرف کو جائیں گے ایسے ہی وہ شہابیے ہر طرف سفر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

جو مادہ شہابیوں کی صورت میں خلا میں سفر کرتا ہے جب ان شہابیوں میں سے ایک قسم کے شہابیے سفر کرتے ہوئے اس سیارے کے پاس سے گزرتے ہیں جو پہلے ایک ستارہ تھا اور پھٹنے کی بجائے سیارہ بن چکا ہوتا ہے تو وہ شہابیے اس کی مقناطیسی کشش کی وجہ سے آگے جانے کی بجائے اس کے گرد گھومنا شروع کر دیتے ہیں اور سیارے کے کھنچاؤ یعنی مقناطیسی کشش کی وجہ سے وہ وقتاً فوقتاً شہابیوں کی بارش کی صورت میں اس سیارے پر گرتے رہتے ہیں اور سیارے پر گرنے کے بعد کیمیائی عوامل سے گزرتے ہیں یوں جب وقتاً فوقتاً ایک قسم کے شہابیوں کی بارشوں سے سیارے کا یہ مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے تو سیارے میں ایک نئی مقناطیسی کشش آ جاتی ہے جس سے خلا میں دوسری قسم کا مادہ بھی سفر کرتے ہوئے اس سیارے کی رینج سے گزرنے پر آگے بڑھنے کی بجائے سیارے کے گرد گھومنا شروع کر دیتا ہے اور وقتاً فوقتاً ان شہابیوں کی بارشیں ہوتی ہیں اور پھر سیارے پر آنے والا مادہ کیمیائی عوامل سے گزرتا ہے اور ہر مرحلے کے دوران طرح طرح کی گیسیں خارج ہوتی ہیں جو سیارے کے گرد جمع ہوتی ہیں اور سب کے آخر میں جب سیارہ مکمل ہو جاتا ہے تو پھر ایک اور ستارہ یعنی سورج وجود میں آتا ہے جس سے خارج ہونے والی توانائی کی شعائیں اس نئے بننے والے سیارے کے گرد گیسوں کے مرکب میں داخل ہوتی ہیں تو سیارے کے گرد گیسوں کا مجموعہ کیمیائی عوامل سے گزرنے کی وجہ سے سیارے کے گرد سات تہہ در تہہ پرتوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، ان مراحل میں سیارے پر خلا سے آنے والے کئی اقسام کے شہابیوں میں سے آخری چار اقسام کا تعلق زمین یعنی سیارے پر موت وحیات سے ہوتا ہے جو کہ سب سے آخری چار مراحل میں شہابیوں کی بارشوں کی صورت میں آنے والا مادہ ہوتا ہے یعنی آخری چار مراحل میں آنے والے چار اقسام کے شہابیے اس مواد پر مشتمل ہوتے ہیں جن سے سیارے پر نظام زندگی نے وجود میں آ کر چلنا ہوتا ہے اور انہیں چار اقسام کے شہابیوں سے خارج ہونے والی گیسوں جو کہ سیارے کے گرد اکٹھی ہوتی رہتی ہیں ان میں سے ہائیڈروجن اور آکسیجن وجود میں آتی ہیں یوں سیارے کے گرد گیسوں کا پیچیدہ ترین حصار وجود میں آتا ہے کیمیائی عوامل جاری رہتے ہیں جنہوں نے آگے جاری رہنا ہوتا ہے جس سے ہائیڈروجن اور آکسیجن کے اختلاط سے پانی وجود میں آتا ہے جسے زمین کی کشش ثقل کھینچ لیتی ہے یوں سیارہ مکمل ہونے کے بعد مسلسل ایک لمبے عرصے تک شدید ترین بارشیں ہوتی رہتی ہیں ان بارشوں کا پانی اونچی جگہوں سے گہرائیوں کی طرف سفر کرتا ہے جس سے زمین کی سطح کٹ کٹ کر بہتی رہتی ہے اور اسی سے نہریں اور دریا وجود میں آ جاتے ہیں اور پانی مسلسل گہری جگہوں میں بھرتا بھرتا سمندر وجود میں آ جاتے ہیں اور پانی اترنے کا سلسلہ تھم جاتا ہے کیونکہ خلا میں جتنا ان گیسوں کا آپس میں اختلاط ہونا تھا وہ مکمل ہو جاتا ہے اس کے بعد ہواؤں کا نظام اور بادلوں کا نظام شروع ہو جاتا ہے۔

# الکتاب

## آیات بیّنات

## جاء عیسیٰ بالبیّنات

حصہ اول

فَهَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِیَهُمۡ بَغۡتَةً فَقَدۡ جَاءَ اَشۡرَاطُهَا

احمد عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخاتم النبیّن